تاریخ اسلام

دور جاہلیت سے وفات مرسل اعظمؐ تک

مہدی پیشوائی

مترجم

کلب عابد خان سلطانپوری

مجمع جہانی اہل البیت علیہم السلام

فہرست مطالب

دوسرا حصہ

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

تیسرا حصہ

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھا حصہ ----------

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

حرف اول

جب آفتاب عالم تاب افق پر نمودار ہوتا ہے کائنات کی ہر چیز اپنی صلاحیت و ظرفیت کے مطابق اس سے فیضیاب ہوتی ہے حتی ننھے ننھے پودے اس کی کرنوں سے سبزی حاصل کرتے اور غنچہ و کلیاں رنگ و نکھار پیدا کرلیتی ہیں تاریکیاں کافور اور کوچہ و راہ اجالوں سے پرنور ہوجاتے ہیں، چنانچہ متمدن دنیا سے دور عرب کی سنگلاخ وادیوں میں قدرت کی فیاضیوں سے جس وقت اسلام کا سورج طلوع ہوا، دنیا کی ہر فرد اور ہر قوم نے قوت و قابلیت کے اعتبار سے فیض اٹھایا۔

اسلام کے مبلغ و موسس سرورکائنات حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ غار حراء سے مشعل حق لے کر آئے اور علم و آگہی کی پیاسی اس دنیا کو چشمۂ حق و حقیقت سے سیراب کردیا، آپ کے تمام الٰہی پیغامات ایک ایک عقیدہ اور ایک ایک عمل فطرت انسانی سے ہم آہنگ ارتقائے بشریت کی ضرورت تھا، اس لئے ۲۳ برس کے مختصر عرصے میں ہی اسلام کی عالمتاب شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں اور اس وقت دنیا پر حکمراں ایران و روم کی قدیم تہذیبیں اسلامی قدروں کے سامنے ماند پڑگئیں، وہ تہذیبی اصنام جو صرف دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں اگر حرکت و عمل سے عاری ہوں اور انسانیت کو سمت دینے کا حوصلہ، ولولہ اور شعور نہ رکھتے تو مذہبِ عقل و آگہی سے روبرو ہونے کی توانائی کھودیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایک چوتھائی صدی سے بھی کم مدت میں اسلام نے تمام ادیان و مذاہب اور تہذیب و روایات پر غلبہ حاصل کرلیا۔

اگرچہ رسول اسلام ﷺ کی یہ گرانبہا میراث کہ جس کی اہل بیت علیہم السلام اور ان کے پیرووں نے خود کو طوفانی خطرات سے گزار کر حفاظت و پاسبانی کی ہے، وقت کے ہاتھوں خود فرزندان اسلام کی بے توجہی اور ناقدری کے سبب ایک طویل عرصے کے لئے تنگنائیوں کا شکار ہوکر اپنی عمومی افادیت کو عام کرنے سے محروم کردئی گئی تھی، پھر بھی حکومت و سیاست کے عتاب کی پروا کئے بغیر مکتب اہل بیت علیہم السلام نے اپنا چشمۂ فیض جاری رکھا اور چودہ سو سال کے عرصے میں بہت سے ایسے جلیل القدر علماء و دانشور دنیائے اسلام کو تقدیم کئے جنھوں نے بیرونی افکار و نظریات سے متاثر اسلام و قرآن مخالف فکری و نظری موجوں کی زد پر اپنی حق آگین تحریروں اور تقریروں سے مکتب اسلام کی پشت پناہی کی ہے اور ہر دور اور ہر زمانے میں ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کیا ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد ساری دنیا کی نگاہیں ایک بار پھر اسلام و قرآن اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کی طرف اٹھی اور گڑی ہوئی ہیں، دشمنان اسلام اس فکری و معنوی قوت واقتدار کو توڑنے کے لئے اور دوستداران اسلام اس مذہبی اور ثقافتی موج کے ساتھ اپنا رشتہ جوڑنے اور کامیاب و کامراں زندگی حاصل کرنے کے لئے بے چین وبے تاب ہیں، یہ زمانہ علمی اور فکری مقابلے کا زمانہ ہے اور جو مکتب بھی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے بہتر طریقوں سے فائدہ اٹھاکر انسانی عقل و شعور کو جذب کرنے والے افکار و نظریات دنیا تک پہنچائے گا، وہ اس میدان میں آگے نکل جائے گا۔

(عالمی اہل بیتؑ کونسل) مجمع جہانی بیت علیہم السلام نے بھی مسلمانوں خاص طور پر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کے پیرووں کے درمیان ہم فکری و یکجہتی کو فروغ دینا وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے اس راہ میں قدم اٹھایا ہے کہ اس نورانی تحریک میں حصہ لے کر بہتر

انداز سے اپنا فریضہ ادا کرے، تاکہ موجودہ دنیائے بشریت جو قرآن و عترت کے صاف و شفاف معارف کی پیاسی ہے زیادہ سے زیادہ عشق و معنویت سے سرشار اسلام کے اس مکتب عرفان و ولایت سے سیراب ہو سکے، ہمیں یقین ہے عقل و خرد پر استوار ماہرانہ انداز میں اگر اہل بیتؑ عصمت و طہارت کی ثقافت کو عام کیا جائے اور حریت و بیداری کے علمبردار خاندان نبوتؐ و رسالت کی جاوداں میراث اپنے صحیح خدو خال میں دنیا تک پہنچادی جائے تو اخلاق و انسانیت کے دشمن، انانیت کے شکار، سامراجی خوں خواروں کی نام نہاد تہذیب و ثقافت اور عصر حاضر کی ترقی یافتہ جہالت سے تھکی ماندی آدمیت کو امن و نجات کی دعوتوں کے ذریعہ امام عصر (عج) کی عالمی حکومت کے استقبال کے لئے تیار کیا جاسکتا ہے۔

ہم اس راہ میں تمام علمی و تحقیقی کوششوں کے لئے محققین و مصنفین کے شکر گزار ہیں اور خود کو مؤلفین و مترجمین کا ادنیٰ خدمتگار تصور کرتے ہیں، زیر نظر کتاب، مکتب اہل بیت علیہم السلام کی ترویج و اشاعت کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، اہل تشیع کے جلیل القدر عالم دین آقائے پیشوائی کی گرانقدر کتاب "تاریخ اسلام" فاضل جلیل عالیجناب مولانا کلب عابد خان سلطانپوری ہندی نے اردو زبان میں اپنے ترجمہ سے آراستہ کیا ہے جس کے لئے ہم دونوں کے شکر گزار ہیں اور مزید توفیقات کے آرزومند ہیں، اس منزل میں ہم اپنے تمام دوستوں اور معاونین کا بھی صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جنھوں نے اس کتاب کے منظر عام تک آنے میں کسی بھی عنوان سے زحمت اٹھائی ہے، خدا کرے کہ ثقافتی میدان میں یہ ادنیٰ جہاد رضائے مولیٰ کا باعث قرار پائے۔

والسلام مع الاکرام

مدیر امور ثقافت، مجمع جہانی اہل بیت علیہم السلام

عرض مترجم

عرصۂ دراز سے یہ خواہش تھی کہ ایک ایسی تاریخی کتاب کاترجمہ کروں جو کسی حد تک کامل، معتبر، مستند اور مدلل ہو۔ جس میں واقعات کے تمام جزئیات کے حوالے درج ہوں۔ اور واقعات کا تجزیہ اوران کی تحلیل نیز شبہات واعتراضات کے مدلل جوابات دیئے گئے ہوں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں کافی جستجو اور تحقیق کے بعد، مؤلف محترم جناب مہدی پیشوائی صاحب کی کتاب "تاریخ اسلام" میری نظروں سے گزری، کتاب کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوا کہ مجھے ایسی ہی کتاب کی تلاش تھی چنانچہ ابھی اسی فکر میں تھا کہ مجمع جہانی اہل البیت ۲۲۲ کی جانب سے اس کتاب کے ترجمہ کا کام میرے سپرد کیا گیا تو میں نے بخوشی قبول کرلیا مضامین و مقالات وغیرہ لکھنے کا شوق پہلے ہی سے تھااور حقیر کے متعدد مضامین ادارۂ تنظیم المکاتب کے ماہانہ رسالہ میں شائع ہوچکے ہیں لیکن ترجمہ کے میدان میں یہ میری پہلی کاوش ہے۔ ترجمہ کیسا ہے یہ فیصلہ قارئین کے حوالہ ہے البتہ اتنا بہر حال طے ہے کہ ایک زبان کے جملہ مطالب کسی دوسری زبان میں منتقل کرنا کتنا مشکل ہے اس کا اندازہ وہی حضرات لگا سکتے ہیں جنھوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے۔ میری کوشش یہی تھی کہ کتاب کے جملہ مطالب ہمارے اردو زبان معاشرہ تک پہنچ جائیں اگرچہ بشریت کے ناطے ہر قسم کے کمال کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

امید ہے کہ میری یہ کوشش بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت حاصل کرے گی نیز حقیر اور اس کے تمام بزرگوں کے لئے ذخیرۂ آخرت قرار پائے گی۔

والسلام

احقرالعباد : کلب عابد خان

مقدمۂ مولف

تمام تعریفیں اس ذات پروردگار کے لئے ہیں جس نے ہمیں اس کتاب کی نگارش کی توفیق عطا کی اور درود و سلام ہو عظیم الشان رسول، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور اس کے برحق معصوم جانشینوں اور اصحاب پاک پر۔

قارئین کرام کی خدمت میں جو کتاب پیش کی جارہی ہے یہ دس سال سے زیادہ عرصہ تک ملک کی اعلیٰ علمی درس گاہوں اور دوسرے تعلیمی اداروں میں نوٹس کی صورت میں تدریس کی جاچکی ہے۔ یہ کتاب، دقیق مطالعہ اور کلاس میں کئے گئے طرح طرح کے تاریخی سوالات کے جوابات میں، تاریخ اسلام سے برسوں کی واقفیت اور انسیت کے بعد تدوین و تالیف ہوئی ہے۔

اس کتاب کی تدوین و تالیف میں کچھ نکات کا لحاظ کیا گیا ہے جس کی طرف قارئین کرام، مخصوصاً طالب علموں اور اساتذہ کرام کی توجہ مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ا۔ کتاب کے پہلے حصہ کی فصلوں میں ظہور اسلام سے قبل، جزیرۃالعرب کے حالات کو بطور مفصل بیان کیا گیا ہے اس لئے کہ اس دور کے حالات سے مکمل واقفیت کے بغیر اسلامی تاریخ کے بے شمار واقعات کا صحیح ادراک کرنا اور ان کا تحلیل و تجزیہ کرنا ناممکن ہے۔

اسلامی تاریخ میں بہت سے واقعات کا تعلق زمانۂ جاہلیت سے ہے لہٰذا ظہور اسلام کے بعد جزیرۃالعرب کے حالات کو سمجھنے کے لئے ظہور اسلام سے پہلے کے حالات سے واقفیت ضروری ہے۔ اسی بنا پر ان واقعات کے صحیح ادراک اور ان کے ایک دوسرے سے مربوط ہونے اور ظہور اسلام کے بعد اس علاقہ میں آنے والی بنیادی تبدیلیوں کو سمجھنے کے لئے اس باب کے مباحث کو کچھ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، اس کے برخلاف بعد کے ابواب میں ہماری سعی و کوشش رہی ہے کہ حتی الامکان اختصار سے کام لیا جائے۔

۲۔ زیادہ تر حوالے حاشیہ پر، اس لئے ذکر کردیئے گئے ہیں تاکہ اگر قاری محترم واقعات کی تفصیلات کو معلوم کرنا چاہے تو اس سے کم از کم بعض حوالہ جات کی طرف رسائی حاصل کرسکے اس کے علاوہ یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ واقعات کی شہرت یا اس کا تواتر ثابت ہو جائے۔

۳۔ عام طور سے تاریخی واقعات کی تفصیلات اور اس کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرنے کے بعد آخر میں اس کے حوالے ذکر کئے جاتے ہیں جب کہ اصل میں وہ حوالے ان تمام تفصیلات اور جزئیات کے نہیں ہوتے۔ ان حوالوں کو دیکھ کر قاری خیال کرتا ہے کہ اس کے زیر مطالعہ بحث کی تفصیلات تمام کتابوں میں موجود ہیں۔ جبکہ یہ طریقہ زیادہ دقیق اور درست نہیں ہے خاص طور سے اگر بعض تفصیلات بہت زیادہ اہم یا محل اختلاف ہوں۔

اس کتاب میں عام روش کے برخلاف ہر واقعہ کی تمام تفصیلات اور پہلوؤں کو بالکل الگ کر کے بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر جنگوں کی تفصیلات جیسے وقوع جنگ کا سبب، اس کی تاریخ، دونوں طرف کے سپاہیوں کی تعداد، جنگ کا طریقہ، طرفین کو پہنچنے والے نقصانات، مال غنیمت کی تقسیم کا طریقہ اور جنگ کے آثار و نتائج وغیرہ، جدا طریقہ سے ذکر ہوئے ہیں ان جزئیات کا مطالعہ کرنے سے قاری متوجہ ہو جاتا ہے کہ واقعات کا کون سا حصہ کس کتاب میں بیان ہوا ہے اور ضرورت کے وقت آسانی سے اس کتاب کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ مولف

کے عقیدہ کے مطابق اس روش کے اپنانے میں (کئی اہم اور لطیف فائدے ہیں) بہت زیادہ دقت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں مؤلف کو زیادہ زحمت اٹھانا پڑتی ہے۔

۴۔ قرآنی شواہد اور حدیثی تائیدات پوری کتاب میں ذکر ہوئی ہیں البتہ ضرورت کے تحت (قرآن کریم کی آیات، روایات اور تاریخی متون کے خاص حصوں کو عربی متن کے طور پر حاشیہ پر تحریر کر دیا گیا ہے اور اس کا ترجمہ اصل کتاب میں نقل کر دیا گیا ہے تاکہ کتاب کے متن میں یکسانیت اور روانی باقی رہے اور جو حضرات عربی داں نہیں ہیں ان کے لئے ملال آور نہ ہو۔

۵۔ ضروری مقامات پر بحث کی مناسبت سے تجزیہ اور تحلیل کر کے شبہات کا واضح جواب دیا گیا ہے جبکہ بعض مقامات پر تفصیلی تجزیہ سے پرہیز کرتے ہوئے بہت سے موضوعات (جیسے جنگ فجار میں آنحضرتؐ کی شرکت اور آپ کے سینہ کا شگافتہ کرنا اور عبد المطلب کے نذر کی بحث) کو اس لئے نظرانداز کیا گیا ہے کہ کتاب کی تدریس صرف ۳۴ درسوں کی صورت میں ہونا طے پائی ہے لہٰذا اس کے لئے اس سے زیادہ ضخیم ہونا مناسب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بعض مطالب تخصصی اور مہارتی پہلو رکھتے ہیں اور ان کے ذکر کا اپنا محل ہے۔ لہٰذا اصل موضوع کی طرف مختصر سے اشارہ کے بعد اس طرح کی بحثوں کے حوالے حاشیہ پر بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ اس موضوع میں دلچسپی لینے والے حضرات ان کی طرف رجوع کر سکیں۔

۶۔ دوسرے درجے کے مطالب، اقوال کے اختلاف کی جگہیں، غیر ضروری گوشے اور تکمیلی و اضافی تفصیلات وغیرہ عام طور سے حاشیہ پر بیان کی گئیں ہیں۔ بہر حال کتاب کو دقیق، مستحکم اور مفید بنانے کے لئے، مطالب کے نقل میں دقت، ترجموں کی صحت، تجزیہ و تحلیل کی درستگی اور پھر ان کی نتیجہ گیری میں ہر ممکن کوشش اور زحمتیں اٹھائی گئیں ہیں۔ لیکن پھر بھی کتاب، نقص اور اصلاح و تکمیل سے بے نیاز نہیں ہے۔ لہٰذا اساتذہ کرام اور طلاب محترم اور صاحبان نظر کی تنقید اور مشورے کتاب کی اصلاح اور تکمیل کی راہ میں مفید ثابت ہوں گے۔

خلوص اور وفاداری کا تقاضہ ہے کہ اپنے دیرینہ دوست، نامور خطیب، مایہ ناز قلم کار حجۃ الاسلام و المسلمین الحاج غلام رضا گل سرخی کاشانی مرحوم کا بھی تذکرہ کروں جن کے تعاون اور مدد سے اس کتاب کی تدوین کا ابتدائی کام انجام پایا ہے۔ لہٰذا اپنے اس مرحوم دوست کے لئے خداوند عالم کی بارگاہ میں رحمت اور بلندی درجات کا خواہاں ہوں۔ اور اسی طرح سے حجج اسلام الحاج شیخ علی اکبر ناصح اور فرج اللہ فرج الٰہی کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان حضرات نے کتاب کی تصحیح، ٹائپ اور مقدماتی مباحث کی تدوین اور تالیف میں ہمارا ہر طرح سے تعاون کیا۔ آخر میں درسی کتابوں کی تدوین اور تاریخ اسلام کے شعبہ کے سرپرست نیز اراک کی آزاد اسلامی یونیورسٹی کا بھی شکر گزار ہوں۔

والسلام

قم۔ مہدی پیشوائی

محرم الحرام ۱۴۲۴ ہجری قمری

پہلا حصہ

- مقدماتی بحثیں
- پہلی فصل : جزیرۃ العرب کی جغرافیائی، سماجی اور ثقافتی صورتحال
- دوسری فصل: عربوں کے صفات اور نفسیات
- تیسری فصل: جزیرہ نمائے عرب اور اس کے اطراف کے ادیان و مذاہب

پہلی فصل

جزیرۃالعرب کی جغرافیائی، سماجی اور ثقافتی صورتحال

جزیرہ نمائے عرب جس کو ''جزیرۃالعرب'' بھی کہتے ہیں یہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ نما ہے جو مغربی ایشیا کے جنوب میں واقع ہے۔

یہ جزیرہ مغربی شمال سے مشرقی جنوب تک ''غیر متوازی چوکور'' شکل میں ہے۔[1] اور اس کی مساحت تقریباً بتیس (۳۲) لاکھ مربع کلو میٹر ہے۔[2] اس جزیرہ نما کے تقریباً ۵ء۴ حصے میں اس وقت سعودی عرب واقع ہے۔[3] اور اس کا بقیہ حصہ دنیا کی موجودہ سیاسی تقسیم بندی کے اعتبار سے چھ ملکوں یعنی یمن، عمان، متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور کویت میں بٹا ہوا ہے۔

اس جزیرہ نما کی سرحد، جنوب کی سمت سے خلیج عدن، تنگۂ باب المندب، بحر ہند اور بحر عمان میں محدود ہے اور مغرب کی سمت میں یہ بحر احمر اور مشرق کی طرف خلیج عمان، خلیج فارس اور عراق تک پھیلا ہوا ہے اور شمال کی جانب سے ایک وسیع صحرا جو کہ درّۂ فرات سے سرزمین شام تک ہے اس جزیرہ کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور چونکہ اس علاقہ کی، دریا اور پہاڑ وغیرہ جیسی کوئی قدرتی سرحد نہیں ہے لہٰذا جغرافیہ دان قدیم زمانے سے ہی سعودی عرب کی شمالی سرحدوں کے بارے میں اختلاف نظر رکھتے ہیں۔[4]

اگرچہ جزیرہ نمائے عرب خلیج فارس، بحر عمان، بحر احمر اور بحر مڈی ٹرانہ سے گھرا ہوا ہے لیکن صرف جنوبی حصہ کے علاوہ اس پانی سے کوئی فائدہ نہیں ہے اور یہ علاقہ دنیا کے بہت زیادہ خشک اور گرم علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہاں ایک ایسا بڑا دریا بھی موجود نہیں ہے جس میں بحری جہاز کا راستہ ہو بلکہ اس کے بجائے وہاں ایسی گھاٹیاں موجود ہیں جن میں کبھی کبھار سیلاب آ جاتا ہے۔

اس علاقہ میں خشکی کی وجہ، اس جزیرہ میں پھیلے ہوئے ایسے پہاڑ ہیں جو ایک بلند دیوار کے مانند جزیرۂ سینا سے شروع ہوتے ہیں اور مغرب کی سمت میں بحر احمر کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے ہیں اور جنوب کے مغربی گوشہ سے ٹیڑھے ترچھے (غیر مستقیم) انداز میں جنوبی اور مشرقی ساحل

---

1 حسین قراچانلو، حرمین شریفین (تہران: انتشارات امیر کبیر، ط۱، ۱۳۶۲)، ص۹.

2 یورپ کی ایک تہائی مساحت، فرانس کی چھ گنا مشرقی اور مغربی جرمنی کی نو برابر، دس برابر اٹلی ملک کی، ۸۰ گنا سویزرلینڈ اور ایران کی مساحت کے دوگنی مساحت ہے۔

3 مؤسسۂ گیتاشناسی، گیتاشناسی کشورھا (تہران: انتشارات گیتاشناسی، ط۴، ۱۳۶۵)، ص۲۰۵.

4 فیلیپ خلیل حتی، تاریخ عرب، ترجمہ: ابوالقاسم پایندہ (تہران: انتشارات آگاہ، طبع دوم، ۱۳۶۶ھ ش)، ص۲۱

سے ، خلیج فارس تک ان کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اس طرح سے سعودی عرب تین طرف سے اونچے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اور یہ پہاڑ سمندروں کی رطوبت کو اس علاقہ میں سرایت کرنے سے روک دیتے ہیں۔[1]

دوسرے یہ کہ اس کے اطراف کے ملکوں میں پانی کا ذخیرہ اتنا کم ہے کہ افریقا اور ایشیا کی اس وسیع آراضی کی گرمی اور خشکی کو یہاں کی مختصر سی بارش متعادل موسم میں تبدیل نہیں کر سکتی۔ کیونکہ عرب میں ہمیشہ چلنے والی موسمی ہوائیں (جن کو سموم کہتے ہیں) بحر ہند کے جنوبی علاقہ سے اٹھتے ہوئے ابر باراں کو جزیرۃ العرب میں برسنے سے روک دیتی ہیں۔[2]

جزیرۃالعرب کی تقسیم

عرب اور عجم کے جغرافیہ نویسوں نے جزیرۃالعرب کو کبھی موسم (آب و ہوا) کے لحاظ سے اور کبھی قوم یا نسل کی بنیاد پر تقسیم کیا ہے.[3] اور بعض معاصر دانشوروں نے اس کو مندرجہ ذیل تین بنیادی علاقوں میں تقسیم کیا ہے :

۱۔ مرکزی حصہ جس کا نام ''صحرائے عرب'' ہے۔

۲۔ شمالی حصہ جس کا نام ''حجاز'' ہے۔

۳۔ جنوبی حصہ جو ''یمن'' کے نام سے مشہور ہے۔[4]

جزیرۃالعرب کی تقسیم، اس کے شمالی اور جنوبی (قدرتی) حالات کی بناپر موجودہ دور میں ایک دوسری بھی تقسیم رائج ہوئی ہے جو اس کتاب کے لئے زیادہ مناسب ہے۔ یہ تقسیم، زندگی کے ان حالات کی بنیاد پر ہے جو اس علاقہ کے انسانوں، حیوانوں اور مقامات پر اثر انداز تھے اور یہ شرائط وہاں کے باشندوں کی انفرادی اور اجتماعی خصوصیات اور تبدیلیوں میں جلوہ گر ہوئے جو ظہور اسلام تک باقی رہے کیونکہ جزیرۃالعرب دو مخالف جغرافیائی حالات کا گہوارہ رہا ہے اور وہاں کے اجتماعی حالات کا دار و مدار پانی کے وجود پر ہے اور پانی کی موجودگی یا عدم موجودگی ہی وہاں کے اجتماعی حالات پر اثر انداز ہوتی ہے جس کی بناپر اس کا جنوبی علاقہ یعنی ''یمن'' اس کے شمالی اور مرکزی علاقہ سے الگ ہو جاتا ہے۔

---

1 علی اکبر فیاض، تاریخ اسلام، (تہران : انتشارات تہران یونیورسٹی، ط ۳ ۱۳۶۷)، ص ۲؛ آلبر مالہ وژول ایزاک، تاریخ قرون وسطی تاجنگ صد سالہ، ترجمہ : میرزا عبدالحسین ہژیر (تہران : دنیای کتاب، ۱۳۶۲)، ص ۹۵.

2 فلیپ حتی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۴

3 مقدِسی، چوتھی صدی کا مسلمان دانشور کہتا ہے کہ ملک عرب چار بڑے علاقوں، حجاز، یمن، عمان اور ہجر پر مشتمل ہے۔ (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ترجمہ علی نقی منزوی (تہران : گروہ مؤلفین و مترجمین، ایران، ط ۱، ۱۳۶۱)، ص ۱۰۲، لیکن دوسروں نے کہا ہے کہ وہ پانچ حصے یعنی تہامہ، حجاز، نجد، یمن اور عروض پر مشتمل ہے. (الفداء، تقویم البلدان، ترجمہ : عبدالمحمد آیتی (تہران : انتشارات بنیاد فرہنگ ایران، ۱۳۴۹)، ص ۱۰۹، یاقوت حموی، معجم البلدان، بہ تصحیح محمد امین الخانجی الکتبی (قاہرہ : مطبعۃ السعادۃ، ط ۱، ۱۳۲۴ھ . ق)، ص ۱۰۱، اور ۲۱۹؛ شکری آلوسی، بغدادی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، (قاہرہ : دار الکتب الحدیثۃ، ط ۲)، ج ۱، ص ۱۸۷؛ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بیروت : دار العلم، للملایین، ط ۱، ۱۹۶۸)، ج ۱، ص ۱۶۷۔ ان کے علاوہ دوسری تقسیمات بھی ذکر ہوئی ہیں جس کا ہمارے زمانے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ رجوع کریں : گوستاولوبون، تمدن اسلام و عرب، ترجمہ : سید ہاشم حسینی (تہران : کتاب فروشی اسلامیہ)، ص ۳۱

4 یحییٰ نوری، اسلام و عقائد و آراء بشری، (جاہلیت و اسلام)، تہران : مطبوعاتی فراہانی ۱۳۴۶)، ص ۲۳۴۔ ۲۳۱)

جنوبی جزیرۃالعرب (یمن) کے حالات

اگر ہم اس سرزمین کے نقشہ پر نگاہ ڈالیں تو جزیرۃالعرب کے مغربی جنوب کے آخر میں ایک علاقہ مثلث کی شکل میں نظر آتا ہے جس کے مشرقی ضلع میں بحر عرب کا ساحل اور مغربی ضلع میں بحر احمر کا ساحل ہے اور ظہران (جو کہ مغرب میں واقع ہے) سے وادی حضر موت (جو کہ مشرق میں واقع ہے) تک کھینچے جانے والے خط کو مثلث کا تیسرا ضلع قرار دیا جاسکتا ہے ان حدود میں جو علاقہ ہے اس کو قدیم زمانے سے "یمن" کہا جاتا ہے اس علاقہ میں پانی کی فراوانی اور مسلسل بارش کی وجہ سے کاشتکاری اچھی اور آبادی زیادہ رہی ہے۔ اس بنا پر یہ علاقہ شمالی یا مرکزی جزیرۃالعرب سے قابل قیاس نہیں ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ ایک بڑی آبادی کے لئے دائمی جائے سکونت کی ضرورت پڑتی ہے اور اسی وجہ سے قصبے اور شہر بنتے ہیں اور لوگ بڑی تعداد میں وہاں بستے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں جس کے نتیجے میں کوئی نظام لازم ہوتا ہے لہٰذا اس کے لئے قانون بنایا جاتا ہے (اگرچہ وہ ابتدائی اور آسان ہی کیوں نہ ہو) اور یہ بات واضح ہے کہ قوانین کے ساتھ حکومت کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ ان دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس علاقہ میں حضرت مسیح کی ولادت سے صدیوں سال قبل حکومتیں قائم ہوئی ہیں اور ان کے ذریعہ تہذیب و ثقافت کو رواج ملا ہے.[1] ۔ جو حکومتیں اس علاقہ میں قائم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں :

۱ (حکومت معین : یہ حکومت ۱۴۰۰ سے ۸۵۰ سال قبل عیسوی تک برقرار رہی اور حکومت سبا کے تسلط پر ختم ہوگئی۔

۲ (حکومت حضر موت : جو ۱۰۲۰ء عیسوی سے قبل شروع ہوئی اور ۶۵ء عیسوی کے بعد تک باقی رہی اور حکومت سبا کے مسلط ہونے کے ساتھ ختم ہوگئی۔

۳ (حکومت سبا : جو ۸۵۰ء عیسوی سے لیکر ۱۱۵ء عیسوی سال قبل مسیح تک برسر اقتدار رہی اور حمیری سبا و ریدان کے برسر اقتدار آتے ہی بکھر گئی۔

۴ (حکومت قتیان : جو ۸۶۵ء سے لے کر ۵۴۰ء سال قبل مسیح تک برسر اقتدار رہی اور حکومت سبا کے آتے ہی نابود ہوگئی۔

۵ (حکومت سبا و ریدان : حضر موت اور اطراف یمن جن کے بادشاہوں کے سلسلہ کو "تبع" کہا گیا ہے اور ان کی حکومت سال عیسوی سے ۱۱۵ سال پہلے شروع ہوئی اور عیسوی کے بعد ۵۲۳ء تک برقرار رہی اور اس کی راجدھانی "ظفار" تھی۔[2]

جنوبی عرب کی درخشاں تہذیب

یمن کی پر رونق تہذیب مورخین کی نگاہ میں قابل تحسین واقع ہوئی ہے جیسا کہ ہرُودَت (قبل مسیح پانچویں صدی میں یونان کا ایک بزرگ مورخ) دور سبا میں اس سرزمین کی تہذیب اور عالی شان محلوں اور ہیرے اور جواہرات سے مرصع دروازوں کا ذکر کر کے کہتا ہے کہ ان میں سونے چاندی کے ظروف اور قیمتی دھاتوں سے بنی ہوئی پلنگیں موجود تھیں۔[3] کچھ مورخین نے صنعاء کے عالی شان محل (غمدان) کا ذکر

---

1 سید جعفر شہیدی، تاریخ تحلیلی اسلام (تہران : مرکز اشاعت یونیورسٹی، ط۶، ۱۳۶۵)، ص ۳.

2 احمد حسین شرف الدین، الیمن عبر التاریخ (قاہرہ : مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، ط ۲، ۱۳۸۴ھ.ق)، ص ۵۳.

3 گوستاولوبون، تمدن اسلام و عرب، ترجمہ : سید ہاشم حسینی (تہران : کتاب فروشی اسلامیہ)، ص ۹۲.

کیا ہے جو بیس منزلہ تھا جس میں سو عدد کمرے تھے اور کمروں کی دیواریں بیس ہاتھ لمبی اور ساری چھتیں آئینہ کاری اور شیشے سے مزین تھیں۔[1]

سترابون (روم کا مشہور سیاح) نے بھی سن عیسوی سے ایک صدی قبل اس سر زمین کا دورہ کیا تو اس علاقہ کے تمدن کے بارے میں ھرودت کی طرح اپنے خیالات کا اظہار اس طرح سے کیا۔

مأرب ایک عجیب و غریب شہر ہے جس کی عمارتوں کی چھتیں عاج سے بنائی گئی ہیں اور ان کو ہیرے اور جواہرات سے مرصع تختیوں سے مزین کیا گیا ہے۔ اور وہاں ایسے خوبصورت ظروف دیکھنے کو ملے جن کو دیکھ کر انسان حیرت زدہ ہو جائے۔[2]

اسلامی مورخین اور جغرافیہ دان جیسے مسعودی (وفات ۳۴۶ھ) اور ابن رُستہ (تیسری صدی ہجری کے دانشوروں سے ہیں) نے بھی اس علاقہ کے لوگوں کی ظہور اسلام سے قبل، پُر رونق اور خوشحال زندگی، عمارتوں اور آبادیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔[3]

انیسویں اور بیسویں صدی میں آثار قدیمہ کے ماہرین کے مطالعے اور بحثوں اور مورخین کی تحقیقات سے اس علاقہ کی تاریخ واضح ہوئی اور ایسی نئی دستاویزات اور شواہد ملے جن سے اس سرزمین کے درخشاں اور قدیمی تمدن کا پتہ چلتا ہے۔ عدن، صنعاء، مأرب اور حضر موت کے آثار قدیمہ اس بات کے گواہ ہیں کہ عرب کے جنوبی علاقہ یمن اور اس کے نواح میں بسنے والوں میں عظیم تمدن پایا جاتا تھا جو فینیقیہ اور بابل کے تمدن کے مقابلہ میں تھا۔ یمن کے قدیمی تمدن کا ایک مظہر مأرب کا سب سے بڑا بند تھا۔[4] یہ بند جو دقیق ریاضی محاسبات اور پیچیدہ نقشہ کے مطابق بنایا گیا تھا اس کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نقشہ بنانے والا علم ہندسہ کا کس قدر ماہر تھا کہ اس سے اس علاقہ میں کس قدر کاشتکاری اور خوشحالی پیدا ہوئی۔[5]

یمن کے لوگ کاشتکاری کے علاوہ، تجارت بھی کرتے تھے اور سبئیان مشرق و مغرب کی تجارت کا وسیلہ تھے کیوں کہ ملک یمن اس زمانہ میں چند متمدن ملکوں کے درمیان واقع تھا۔

ہندوستان کے تاجر اپنے تجارتی مال کو سمندر کے ذریعہ یمن اور حضر موت لایا کرتے تھے اور یمن کے تاجر اس کو حبشہ، مصر، فینیقیہ، فلسطین، مدین کے شہر، ادوم، عمالقہ اور مغربی ممالک لے جایا کرتے تھے۔ اور اہل مکہ بھی اپنے تجارتی مال کو خشکی کے راستے سے دنیا کے مختلف آباد علاقوں میں بھیجتے تھے۔[6]

---

1 سید محمود شکری آلوسی بغدادی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب (قاہرہ: دار الکتب الحدیثۃ، ط ۲)، ج ۱، ص ۲۰۴۔

2 جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، ترجمہ: علی جواہر کلام (تہران: امیر کبیر، ۱۳۳۳)، ج ۱، ص ۱۳۔

3 مسعودی، مروج الذہب و معادن الجوہر، تحقیق: محمد محیی الدین عبد الحمید (دار الرجاء للطبع و النشر)، ج ۲، ص ۸۹؛ ابن رستہ، الاعلاق النفیسہ، ترجمہ و تعلیق: حسین قراچانلو (تہران: امیر کبیر، ط ۱، ۱۳۶۵)، ص ۱۳۲۔

4 مأرب بند، یمن کے موجودہ دار الحکومت صنعاء کے مشرقی سمت میں ۱۹۲ کلو میٹر کے فاصلہ واقع پر ہے۔

5 اس بند کے نقشے اور اس کی تعمیری خصوصیات سے مزید آگاہی کے لئے رجوع کریں: فرہنگ قصص قرآن (ضمیمۂ قصص قرآن) صدر بلاغی، (تہران: امیر کبیر، ط ۳، ص ۸۲ اور ۸۸؛ احمد حسین شرف الدین، الیمن عبر التاریخ، ص ۱۳۲۔ ۱۲۲۔

6 جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، ج ۱، ص ۱۱۔

ایک زمانہ تک مشرق وسطیٰ کی تجارت یمنیوں کے ہاتھ میں تھی[1] بحر احمر کی راہوں میں مشکلات کی بناپر سبئیوں نے خشکی کے راستے کو اختیار کیا اسی لئے وہ یمن سے شام تک کی مسافت کو جزیرۃالعرب کے مغربی ساحل سے طے کرتے تھے۔ یہ راستہ "مکہ" اور "پترا" سے گزر کر شمال کی جانب مصر، شام اور عراق کی طرف نکلتا ہے۔[2]

مأرب کے بند کی تباہی

یمنیوں میں برائیوں کا رواج اور اندرونی فتنوں اور فسادات کی بناپر وہاں کا چمکتا ہوا خورشید تمدن روز بروز غروب ہونے لگا تھا اور بند مأرب جو کہ مرمت کا محتاج تھا وہاں کے حکمراں اور باشندے اس کی مرمت نہیں کرسکے آخر کار ٹوٹنے کی وجہ سے سیلاب نے آس پاس کی آبادی اور کھیتی کو نابود کردیا اوراس کے اطراف میں پانی کی قلّت کی بناپر کاشتکاری ختم ہوگئی اور لوگ دوسری جگہ کوچ کرنے پر مجبور ہوگئے۔[3] قرآن کریم کے دو سوروں میں قوم سبا کا نام آیا ہے۔

ایک ملکۂ سبا کے ذکر اور ان کے نام حضرت سلیمانؑ کے خط کی مناسبت سے اس طرح تذکرہ ہے "زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ (ہدہد) آیا اور کہا: میں ایسی چیز جانتا ہوں جس سے آپ باخبر نہیں ہیں میں سرزمین سبأ سے آپ کے لئے یقینی خبر لایا ہوں میں نے ایک خاتون کو دیکھا جو وہاں حکومت کرتی ہے اور تمام چیزیں اس کے اختیار میں ہیں (خاص طور سے) ایک بڑا تخت رکھتی ہے"۔[4]

اور دوسری جگہ مأرب نامی بند کے ٹوٹنے سے سیلاب کی آمد اور برائیوں اور فحشاء کے رواج کے نتیجے میں قوم کے انحطاط کی مناسبت سے یوں ذکر ہوا ہے۔ "اور قوم سبأ کے لئے ان کے وطن ہی میں ہماری نشانیاں تھیں کہ داہنے بائیں دونوں طرف باغات تھے۔ تم لوگ اپنے پروردگار کا دیا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو تمہارے لئے پاکیزہ شہر اور بخشنے والا پروردگار ہے۔

مگر ان لوگوں نے انحراف کیا تو ہم نے ان پر بڑے زوروں کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے دونوں باغات کو ایسے دو باغات میں تبدیل کردیا جن کے پھل بے مزہ تھے اور ان میں جھاؤ کے درخت اور کچھ بیریاں تھیں یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی ہے اور ہم ناشکروں کے علاوہ کس کو سزا دیتے ہیں۔ اور جب ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں کچھ نمایاں بستیاں قرار دیں اور ان کے درمیان سفر کو معین کردیا کہ اب دن و رات جب چاہو سفر کرو محفوظ رہوگے۔ تو انھوں نے اس پر بھی یہ کہا کہ پروردگار ہمارے شہروں اور آبادیوں میں دوری پیدا کردے اور اس طرح اپنے نفس پر ظلم کیا تو ہم نے انھیں کہانی بنا کر چھوڑ دیا اور انھیں ٹکڑے ٹکڑے کردیا کہ یقیناً اس میں صبر و شکر کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔[5]

---

1 ویل ڈورانٹ، تاریخ تمدن، ترجمہ: احمد آرام وھمکاران (تہران: سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی، ط۲، ۱۳۶۷)، ج۱، ص۳۴۱.

2 فیلیپ حِتی، تاریخ عرب، ترجمہ: ابوالقاسم پاینده (تہران: سازمان انتشارات آگاه، ط۲، ۱۳۶۶)، ص۶۵۔ ۶۴؛ رجوع کریں: گوشتاولوبون، تمدن اسلام و عرب، ص۹۴؛ احمد حسین شرف الدین، الیمن عبرالتاریخ، ص۱۰۵؛ آلوسی، بلوغ الارب، ج۱، ص۲۰۳.

3 حسن ابراہیم، تاریخ سیاسی اسلام، ترجمہ: ابوالقاسم پاینده (تہران: سازمان انتشارات جاویدان، ط۵، ۱۳۶۲)، ص۳۲.

4 سورۂ نمل، ۲۷، آیت ۲۳۔ ۲۲.

5 سورۂ سبا، ۳۴، آیت ۱۹۔ ۱۵

حمزہ اصفہانی نے اس بند کی تباہی کو ظہور اسلام سے چار صدی قبل، [1] ابوریحان بیرونی نے تقریباً ۵ صدی قبل [2] اور یاقوت حموی نے حبشیوں کے تسلط کے زمانہ میں ذکر کیا ہے [3] اور چونکہ حبشیوں کا تسلط چھٹی صدی کے وسط میں ہوا تھا للذا بعض مورخین کا گمان ہے کہ اس بند کی تباہی ۵۴۲ سے ۵۷۰ عیسوی کے درمیان میں ہوئی ہے۔ [4] بہر حال شاید اس بند کی تباہی تدریجی طور پر ہوئی ہے اور چند بار مرمت کے بعد آخر کار یہ منہدم ہو گیا۔

قرآن مجید میں قوم تُبّع [5] اور ان کے انجام کار کا دو جگہ پر ذکر ہوا ہے۔

۱۔ ''بھلا یہ لوگ زیادہ بہتر ہیں یا قوم تُبّع اور ان سے پہلے والے افراد جنھیں ہم نے اس لئے تباہ کر دیا کہ یہ سب مجرم تھے'' [6]

۲۔ ان سے پہلے قوم نوح، اصحاب رس [7] اور ثمود نے بھی تکذیب کی تھی۔ اور اسی طرح قوم عاد و فرعون، قوم لوط، اصحاب ایکہ [8] اور قوم تُبّع نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تو ہمارا وعدہ پورا ہو گیا۔ [9]

جزیرۃالعرب پر جنوبی تہذیب کے زوال کے اثرات

جنوبی ملکوں کا انحطاط اور جزیرۃالعرب کے جنوب میں تمدن کا زوال اور بند مأرب کی تباہی اس علاقہ کے حالات کی تبدیلی کا باعث بنی کیونکہ وہاں پر زندگی کی سہولیتں مفقود ہو گئیں تھیں اور بند کے اطراف کی کھیتیاں پانی کی عدم موجودگی کی بناپر ختم ہو گئیں تھیں للذا وہاں پر آباد قوموں میں سے کچھ لوگ مجبور ہو کر دوسری جگہ کوچ کر گئے۔ اس انتشار کے نتیجے میں تنوخ خاندان جو کہ یمنی قبیلہ ازد سے تھا، حیرہ (عراق)

---

1 حمزہ اصفہانی، تاریخ پیامبران وشاھان (تاریخ ملوک الارض والانبیاء)، ترجمہ: جعفر شعار (تہران: امیر کبیر، ط ۲، ۱۳۶۷)، ص ۱۲۰ اور ۱۳۲۔

2 آثار الباقیہ، ترجمہ: اکبر دانا سرشت (تہران: امیر کبیر، ط ۱، ۱۳۶۳)، ص ۱۸۱۔

3 معجم البلدان، تصحیح محمد امین الخانجی الکتبی (قاہرہ: مطبعۃ السعادۃ، ط ۱، ۱۳۲۴ھ.ق)، ج ۷، ص ۳۵۵.

4 فیلیپ خلیل حتی، تاریخ عرب، ص ۸۲.

5 تُبّع (جس کی جمع تبابعہ ہے) یمن میں حمیری بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا۔ یہ لوگ دوسرے درجہ کے بادشاہ ہوا کرتے تھے پہلے درجہ کے بادشاہ، سبا اور ریدان کے بادشاہ تھے جنھوں نے ۱۱۵ سال قبل مسیح سے ۲۷۵ سال بعد مسیح تک حکومت کی ہے۔ سبا، ریدان، حضر موت اور شَحر، کے دوسرے درجے کے بادشاہوں نے ۲۷۵ء سے ۵۳۲ء تک بعد مسیح حکومت کی ہے۔ (احمد حسین شرف الدین، الیمن عبر التاریخ، ص ۹۷۔ ۹۰)

6 سورۂ دخان، ۴۴، آیت ۳۷.

7 وہ قوم جو یمامہ میں زندگی بسر کرتی تھی۔

8 قوم شعیب.

9 ق. (۵۰) ۱۴۔ ۱۲.

ہجرت کر گیا اور وہاں ''لحمیان'' کی حکومت کی بنیاد ڈالی اور ''آل جَفنہ'' کا خاندان شام چلا گیا اور وہاں مشرقی اردن کے علاقہ میں حکومت کی بنیاد ڈالی اور ''سلسلۂ غسانیان'' کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

قبیلۂ اوس اور خزرج، یثرب (مدینہ) خزاعہ، مکہ اور اس کے اطراف میں قبیلۂ بجیلہ و خثعم اور دوسرے چند گروہ، سروات کے علاقہ میں جاکر ہمیشہ کے لئے بس گئے[2] اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی ایک مستقل تاریخ کی بنیاد ڈالی۔

شمالی جزیرۃ العرب [حجاز] کے حالات

حجاز ایسا خشک علاقہ ہے جہاں پر بارش کم ہوتی ہے اور (پہاڑی اور ساحلی علاقوں کے علاوہ) لو چلتی ہے اور اس سے وہاں کے باشندوں کی زندگی متاثر ہے اور چونکہ یہاں کے رہنے والے، یمنیوں کے برخلاف آب و گیاہ کی کمی کی بنا پر صرف پالتو جانوروں کا ایک مختصر گلہ یا اونٹ کے علاوہ دوسری چیزیں نہیں رکھ سکتے تھے لہٰذا یہ لوگ اپنی خوراک اور پوشاک عموماً اونٹ کے ذریعہ فراہم کرتے تھے اور چونکہ دور دراز کے علاقوں میں ہجرت اور صحراؤں میں رفت و آمد صرف اسی طرح کی گلہ داری کے ذریعہ ممکن تھی لہٰذا ایک سیاسی نظام کا قیام اور خانہ بدوشوں کے لئے دائمی سکونت ممکن نہ تھی اس وجہ سے یہاں کے لوگ (جنوبی علاقہ کے لوگوں کی بہ نسبت جو کہ شہر نشین اور کاشتکار تھے) غیر متمدن، خانہ بدوش اور صحرائی لوگ تھے۔ مکہ کے علاوہ حجاز کے دوسرے شہر کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

انھیں علاقائی دشواریوں اور خراب راستوں کی وجہ سے اہل حجاز کا، اس زمانہ کے متمدن لوگوں سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا اور یہ قدرتی اور جغرافیائی حالات باعث بنے تھے کہ یہ علاقہ سلاطین جہاں کی طمع اور ان کے حملوں سے محفوظ رہا اور اس طرح سے دنیا کے بڑے سلاطین اور فاتحان عالم جیسے رامسِ دوم چودھویں صدی میں قبل مسیح، سکندر مقدونی کو قبل مسیح چوتھی صدی میں اور ایلیوس گالوس (اگوست کے زمانہ میں پہلی صدی عیسوی میں روم کا بادشاہ) کو حجاز پر تسلط سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور اسی طرح ایرانی شہنشاہوں نے بھی اس علاقہ پر قبضہ نہیں کیا اسی لئے حجاز کے لوگ آسودہ خاطر ہو کر اپنی زندگی گزار رہے تھے۔[3] ایک مورخ اس بارے میں لکھتا ہے :

جس وقت دمتریوس، یونانی سردار (اسکندر کے بعد) سعودی عرب پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے پترا پہونچا تو اس علاقہ کے بدّوؤں نے اس سے کہا: اے امیر بزرگ! کیوں ہم سے جنگ کے لئے آئے ہو؟ ہم ایسے ریگستانی علاقہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں کہ جہاں زندگی گزارنے کی کوئی چیز موجود نہیں ہے ہم اس بیابان اور تپتے ہوئے صحرا میں اس بنا پر زندگی بسر کر رہے ہیں کہ کسی کے ماتحت اور غلام بن کر نہ رہیں۔ لہٰذا ہماری جانب سے پیش کردہ ہدیہ قبول فرمائیں اور اپنی جگہ واپس چلے جائیں اور ایسی صورت میں ہم آپ کے باوفا ساتھیوں میں سے ہوں گے لیکن اگر آپ نے ہمارا محاصرہ کر کے، ہمارے صلح کے مشورے کو قبول نہ کیا تو آپ کو ایک زمانہ تک اپنی راحت و سکون کی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور آپ ہماری اس عادت اور طرز زندگی کو جو شروع سے چلی آرہی ہے تبدیل نہیں کر سکتے اور اگر ہم میں سے چند افراد کو اسیر کر کے لے بھی گئے تو آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ یہ لوگ اپنی ہمیشہ کی آزاد زندگی کو چھوڑ کر آپ کی غلامی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا دمتریوس نے

---

1 حمزۂ اصفہانی، تاریخ پیامبران و شاہان، ص ۹۹ اور ۱۱۹؛ نیز رجوع کریں : حسن ابراہیم حسن، تاریخ سیاسی اسلام، ص ۴۴؛ ابوریحان بیرونی، الآثار الباقیہ، ص ۱۸۱ اور ۱۸۳۔

2 کارل بروکلمان، تاریخ ملل و دول اسلامی، ترجمہ : ھادی جزایری، (تہران : ادارہ ترجمہ و نشر کتاب، ۱۳۴۶) ص ۵.

3 جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، ترجمہ : علی جواہر کلام، (تہران : امیر کبیر، ۱۳۳۳) ج ۱، ص ۱۵.

ان کے پیش کردہ ہدیہ کو قبول کر لیا اور ایک ایسی جنگ سے جس میں مشکلات اور پریشانیوں کے علاوہ اس کے ہاتھ کچھ نہ آتا چشم پوشی کر کے واپس چلا گیا۔[1]

ایک دانشمند کہتا ہے کہ جزیرۃ العرب انسان اور زمین کے درمیان روابط کے منقطع نہ ہونے کا ایک کامل نمونہ ہے۔ اگر مختلف ملکوں میں جیسے ہندوستان، یونان، اٹلی، انگلینڈ اور امریکہ میں موقع پرست قومیں مسلسل ایک دوسرے کو شکست دینے یا اپنے زیر تسلط رکھنے کی بنا پر دوسری جگہ کوچ کر گئی ہیں۔ تاریخ عرب میں کوئی ایسا جنگجو بادشاہ نہیں ملا جس نے ریگستان کے سینہ کو چاک کر کے وہاں پر دائمی سکونت اختیار کی ہو، بلکہ عرب کے لوگ (تاریخی دستاویزات کے مطابق) ہمیشہ اپنی سابقہ حالت پر باقی رہے۔ اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔[2]

صحرانشین

جزیرۃ العرب کا شمالی علاقہ (حجاز) زیادہ تر صحرائی ہے لہٰذا وہاں کے اکثر قبائل ظہور اسلام سے قبل بادیہ نشین و صحرا گرد تھے۔ بدو عرب قدرتی مناظر سے محروم اور اپنے زندگی کے میدان میں صرف گلہ بانی کے ذریعہ وہ بھی محدود اور قدیم طرز پر، زندگی گزارتے تھے۔ وہ لوگ بھیڑ بکریوں کے اون اور اونٹ کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور جس جگہ آب و گیاہ موجود ہو وہیں جا کر بس جاتے تھے اور پانی اور سبزے کے ختم ہونے پر دوسرے علاقہ کی طرف کوچ کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے یہ لوگ ہریالی اور چراگاہ کی کمی کی وجہ سے صرف چند اونٹ اور مختصر گلہ کے علاوہ دوسرے چوپائے نہیں رکھ سکتے تھے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے: ''صحرا میں تین چیزوں، بدو عرب، اونٹ اور کھجور کے درخت کی حکومت ہوتی ہے''۔ اور اگر اس میں ریگزار کا بھی اضافہ کر دیا جائے تو بنیادی طور پر چار چیزوں کا صحرا پر غلبہ ہوتا ہے۔ پانی کی قلّت، گرمی کی شدت، راہوں کی صعوبت اور آذوقہ کی کمی، عام طور سے انسانوں کے بڑے دشمن ہیں اور انسانوں کو خوف و خطرہ انھیں سے ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو کہ عرب اور صحرا نے کبھی بھی غیروں کے تسلط کو اپنے اوپر برداشت نہیں کیا تو ہمیں تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ صحرا کی خشکی، اس کا استمرار اور یکسانیت، بدوؤں کے جسم و عقل کی تکوین میں تجلّی پا گیا تھا۔ یہ لوگ کاشتکاری یا دوسرے پیشے اور کام کو اپنی شان کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔[3] لہٰذا متمدن حکومتوں اور شہری نظام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور صحرا و ریگستانی علاقوں میں زندگی بسر کرنے کو ترجیح دیتے تھے اور یہ بات ان کی موروثی خصلت میں شامل تھی۔[4]

یہ لوگ ایک وسیع صحرا کے سپوت اور آزاد مزاج تھے لہٰذا بغیر کسی عمارت کی رکاوٹ کے یہ لوگ صاف و شفاف ہوا سے بہرہ مند ہوتے تھے، سورج کی دائمی تپش اور بارش و سیلاب کے پانی کو روکنے کے لئے کوئی سد نہیں تھا بلکہ تمام چیزیں قدرتی طور پر آزاد اور اپنی اصلی حالت پر تھیں۔

---

1 گوستاولوبون، تاریخ تمدن اسلام، ج۱، ص۸۸.

2 فیلیپ حتی، تاریخ عرب، ص ۱۴۔

3 فیلیپ حتی، تاریخ عرب، (تہران: آگاہ ط۲، ۱۳۶۶) ص ۳۵، ۳۳.

4 گوستاولوبون، تاریخ تمدن اسلام، ج۱، ص ۶۵۔ ۶۴؛ ویل ڈورانٹ، تاریخ تمدن، (عصر ایمان)، ج۴،) بخش اول)، ترجمہ: ابوطالب صارمی (تہران: سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی، ط۲، ۱۳۶۸) ص۲۰۱.

کاشتکاری اور کاروبار نے انھیں محدود اور مصروف نہیں کر رکھا تھا اور نہ ہی شہر کی بھیڑ بھاڑ سے وہ تنگ آگئے تھے اور چونکہ آزاد زندگی کی عادت تھی لہٰذا آزادی کو پسند کرتے تھے اور اپنے کو کسی قانون اور نظام کا پابند نہیں سمجھتے تھے اور جو بھی ان پر فرمانروائی کرنا چاہتا تھا اس سے پوری طاقت کے ساتھ لڑتے تھے۔ صرف دو چیزیں ان کو محدود کئے ہوئے تھیں :

۱۔ ایک بت پرست نظام کی قید و بند اور اس کے مذہبی رسومات۔

۲۔ دوسرے قبیلوں کے آداب و رسومات اور قبیلے سے وابستگی کی بنا پر جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی تھیں۔

البتہ ان کے یہاں قبیلہ کے رسم و رواج کی پیروی خلوص اور اعتقاد جازم کے ہمراہ تھی۔[1]

لارمنس بلجیکی (مشرقی محقق) کہتا ہے : عرب 'آزادی اور ڈیموکراسی کا نمونہ تھے۔ لیکن ایسی افراطی ڈیموکراسی جس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اور جو بھی ان کی طاقت اور آزادی کو محدود کرنا چاہتا تھا (اگرچہ یہ محدودیت ان کے فائدہ میں ہو) وہ اس کے خلاف قیام کرنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے۔ جس سے ان کے ظلم اور جرائم کا پتہ چلتا ہے جس سے تاریخ عرب کا ایک عظیم حصہ پُر ہے۔[2]

قبائلی نظام

ظہور اسلام سے قبل حجاز کا علاقہ کسی حکومت کے تابع نہیں تھا اور وہاں کوئی سیاسی نظام نہیں پایا جاتا تھا اسی بنا پر ان کی معاشرتی زندگی ایران اور روم کے لوگوں سے بہت زیادہ فرق کرتی تھی۔ کیونکہ یہ دونوں ملک سعودی عرب کے ہمسایہ تھے اور ان میں مرکزی حکومت پائی جاتی تھی جس کے زیر نظر ملک کے تمام علاقے تھے اور وہاں پر مرکز کے قوانین نافذ تھے۔

لیکن حجاز (مجموعی طور سے شمال اور مرکز جزیرۃ العرب کے علاقہ کو کہتے ہیں) میں ایک مرکزی حکومت شہروں میں بھی موجود نہیں تھی۔ عرب کے سماج کی بنیاد قبیلے پر اور ان کا سیاسی اور اجتماعی نظام 'قبائلی نظام کے مطابق تھا۔ اور یہ نظام ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں نمایاں تھا۔ اور اس نظام میں لوگوں کی حیثیت صرف کسی قبیلہ سے منسوب ہونے کی بنا پر متعین ہوتی تھی۔

قبیلہ جاتی زندگی کا تصور نہ تنہا صحرا نشینوں میں بلکہ شہروں میں بھی نمایاں تھا۔ اس علاقہ میں ہر قبیلہ ایک مستقل ملک کے مانند تھا اور اس دور میں قبائل کے درمیان تعلقات ویسے ہی تھے جیسے آج کسی ملک کے تعلقات دوسرے ملکوں سے ہوتے ہیں۔

1 احمد امین 'فجر الاسلام' (قاہرہ: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ' ط۹ '۱۹۶۴) 'ص ۴۶.

2 وہی حوالہ 'ص ۳۴۔ ۳۳ ' نعمان بن منذر (حیرہ کے بادشاہ) نے کسریٰ (بادشاہ ایران) ' کے جواب میں جس نے پوچھا تھا کہ کیوں عرب کی قوم ایک حکومت اور نظام کے تحت نہیں رہتی ہے ؟ کہا دوسری قومیں چونکہ اپنے کو کمزور محسوس کرتی ہیں اور دشمن کے حملہ سے خوف کھاتی ہیں 'لہٰذا اپنے کاموں کو ایک خاندان کے سپرد کردیتی ہیں لیکن عربوں میں ہر ایک چاہتا ہے کہ ہم بادشاہ رہیں اور وہ خراج و ٹیکس دینے سے نفرت کرتے ہیں (آلوسی بلوغ الارب 'ج ا 'ص ۱۵۰)

نسلی رشتہ

اس زمانہ میں عربوں میں "ملیت" اور "قومیت" وحدت دین٬ زبان یا تاریخ جیسے مختلف موضوعات کی بنیاد پر متصور نہیں تھی بلکہ چند خاندانوں کے مجموعہ کو" قبیلہ" کہتے تھے اور حسب و نسب اور خاندانی رشتے اور ناطے ہی افراد کے درمیان تعلقات کی بنیاد تھے۔ اور انھیں چیزوں کی بنیاد پر لوگوں کے درمیان تعلقات اور رشتے قائم تھے کیونکہ ہر قبیلہ کے لوگ اپنے کو اسی قبیلہ کے خون سے سمجھتے تھے.[1] خانوادے کے اجتماع سے خیمہ اور خیموں کے اجتماع سے قبیلہ وجود پاتا تھا۔ اور متعدد قبیلوں سے مل کر بڑی تنظیمیں تشکیل پاتی تھیں جیسے یہودیوں کی تنظیم ایک ہی نسل اور خاندان کی بنیاد پر تھی۔ یہ لوگ اپنے خیموں کو اتنا قریب نصب کرتے تھے کہ اس سے چند ہزار افراد پر مشتمل قبیلہ ہو جاتا تھااور پھر ایک ساتھ مویشیوں کے ہمراہ کوچ کرتے تھے۔[2]

قبیلہ کی سرداری

قبیلہ کے سردار اور نمائندہ کو "شیخ" کہا جاتا تھا[3] شیخ عام طور پر سن رسیدہ ہوتا تھا اور قبیلہ کی سرداری چند چیزوں کی بنا پر ملتی تھی۔ بڑی شخصیت٬ تجربہ یا قبیلہ سے دفاع کرنے میں شجاعت کا اظہار اور کثرت مال ہے[4] شیخ کے انتخاب میں امتیازی صفات جیسے سخاوت٬ شجاعت٬ صبر ٬حلم٬ تواضع اور انداز بیان کا لحاظ بھی کیا جاتا تھا۔[5]

قبیلہ کا سردار٬ فیصلے ٬جنگ اور دوسرے عمومی امور میں٬ ڈکٹیٹر شپ کا درجہ نہیں رکھتا تھا بلکہ ہر کام کے لئے ٬اس کمیٹی سے مشورہ لیتا تھا جو بزرگان قوم و قبیلہ کے ذریعہ تشکیل پاتی تھی اور یہی وہ افراد تھے جو شیخ کا انتخاب کرتے تھے اور جب تک اس کے گروہ والے اس سے خوش رہتے تھے وہ اپنے منصب پر باقی رہتا تھا[6] ورنہ معزول کردیا جاتا تھا. لیکن بہر حال قبیلہ کے دستور کے مطابق٬ تمام افراد رئیس کی پیروی کرتے تھے اوراس کے مرنے کے بعد اس کا بڑا بیٹا اور کبھی ایک سن رسیدہ شخص جس کے اندر اس کی تمام خوبیاں پائی جاتی تھیں یا وہ شخص جو خاص شخصیت اور لیاقت کا مالک ہوا کرتا تھا اسے اس منصب کے لئے چنا جاتا تھا۔

دین اسلام نے قبیلہ جاتی نظام سے جنگ کی اور اس کو ختم کیا اور حسب و نسب جو اس نظام کی بنیاد تھی اس کو اہمیت نہیں دی اور نئے اسلامی معاشرے کی بنیاد٬ وحدت عقیدہ اور ایمان پر استوار کی٬ جو کہ اجتماعی رشتہ جوڑنے میں بہت موثر ہے اور اس طرح وحدتِ خون کی جگہ ٬ وحدت ایمان کو بنیاد قرار دیا اور تمام مومنین کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا[7] اور اس طرح سے عرب سماج کے ڈھانچے کی بنیاد میں تبدیلی پیدا ہوئی۔

---

1 احمد امین٬ فجر الاسلام٬ ص ۲۲۵؛ عبد المنعم ماجد٬ التاریخ السیاسی للدولۃ العربیہ٬ (قاہرہ: ط ۷٬ ۱۹۸۲)٬ ص ۴۸.

2 کارل بروکلمان٬ تاریخ دول و ملل اسلامی٬ ص ۶۔ ۵.

3 رئیس٬ امیر اور سید بھی کہا جاتا ہے۔ (عبد المنعم٬ التاریخ السیاسی للدولۃ العربیہ٬ ص ۴۹)

4 وہی حوالہ.

5 آلوسی٬ بلوغ الارب٬ تصحیح محمد بہجۃ الاثری٬ (قاہرہ: دار الکتب الحدیثہ٬ ط ۳)٬ ج ۲٬ ص ۱۸۷

6 فیلیپ حتی٬ تاریخ عرب٬ ص ۳۹.

7 (انما المومنون اخوۃ) سورۂ حجرات٬ ۴۹٬ آیت ۱۰.

قبائلی تعصب

تعصب اس حد تک تھا کہ قبیلہ کی روح قرار دیا گیا تھا اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ شخص بے انتہا اپنے قبیلہ کے افراد سے وابستہ تھا۔ مجموعی طور پر صحرا نشینوں میں قبیلہ جاتی تعصب، وطن پرستی کے تعصب کی مانند تھا۔[1] وہ کام جو ایک متمدن شخص اپنے ملک، مذہب یا قوم کے لئے انجام دیتا ہے بدو عرب اپنے قبیلے کے لئے انجام دیتے تھے اور اس راہ میں ہر کام انجام دینے کے لئے تیار رہتے تھے، یہاں تک کہ اپنی جان نثار کر دیتے تھے۔[2]

عربوں کے درمیان، قبائلی لوگوں کا برتاؤ اپنے بھائیوں اور رشتہ داروں کے حق میں تعصب کی حد تک ہوتا تھا یعنی یہ لوگ ہر حال میں اپنے اقرباء کی حمایت کرتے تھے چاہے وہ حق پر ہوں یا باطل پر، خطاکار ہوں یا درست کار، ان کی نظروں میں اگر کوئی اپنے بھائی کی حمایت کرنے میں کوتاہی کرے تو اس کی شرافت داغ دار ہو جاتی ہے اس سلسلہ میں وہ کہتے تھے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔

ایک عرب شاعر نے اس بارے میں کہا ہے: جس وقت ان کے بھائیوں نے مشکلات میں ان کی مدد چاہی تو وہ بغیر کسی سوال اور دلیل کے ان کی مدد کو دوڑ پڑے۔[3]

یہی وجہ تھی کہ اگر قبیلہ کے کسی فرد کی اہانت ہو جاتی تو وہ پورے قبیلہ کی اہانت سمجھی جاتی تھی۔ اور قبیلہ کے لوگوں کی ذمہ داری ہوتی تھی کہ اس اہانت اور بے عزتی کے داغ کو مٹانے کے لئے وہ اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔[4]

دین اسلام اس طرح کے اندھے قبائلی تعصب کی مذمت کرتا ہے اور اسے جاہلانہ اور غیر منطقی قرار دیتا ہے۔" اس وقت کو یاد کرو جب کفار اپنے دلوں میں زمانہ جاہلیت جیسا تعصب رکھتے تھے"۔[5]

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے: جو شخص تعصب کرے یا اس کے لئے تعصب کیا جائے وہ اسلام سے خارج ہے[6] آپ نے یہ بھی فرمایا ہے: جو شخص تعصب کی بات کرے یا لوگوں کو تعصب کی طرف دعوت دے یا تعصب کی روح اور فکر رکھتے ہوئے مر جائے وہ ہم میں سے نہیں ہے[7] نیز آپ

---

1 فیلیپ حتی، گزشتہ حوالہ، ص ۳۸.

2 ویل ڈورانٹ، گزشتہ حوالہ، (عصر ایمان)، ج ۴، ص ۲۰۰.

۳ لایسئلون اخاہم حین یندبہم * فی النائبات علی ماقال برہانا(احمد امین، گزشتہ حوالہ، ص ۱۰)

٤ حسن ابراہیم حسن، تاریخ سیاسی اسلام، ترجمہ: ابوالقاسم پایندہ (تہران: سازمان انتشارات جاویدان، ط۵، ۱۳۶۲)، ج۱، ص ۳۸- ۳۷; عبد المنعم ماجد، گزشتہ حوالہ، ص ۵۱- ۵۰.

٥ (اذجعل الذین کفروا فی قلوبہم الحمیة حمیة الجاہلیة) سورۂ فتح،۴۸ آیت ۲۶.

٦ من تعصب او تعصب لہ فقد خلع ربقة الاسلام من عنقہ۔ (صدوق)، ثواب الاعمال، و عقاب الاعمال،(تہران: مکتبة الصدوق)، ص ۲۶۳; کلینی، الاصول من الکافی (تہران:مکتبة الصدوق، ط ۲، ۱۳۸۱ھ.ق)، ج۲، ص۳۰۸.

٧ لیس منا من دعا الی عصبیة، و لیس منا من قال (علی عصبیة) و لیس منا من مات علی عصبیة۔ (سنن ابی داؤد (بیروت: دارالفکر)، ج۴، کتاب الادب، باب فی العصبیة، ص ۳۳۲، حدیث ۵۱۲۱-)

نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم لوگوں نے عرض کیا: مظلوم کی مدد کرنا تو معلوم ہے، ظالم کی کس طرح سے مدد کریں؟ آپ نے فرمایا: اسے ظلم کرنے سے روکو۔[1]

قبائلی انتقام

عرب میں اس وقت کوئی ایسی مرکزی حکومت یا کمیٹی موجود نہیں تھی جو لوگوں کے اختلافات کو ختم کرے اور وہاں پر عدل و انصاف قائم کرسکے۔ جس پر ظلم و ستم ہوتا تھا وہ اپنا انتقام لیتا تھا اور اگر ظالم دوسرے قبیلہ کا ہوا کرتا تھا تو مظلوم کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنا بدلہ اس قبیلہ کے تمام افراد سے لے اور یہ چیز عربوں میں بہت عام تھی[2]۔ کیونکہ لوگوں کی خطائیں پورے قبیلہ کی طرف منسوب ہوتی تھیں اور قبیلہ کا ہر فرد رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ذمہ دار تھا کہ وہ اپنے قبیلے کے تمام افراد کی مدد کرے۔ (بغیر اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ وہ حق پر ہے یا ناحق) اور یہ ذمہ داری شروع میں گھر، خاندان اور اقرباء کی جانب سے انجام پاتی تھی۔ اور جب اس میں وہ کامیاب نہیں ہوتے تھے اور خطرہ نہیں ٹلتا تھا تو گروہ اور قبیلہ کے دوسرے افراد اس کی مدد کرتے تھے۔

اگر کوئی قتل ہو جاتا تھا تو قصاص کی ذمہ داری اس کے قریب ترین رشتہ دار پر ہوتی تھی[3] اور اگر مقتول دوسرے قبیلہ سے ہوتا تھا تو وہاں پر انتقام کی "رسم" جاری ہوتی تھی اور قاتل کے قبیلہ کے ہر فرد کو یہ خطرہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں مقتول کے بدلہ میں اسے اپنی جان سے ہاتھ نہ دھونا پڑے۔ کیونکہ ان کی صحرائی سنت اور رسم یہ تھی کہ "خون صرف خون کے ذریعہ دھلتا ہے" اور خون کا بدلہ صرف خون ہے۔

لوگوں نے ایک اعرابی سے کہا: کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ جس نے تمہیں اذیت پہنچائی ہے اسے معاف کردو اور انتقام نہ لو؟ اس نے جواب دیا کہ میں خوش ہوؤں گا اگر بدلہ لوں اور جہنم میں جاؤوں۔[4]

قبائلی رقابت اور فخر و مباہات

اس زمانہ میں عرب کا ایک دوسرا طریقہ یہ ہوا کرتا تھا کہ وہ ایک دوسرے پر فخر و مباہات کیا کرتے تھے اور جو چیزیں اس سماج میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں (اگرچہ وہ چیزیں موہوم اور بے بنیاد ہوتی تھیں) اس پر ناز کرتے تھے اور اس کی بنا پر دوسرے قبائل پر فخر کرتے تھے۔

---

1 عن انس قال: قال رسول اللّٰہؐ انصر أخاک ظالماً أو مظلوماً. قالوا: یا رسول اللّٰہ ہذا ننصرہ مظلوماً فکیف ننصرہ ظالماً؟ قال: تأخذ فوق یدیہ۔ (صحیح بخاری بحاشیۃ السندی (بیروت: دارالمعرفۃ)، ج۲، کتاب المظالم، ص ٦٦; مسند احمد، ج۳، ص۲۰۱).

2 حسن ابراہیم حسن، گزشتہ حوالہ، ص ٣٩.

3 بروکلمان، گزشتہ حوالہ، ص ٧۔٦.

4 نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب (وزارۃ الثقافہ والارشاد القومی المصریہ)، ج ٦، ص ٦٧.

میدان جنگ میں شجاعت، بخشش اور وفاداری،[1] مال و دولت کثرت اولاد اور کسی بڑے قبیلہ سے تعلق ہر ایک اس زمانہ کے عرب کی نگاہ میں بڑی اہمیت کا حامل اور وسیلۂ برتری تھا اور وہ اس چیز کو اپنے افتخار کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

قرآن کریم نے ان کی باتوں کی اس طرح سے مذمت کی ہے :

''اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم اموال اور اولاد کے اعتبار سے تم سے بہتر ہیں اور ہم پر عذاب ہونے والا نہیں ہے آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار جس کے رزق میں چاہتا ہے کمی یا زیادتی کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ہیں اور تمہارے اموال اور اولاد میں کوئی ایسا نہیں ہے جو تمہیں ہماری بارگاہ میں قریب بنا سکے علاوہ ان کے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے''۔[2]

ایک دن کسریٰ (بادشاہ ایران) نے نعمان بن منذر (بادشاہ حیرہ) سے پوچھا کہ کیا قبائل عرب میں کوئی ایسا قبیلہ ہے جو دوسروں پر شرف اور برتری رکھتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: ہاں! تو اس نے کہا: ان کے شرف کی وجہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ جس کے باپ دادا میں سے تین شخص لگاتار رئیس قبیلہ ہوں اور ان کی نسل سے چوتھا بھی رئیس بنے تو قبیلہ کی ریاست اس کے خاندان کو ملتی ہے۔[3]

عصر جاہلیت میں عرب قبیلہ کے افراد کی کثرت کو اپنے لئے مایۂ افتخار سمجھتے تھے اور اس طرح اپنے رقیب قبائل پر فخر و مباہات کرتے اور ان سے افراد کی تعداد کا مقابلہ کرتے تھے[4] یعنی اپنے افراد کی تعداد بتا کر یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے قبیلہ کی تعداد دشمن کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

ایک دن دو قبیلوں کے درمیان اس قسم کا تفاخر شروع ہوا، ہر ایک نے اپنے قبیلہ کے افتخارات بیان کئے اور طرفین نے دعویٰ کیا کہ ہماری خوبیاں اور قبیلہ کے افراد، دوسرے قبیلہ کے مقابل میں زیادہ ہیں اس موقع پر دونوں کی تعداد کو شمار کیا گیا، زندہ لوگوں کی سرشماری مفید ثابت نہیں ہوئی تو مردوں کے شمارش کی نوبت آئی اور دونوں طرف کے لوگ قبرستان گئے اور اپنے اپنے مردوں کو شمار کیا۔[5]

قرآن کریم نے ان کے اس جاہلانہ اور غیر عاقلانہ طرز عمل کی اس طرح سے مذمت کی ہے۔

'' تمہیں باہمی مقابلۂ کثرت مال اور اولاد نے غافل بنا دیا، یہاں تک کہ تم نے قبروں سے ملاقات کر لی اور اپنے مردوں کی قبروں کو شمار کیا اور اس پر فخر و مباہات کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ گمان کرتے ہو، دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا''۔[6]

---

1 آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۸۰۔

2 سورۂ سبا، ۳۴، آیت ۳۷۔ ۳۵

3 آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۸۱۔

4 منافرہ، نفر سے بنا ہے یعنی ہر ایک اپنی تعداد دوسرے سے زیادہ بتاتا تھا۔ (آلوسی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۸۸.) اس قسم کے تفاخر کے بے شمار واقعات، ظہور اسلام سے قبل تاریخ عرب میں نقل ہوئے ہیں۔

5 سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، ج ۲۰، ص ۳۵۳؛ آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۷۹

6 سورۂ تکاثر، ۱۰۲، آیت ۳۔ ۱

نسب کی اہمیت

جاہل عربوں کے درمیان کمال کا ایک اہم معیار، نسب ہوا کرتا تھا جو ان کی نظر میں بہت اہمیت رکھتا تھا یہاں تک کہ بہت ساری خوبیاں "نسب" کی بنا پر ہوا کرتی تھیں۔[1]

قبائل عرب میں نسلی تفاخر بہت زیادہ پایا جاتا تھا جس کا واضح نمونہ وہ قومی رقابتیں ہیں جو عدنانیوں (شمالی عرب) اور قحطانیوں (جنوبی عرب) کے درمیان پائی جاتی تھیں۔[2] اسی بنا پر وہ لوگ اپنے نسب کی شناخت اور حفاظت کو اہمیت دیتے تھے۔

نعمان بن منذر کسریٰ کے جواب میں کہتا ہے: عرب کے علاوہ کوئی بھی امت، اپنے نسب سے واقف نہیں ہے اور اگر ان کے اجداد کے بارے میں پوچھا جائے تو اظہار لاعلمی کرتے ہیں لیکن ہر عرب اپنے آباء و اجداد کو پہچانتا ہے اور غیروں کو اپنے قبیلہ کا جزء نہیں مانتا اور خود دوسرے قبیلہ میں شامل نہیں ہوتا اور اپنے باپ کے علاوہ دوسروں سے منسوب نہیں ہوتا۔[3]

لہٰذا تعجب کی بات نہیں ہے کہ علم "نسب شناسی" اس وقت ایک محدود علم تھا جس کی بڑی اہمیت تھی اور نسب دانوں کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

آلوسی جو کہ عرب شناسی کے مسئلہ میں صاحب نظر ہے کہتا ہے: عرب کے جاہل اپنے نسب کی شناخت اور حفاظت کو بہت اہمیت دیتے ہیں کیونکہ یہ شناخت الفت و محبت کا ایک وسیلہ تھی وہ اور ان کے یہاں اس کی زیادہ ضرورت پڑتی تھی کیونکہ ان کے قبائل متفرق ہوتے تھے اور جنگ کی آگ مستقل ان کے درمیان شعلہ ور تھی اور لوٹ و مار ان کے درمیان رائج تھا۔ اور چونکہ وہ کسی قدرت کے ماتحت نہیں رہنا چاہتے تھے جو ان کی حمایت کرے لہٰذا وہ مجبور ہو کر اپنے نسب کی حفاظت کیا کرتے تھے تاکہ اپنے دشمن پر کامیاب ہو سکیں کیونکہ رشتہ داروں کی آپسی محبت، حمایت اور تعصب ایک دوسرے کے الفت اور تعاون کا باعث بنتی ہے اور رسوائی اور تفرقہ سے رکاوٹ کا باعث قرار پاتی ہے۔[4]

---

1 مثلاً اس زمانہ کی رسم یہ تھی کہ اگر کسی کا باپ عرب اور ماں عجمی ہوتی تھی تو اس کو طعنہ اور تحقیر کرنے کے لئے "ہجین" کہتے تھے (جو نسب کی پستی اور ناخالصی پر دلالت کرتا ہے) اور اگر کوئی اس کے برعکس ہوتا تھا تو اس کو "مذرّع"۔۔ کہتے تھے۔ ھجین ارث سے محروم رہتا تھا (ابن عبد ربہ اندلسی، العقد الفرید، (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۳ھ.ق)، ج۶، ص ۱۲۹؛ ھجین مرد صرف اپنی جیسی عورتوں سے شادی کرنے کا حق رکھتا تھا (محمد بن حبیب المحبر، (بیروت: دار الآفاق الحدیدۃ)، ص ۳۱۰؛ شہرستانی، الملل والنحلل، (قم: منشورات الرضی، ط۲) ص ۲۵۴. دور اسلام میں پیغمبر اسلامؐ سے ھجین کے خون بہا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: اسلام کے ماننے والوں کے خون کی قیمت برابر ہے۔ (ابن شہر آشوب، مناقب،) قم: المطبعۃ العلمیہ، ج۱، ص ۱۱۳.

2 جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، (بیروت: دار العلم للملائین، ۱۹۶۸م)، ج۱، ص ۴۹۳ کے بعد؛ شوقی ضیف، تاریخ الادب العربی، العصر الجاہلی، ص ۵۵۔

3 آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۴۹۔ زمانہ اسلام میں عمر بن خطاب نے اسی فکر سے متاثر ہو کر عراق کے نبطیوں سے جنھوں نے اپنا تعارف اپنے رہنے کی جگہ سے کیا تھا، ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا: اپنے نسب کو سیکھو اور عراق کے نبطویں کی طرح نہ بنو اس لئے کہ جب ان سے ان کے خاندان اور نسب کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو جواب میں کہتے ہیں فلاں جگہ اور فلاں محل کا رہنے والا ہوں ۔ (ابن خلدون، مقدمہ، تحقیق: خلیل شحادہ و سہیل زکار، نویں فصل، ص ۱۶۲؛ ابن عبد ربہ اندلسی، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۳۱۲)۔

4 بلوغ الارب، ج۳، ص ۱۸۲؛ اسی طرح رجوع کریں: المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ج۱، ص ۴۶۷۔ ۴۶۶۔

دین اسلام ہر طرح کی قومی برتری کا مخالف ہے اگرچہ قرآن کریم قریش اور عرب کے درمیان نازل ہوا تھا لیکن اس کے مخاطبین صرف قریش، عرب یا اس کے مانند دوسرے افراد نہیں ہیں بلکہ اس کے مخاطبین عوام الناس ہیں اور اس میں مسلمانوں اور مومنین کے فرائض بیان کئے گئے ہیں۔ قرآن کریم قومی فرق کو فطری جانتا ہے اور اس فرق کا فلسفہ بتاتا ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں اور قومی اور نسلی فخر و مباہات کی مذمت کرتا ہے اور بزرگی کا معیار "تقویٰ" کو بتاتا ہے۔

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ ہر شئی کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔[1]

پیغمبر اسلامؐ نے نسلی اور خاندانی فخر و مباہات کی شدت سے مخالفت کی ہے۔ جس کے چند نمونے یہ ہیں :

۱۔ فتح مکہ کے موقع پر جب قریش کا اصلی قلعہ منہدم ہو گیا تو آپ نے فرمایا : اے لوگو! خداوند عالم نے نور اسلام کے ذریعہ، زمانۂ جاہلیت میں رائج فخر و مباہات کو ختم کر دیا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ تم نسل آدم سے ہو اور آدم خاک سے پیدا ہوئے ہیں۔ خدا کا بہترین بندہ وہ ہے جو متقی ہو کسی کے باپ کا عربی ہونا فضیلت نہیں رکھتا، یہ صرف زبانی بات ہے اور جس کا عمل اسے کسی مرتبہ پر نہ پہنچا سکے اس کا نسب و خاندان بھی اسے کسی مرتبہ پر نہیں پہنچا سکتا۔[2]

۲۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک مفصل خطبہ کے دوران جو کہ اہم اور بنیادی مسائل پر مشتمل تھا آپ نے فرمایا : کوئی عربی، عجمی پر فضیلت نہیں رکھتا، صرف تقویٰ کے ذریعہ آدمی بزرگ اور محترم قرار پاتا ہے۔[3]

۳۔ ایک دن آپ نے قریش کے سلسلے میں گفتگو کے دوران، جناب سلمان کی باتوں کی تائید فرمائی اور قریش کے غلط طرز فکر اور انکی نژاد پرستی کے مقابلہ میں روحانی کمالات پر تکیہ کرتے ہوئے فرمایا : اے گروہ قریش! ہر شخص کا دین ہی اس کا حسب و نسب ہے اور ہر کسی کا اخلاق و کردار ہی اس کی مردانگی ہے اور ہر ایک کی اساس اور بنیاد اس کی عقل و فہم اور دانائی ہے۔[4]

قبائلی جنگیں

اگر عرب کے درمیان کوئی قتل رونما ہوتا تھا تو اس کی ذمہ داری قاتل کے قریبی ترین افراد پر عائد ہوتی تھی اور چونکہ قاتل کا قبیلہ اس کی حمایت پر آمادہ اور کمربستہ نظر آتا تھا، لہٰذا انتقام کے لئے خون ریز جنگیں ہوتی تھیں. اور یہ جنگیں جو عام طور پر چھوٹی باتوں پر ہوتی تھیں کئی سالوں تک جاری رہتی تھیں جیسا کہ "جنگ بسوس" جو کہ دو قبیلوں بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان (یہ دونوں قبیلے ربیعہ سے تھے)

1 سورۂ حجرات، ۴۹، آیت ۱۳۔ حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت کے مطابق اور بعض تفسیروں کی بنیاد پر، مذکورہ آیت میں کلمۂ "قبائل" سے مراد عرب کے چھوٹے چھوٹے گروہ ہیں جن میں سے ہر ایک کو "قبیلہ" کہا جاتا ہے اور "شعوب" سے مراد غیر عربی گروہ ہے۔ (طبرسی، مجمع البیان، تفسیر سورۂ حجرات، ذیل آیۂ ۱۳)

2 کلینیؒ، الروضۃ من الکافی، (تہران : دار الکتب الاسلامیہ، ط ۲)، ص ۲۴۶؛ مجلسی، بحار الانوار، (تہران : دار الکتب اسلامی)، ج ۲۱، ص ۱۳۷، اور ۱۳۸، اور الفاظ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ، سیرہ ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۴، پر نقل ہوا ہے۔

3 حسن بن علی بن شعبہ، تحف العقول (قم : مؤسسۃ النشر الاسلامی، ط ۳، ۱۳۶۳)، ص ۳۴.

4 کلینیؒ، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸۱۔

چھڑی چالیس سال تک جنگ جاری رہی اور اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ پہلے قبیلہ کا اونٹ جو کہ بسوس نامی خاتون کا تھا بنی تغلب کی چراگاہ میں چرنے کے لئے چلا گیا تو اسے ان لوگوں نے مار ڈالا۔[1]

اسی طرح سے "داحس اور غبراء نامی" دو خون ریز جنگ قیس بن زہیر (قبیلۂ بنی قیس کا سردار) اور حذیفۂ ابن بدر (قبیلۂ بنی فزارہ کا سردار) کے درمیان ایک گھوڑ دوڑ کے سلسلہ میں رونما ہوئی اور مدتوں جاری رہی۔ داحس اور غبراء نامی دو گھوڑے تھے ایک قیس کا اور دوسرا حذیفہ کا تھا۔ قیس نے دعوا کیا کہ اس کا گھوڑا مسابقہ میں جیتا ہے اور حذیفہ نے دعوا کیا کہ اس کا گھوڑا مسابقہ میں بازی لے گیا 'اسی مختصر سی بات پر دونوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑک اٹھی اور بہت زیادہ قتل اور خونریزی رونما ہوئی۔[2] اور اس طرح کے واقعات "ایام العرب" کے نام سے مشہور ہوئے۔ اور اس کے بارے میں کتابیں لکھی گئیں۔ البتہ کبھی چند اونٹ خون بہا کے طور پر دے کر مقتول کی دیت ادا کر دی جاتی تھی۔ اور ہر قبیلہ کے بزرگ اس قسم کے مسائل کے لئے راہ حل تلاش کرتے اور اس کو قوم کے سامنے پیش کرتے تھے لیکن وہ اس کو قوم پر تھوپتے نہیں تھے۔ اور زیادہ تر قبائل ان تجاویز کو اس وقت قبول کرتے تھے جب طولانی جنگوں سے تھک اور ناامید ہو جاتے تھے تو ان تجاویز کو قبول کر لیتے تھے۔

اگر قاتل کا گروہ 'خطاوار کو قصاص کے لئے مقتول کے سپرد کر دیتا تو یہ جنگ رونما نہ ہوتی لیکن ان کی نظروں میں ایسا کرنا ان کی عزت و وقار کے خلاف تھا اسی بنا پر وہ اپنے لئے بہتر سمجھتے تھے کہ خطاکار کو خود سزا دیں۔ کیونکہ بادیہ نشینوں کی نگاہ میں عزت اور آبرو کی حفاظت سب سے زیادہ اہم تھی اور وہ اپنے تمام اعمال میں اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے۔

ان کے درمیان جو قوانین اور دستورات رائج تھے وہ کم و بیش حجاز کے شہروں یعنی طائف 'مکہ اور مدینہ میں بھی نافذ تھے۔ کیونکہ ان شہروں کے باشندے بھی اپنے سماج میں بادیہ نشینوں کی طرح مستقل اور آزاد رہتے تھے اور کسی کی پیروی نہیں کرتے تھے بادیہ نشینوں میں تعصب اور آبرو پرستی 'بے حد اور مبالغہ آمیز تھی۔ لیکن مکہ میں کعبے کے احترام اور تجارتی مرکز ہونے کی بنا پر ایک حد تک متوسط تھی۔[3]

قرآن کریم اس قسم کے تعصب اور انتقام کی مذمت کرتا ہے اور نصرت اور حمایت کا معیار 'حق و عدالت کو قرار دیتا ہے اور تاکید فرماتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ عدالت کو شدت کے ساتھ قائم کریں اگرچہ یہ عدالت والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

"اے ایمان والو! عدل و انصاف کے ساتھ قیام کرو اور اللہ کے لئے گواہی دو چاہے اپنی ذات یا اپنے والدین اور اقرباء کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ جس کے لئے گواہی دینا ہے وہ غنی ہو یا فقیر اللہ دونوں کی حمایت کا تم سے زیادہ سزاوار ہے لہٰذا خبردار! خواہشات کا اتباع نہ کرنا تاکہ انصاف نہ کر سکو اور اگر توڑ مروڑ سے کام لیا یا بالکل کنارہ کشی کر لی تو یاد رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے"۔[4]

---

1 محمد احمد جادالمولی بک، علی محمد البجاوی و محمد ابوالفضل ابراہیم 'ایام العرب فی الجاہلیۃ' (بیروت: دار احیاء التراث العربی) 'ص ۱۶۸۔ ۱۴۲؛ رجوع کریں: ابن اثیر 'الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر '۱۳۹۹ھ.ق) 'ج۱ 'ص ۵۳۹۔ ۵۲۳۔

2 عبد الملک بن ہشام 'سیرۃ النبی 'تحقیق: مصطفیٰ السقاء (اور دوسرے لوگ) ' (قاہرہ: مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی '۱۳۵۵ھ.ق) 'ج۱ 'ص ۳۰۷؛ یاقوت حموی 'معجم البلدان 'قاہرہ: مطبعۃ السعادۃ 'ط۱ '۱۳۲۳ھ.ق) 'ج۱ 'ص ۲۶۸ لفظ (صاد)۔ ابن اثیر اور جاد المولی بک دونوں قیس کا گھوڑا جانتے تھے۔ (الکامل فی التاریخ 'ج۱ 'ص ۵۸۲۔ ۵۶۶؛ ایام العرب 'ص ۲۷۷۔ ۲۴۶)۔

3 بروکلمان 'گزشتہ حوالہ 'ص ۸۔

4 سورۂ نساء '۴ 'آیت ۱۲۵۔

غارت گری اور آدم کشی

بدو عرب اپنے قبیلہ کے علاوہ دوسروں سے دوستی اور محبت نہیں کرتے تھے ان کا دائرہ فکر اور فہم صرف اپنے قبیلہ تک محدود ہوتا تھا یہ لوگ اس قدر متعصب اور قبیلہ پرست ہوتے تھے کہ دنیا کی ساری چیزیں صرف اپنے لئے چاہتے تھے اور سب سے زیادہ اپنے اور اپنے رشتہ داروں کا فائدہ چاہتے تھے جیسا کہ ان میں سے کسی نے زمانۂ اسلام میں اپنی جاہلیت کی تہذیب سے متاثر ہو کر اس طرح سے دعا کی 'اے خدا! مجھ پر اور محمدؐ پر رحم فرما اور ہمارے علاوہ کسی پر رحم نہ کر۔[1]

ان میں صحرائی زندگی کی بناپر جو محرومیت پائی جاتی تھی اس کی بناپر وہ غارت گری کیا کرتے تھے کیونکہ ان کی سرزمین نعمتوں سے محروم تھی اور وہ اس کمی اور محرومیت کو لوٹ مار کے ذریعہ پورا کرتے تھے۔ رہزنی اور غارت گری کو نہ صرف یہ کہ برا فعل نہیں سمجھتے تھے بلکہ (جیسے آج کے دور میں ایک شہر یا صوبہ پر قبضہ کر لینے کو فخر سمجھتے ہیں) اپنے لئے باعث فخر اور شجاعت سمجھتے تھے۔[2]

البتہ قبیلوں کے درمیان جو رقابت پائی جاتی تھی وہ بھی جنگ اور غارت کا سبب بنتی تھی اور زیادہ تر اختلافات اور جھگڑے، چراگاہوں پر قبضہ کر لینے کی بناپر ہوتے تھے۔ اور کبھی قبیلہ کی سرداری کے انتخاب پر بھی رشتہ داروں کے درمیان جنگ و خونریزی ہوتی تھی۔ مثلاً اگر بڑا بھائی سرداری کے منصب پر فائز ہو اور مر جائے تو اس کے دوسرے بھائی اپنی عمر کے مطابق قبیلہ کی سرداری کے خواہاں رہتے تھے اور مرنے والی کی اولاد اپنے باپ کے مقام کی آرزومند ہوتی تھی۔ اسی بناپر اکثر قبیلوں اور رشتہ داروں کے درمیان جو کہ نسب اور محل سکونت کے لحاظ سے بہت قریب تھے، سخت اختلافات اور جھگڑے ہوتے تھے۔ شعراء بھی اپنے اشعار کے ذریعہ فتنہ کی آگ بھڑکایا کرتے تھے۔ وہ اشعار میں اپنے قبیلہ کے افتخارات کو بیان کرتے تھے اور دوسرے قبیلہ کے عیوب کو برملا کرتے تھے اور لوگوں کے ذہنوں میں گزشتہ باتوں کو تازہ کر کے ان کے دلوں میں کینہ اور لڑائی کا جذبہ پیدا کرتے تھے۔ اکثر و بیشتر ان کے درمیان لڑائیاں صرف معمولی اور چھوٹی بات پر ہوتی تھیں۔ جس وقت فتنہ کی آگ بھڑکتی تھی تو دونوں قبیلے ایک دوسرے کی جان کے پیاسے ہو جاتے تھے اور ایک دوسرے کو نابود کرنے کی فکر میں لگ جاتے تھے۔[3]

وحشی گری اور تمدن سے دوری ان کی غارت گری کا ایک دوسرا سبب تھا۔ ابن خلدون کی نگاہ میں اس قوم کے لوگ وحشی تھے اور ان کے درمیان وحشی گری اس قدر پائی جاتی تھی کہ جیسے ان کے سرشت اور عادت میں رچ بس گئی ہو، مثال کے طور پر، کھانے کی دیگ بنانے کے لئے انھیں سنگ کی ضرورت پڑتی تھی تو وہ اس کی خاطر عمارتوں کو مسمار کر دیتے تھے تاکہ کھانے کی دیگ ان پتھروں سے بنائیں یا محلوں اور بڑی عمارتوں کو اس بناپر ویران کر دیتے تھے تاکہ اس کی لکڑی سے خیمہ بنائیں یا اس سے عمارتیں اور ستون خیمہ تیار کریں۔

---

1 اللھم ارحمنی و محمداً و لاترحم معنا احداً (صحیح بخاری، شرح و تحقیق: الشیخ قاسم الرفاعی، (بیروت: دار القلم)، ج ۸، کتاب الادب، باب ۵۴۹، ح ۸۹۳، ص ۳۲۷، اور تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ: سنن ابی داؤد (بیروت: دار الفکر)، ج ۴، کتاب الادب، باب "من لیست لہ غیبۃ"، ص ۲۷۱.)

2 گوستاولوبون، گزشتہ حوالہ، ص ۶۳.

3 حسن ابراہیم حسن، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۳۸.

غارت گری کی عادت ان میں اس قدر پائی جاتی تھی کہ جو بھی چیز وہ دوسروں کے ہاتھوں میں دیکھتے تھے اسے لوٹ لیا کرتے تھے۔ ان کی روزیاں نیزوں کے بل پر فراہم ہوتی تھیں دوسروں کا مال چوری کرنے سے کبھی باز نہیں آتے تھے بلکہ ان کی نظر اگر کسی کے مال وثروت یا وسائل زندگی پر پڑتی تھی تو اسے وہ لوٹ لیا کرتے تھے۔[1]

ان کی آمدنی کا ایک ذریعہ لوٹ اور غارت ہوا کرتا تھا جس وقت وہ کسی قبیلہ پر حملہ آور ہوتے تھے تو ان کے اونٹوں کو لوٹ لیا کرتے تھے اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا کرتے تھے۔

دوسرا قبیلہ بھی کمین گاہ میں بیٹھا اسی تاک میں لگا رہتا تھا اور اسے بھی جب موقع ملتا تھا یہی حرکت کر بیٹھتا تھا۔ اور جب دوسروں سے دشمنی نہیں ہوتی تھی تو آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے۔ جیسا کہ قطامی (بنی امیہ کے پہلے دور کا) شاعر اپنے اشعار میں اس بات کا تذکرہ کرتا ہے :

ہمارا کام پڑوسیوں اور دشمنوں پر ہجوم اور غارت گری تھا اور اگر ہمیں کبھی کوئی نہ ملتا تو اپنے بھائی کا مال لوٹ لیا کرتے تھے۔[2]

اس زمانے میں جو جنگیں اوس اور خزرج نامی دو قبیلوں کے درمیان قصاص اور خونخواہی کی بنا پر شروع ہوئی تھیں وہ یثرب (مدینہ) میں اس قدر شدید اور زیادہ بڑھ گئی تھیں کہ کسی میں جرات نہیں تھی کہ وہ اپنے علاقے یا جائے امن سے دور جائے ان لڑائیوں نے عرب کی زندگی کو مفلوج اور ان کی حالت کو پست کر دیا تھا۔ قرآن مجید ان کی اس رقت بار حالت کو یاد دلا کر' اسلام کے سایہ میں جو ان کے درمیان بھائی چارگی قائم ہوئی اس کے بارے میں اس طرح سے ذکر کرتا ہے۔

... "اور اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ تم لوگ آپس میں دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم جہنم کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں نجات دی اور اللہ اسی طرح اپنی آیتیں بیان کرتا ہے کہ شاید تم ہدایت یافتہ بن جاؤ"۔[3]

حرام مہینے

صرف حرام مہینوں (ذیقعدہ' ذی الحجہ' محرم اور رجب) میں جو کہ جناب ابراہیمؑ اور جناب اسماعیلؑ کی دیرینہ سنت کی یاد اور ان کی بچی ہوئی تعلیمات میں سے تھی[4] ان مہینوں کے احترام میں عربوں کے درمیان' آپس میں جنگ بندی (مقدس صلح) کا قانون پایا جاتا تھا۔ اور ان کو

---

1 مقدمہ ترجمۂ محمد پروین گنابادی' (تہران : مرکز انتشارات علمی وفرہنگی' ط ۴' ۱۳۶۲) ' ج ا' ص ۲۸۶۔ ۲۸۵.

2 واحیاناً علی بکر اخینا اذا مالم نجد الا اخانا۔

احمد امین' گزشتہ حوالہ' ص ۹؛ فیلیپ حتی' گزشتہ حوالہ' ص ۳۵؛ حماسۃ ابی تمام حبیب اوس الطائی (کلکتہ : مطبع لیسی' ۱۸۹۵ء) ' ص ۳۲.

3 سورۂ آل عمران' ۳' آیت ۱۰۳

4 سید محمد حسین طباطبائی' تفسیر المیزان (بیروت : موسسہ الاعلمی للمطبوعات' ط ۲' ۱۳۹۱ھ.ق) ' ج ۹' ص ۲۷۲.

موقع ملتا تھا کہ وہ کچھ دن سکون سے رہیں اور تجارت اور کعبہ کی زیارت کر سکیں [1] اور ان مہینوں میں کوئی جنگ ہو جاتی تھی تو اس کو "حرب الفجار" (ناروا اور گناہ آلود جنگ) کہتے تھے۔[2]

عرب کے سماج میں عورت

جاہل عربوں میں جہالت اور خرافات کا ایک واضح نمونہ 'عورت کے بارے میں ان کے مخصوص نظریات تھے۔ اس دور کے معاشرے میں عورت انسانیت کے معیار 'سماجی حقوق اور آزادی سے بالکل محروم تھی۔ اور اس سماج میں گمراہی اور سماج کے وحشی پن کی بنا پر لڑکی اور عورت کا وجود باعث ذلت و رسوائی سمجھا جاتا تھا۔[3] وہ لڑکیوں کو میراث کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ارث کے حقدار صرف وہ لوگ ہیں جو تلوار چلاتے ہیں اور اپنے قبیلہ کا دفاع کرتے ہیں۔[4] ایک روایت کی بنا پر عرب میں عورت کی مثال اس مال جیسی تھی جو شوہر کے مرنے کے بعد (لڑکا نہ ہونے کی صورت میں) شوہر کے دوسرے اموال اور ثروت کی طرح سوتیلی اولاد کے پاس منتقل ہو جاتی تھی۔[5]

واقعات گواہ ہیں کہ شوہر کے مرنے کے بعد اس کا بڑا لڑکا اگر اس عورت کو رکھنے کا خواہش مند ہوتا تھا (یعنی اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا) تو اس کے اوپر ایک کپڑا ڈال دیتا تھا اور اس طریقہ سے میراث کے طور پر عورت اسے مل جایا کرتی تھی اس کے بعد اگر وہ چاہتا تھا تو اسے بغیر کسی مہر کے 'صرف میراث ملنے کی بنا پر اس سے شادی کر لیتا تھا اور اگر اس سے شادی کا خواہش مند نہ ہوتا تو دوسروں سے اس کی شادی کر دیتا تھا اور اس عورت کا مہر خود لے لیتا تھا۔ اور اس کے لئے یہ بھی ممکن تھا کہ اسے ہمیشہ کے لئے دوسرے مردوں سے شادی کرنے سے منع کر دے 'یہاں تک وہ مر جائے اور اس کے مال کا مالک بن جائے۔[6]

---

1 وہ لوگ مہینوں کے ناموں کو بدل کر کے حرام مہینوں کو پیچھے کر دیتے تھے اور اپنے کو اس کے حد و حدود سے الگ کر کے حرام مہینے میں بھی جنگ و خونریزی کرتے تھے اسی مناسبت سے خداوند عالم نے فرمایا ہے: (محترم مہینوں میں تقدیم و تاخیر 'کفر میں ایک قسم کی زیادتی ہے۔ جس کے ذریعہ کفار کو گمراہ کیا جاتا ہے کہ وہ ایک سال اسے حلال بنا لیتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام کر دیتے ہیں تا کہ اتنی تعداد برابر ہو جائے جتنی خدا نے حرام کی ہے۔ اور حرام خدا حلال بھی ہو جائے...) '(سورۂ توبہ '۹' آیت ۳۷.)

۲ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، (نجف: المکتبة الحیدریه، ۱۳۸۴ھ.ق)، ج۲، ص۱۲; شہرستانی، الملل و النحلل، (قم: منشورات الرضی، ط ۲)، ج۲، ص ۲۵۵.

۳ سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان (قم: مطبوعاتی اسماعیلیان، ط۳، ۱۳۹۳ھ.ق)، ج۲، ص۲۶۷۔

٤ ابوالعباس المبرد، الکامل فی اللغة و الادب، مع حواشی: نعیم زرزور (اور) تغارید بیضون (بیروت: دار الکتب العلمیه، ط۱، ۱۴۰۷ھ.ق)، ج۱، ص ۳۹۳; محمد بن حبیب، المحبر (بیروت: دارالافاق الجدیدة)، ص ۳۲۴۔

5 کلینیؒ 'الفروع من الکافی '(تہران: دار الکتب الاسلامیہ 'ط۲ '۱۳۶۲) 'ج۶ 'ص۴۰۶.

6 طباطبائی، گزشتہ حوالہ، ج۴، ص ۲۵۸- ۲۵۴; سیوطی، الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور، (قم: مکتبة آیة اللّٰہ مرعشی نجفی، ۱۴۰۴ھ.ق)، ج۲، تفسیر آیۂ ۲۲ سورۂ نساء، ص ۱۳۲- ۱۳۱; شہرستانی، الملل و النحل (قم: منشورات الرضی، ط۲)، ج۲، ص ۲۵۴; حسن، حسن، حقوق زن در اسلام و یورپ (ط۷، ۱۳۵۷)، ص۳۴۔ عرب اس شخص کو "ضیزن" کہتے تھے جو باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا۔ (محمد بن حبیب 'المحبر 'ص ۳۲۵) 'ابن قتیبہ دینوری نے اس قسم کی عورتوں کی تعداد کو ذکر کیا ہے 'جنھوں نے شوہر کے مرنے کے بعد اپنے لڑکوں سے شادی کر لی تھی (المعارف 'تحقیق: ثروة عکاشہ 'قم: منشورات الرضی 'ص ۱۱۲.)

چونکہ باپ کی بیوی سے شادی کرنا اس وقت قانوناً منع نہیں تھا۔ للذا قرآن کریم نے ان کو اس کام سے منع کیا۔[1] دور اسلام میں مفسرین کے کہنے کے مطابق ایک شخص جس کا نام ''ابو قیس بن اسلت'' تھا جب وہ مر گیا تو اس کے لڑکے نے چاہا کہ اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ شادی کرے تو خدا کی جانب سے یہ آیت نازل ہوئی (لایَحِلُّ لَکُمْ اَن تَرِثُوْا النِّسَاءَ...)،[2]

تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم عورت کو ارث میں لو۔

اس سماج میں متعدد شادیاں بغیر کسی رکاوٹ کے رائج تھیں۔[3]

عورت کی زبوں حالی (ٹریجڈی)

یہ بات مشہور ہے کہ عربوں میں سب سے بری رسم یہ تھی کہ وہ لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ کیونکہ لڑکیاں ایسے سماج میں جو تہذیب اور تمدن سے دور، ظلم و بربریت میں غرق ہو، مردوں کی طرح لڑ کر اپنے قبیلہ سے دفاع نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ لڑنے کی صورت میں یہ ممکن تھا لڑکیاں دشمن کے ہاتھ لگ جائیں اور ان سے ایسی اولادیں پیدا ہوں جو باعث ننگ اور عار بنیں للذا وہ لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے[4] اور کچھ لوگ مالی مشکلات کی خاطر، فقر و افلاس کے خوف سے ایسا کرتے تھے۔[5] مجموعی طور پر لڑکیاں اس سماج میں منحوس سمجھی جاتی تھیں قرآن کریم نے ان کی اس غلط فکر کو اس طرح سے نقل کیا ہے:

''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ خون کے گھونٹ پینے لگتا ہے، قوم سے منھ چھپاتا ہے کہ بہت بری خبر سنائی گئی ہے اب اس کو ذلت سمیت زندہ رکھے یا خاک میں ملادے، یقیناً یہ لوگ بہت برا فیصلہ کر رہے ہیں''۔[6]

---

1 ولاتنکحوا ما نکح آبائکم من النساء'' (سورۂ نساء، ۴، آیت ۲۲)

2 طباطبائی، گزشتہ حوالہ، ج ۴، ص ۲۵۸؛ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن (بیروت: دار المعرفہ، ط ۲، ۱۳۹۲ھ ق)، ج ۴، ص ۲۰۷؛ سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۹ کی تفسیر کے ذیل میں۔

3 طباطبائی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۲۶۷۔

4 شیخ عباس قمی، سفینة البحار (تہران: کتابخانۂ سنایی، ج۱)، ص ۱۹۷ (کلمۂ جھل)؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم (قاہرہ: دار احیاء العربیہ، ۱۹۶۱ء)، ج۱۳، ص ۱۷۴؛ کلینیؒ، الاصول من الکافی، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ)، ج۲، باب ''البر بالوالدین''، ح۱۸، ص ۱۶۳؛ قرطبی، تفسیر جامع الاحکام (بیروت: دار الفکر)، ج۱۹، ص ۲۳۲۔

5 سورۂ انعام، ۶، آیت ۱۵۱؛ سورۂ اسراء، ۱۷، آیت ۳۱؛ قرطبیؒ، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۲۔

6 سورۂ نحل، ۱۶، آیت ۵۹۔۵۸۔

عورت کو محروم اور دبانے کی باتیں اس زمانے کے عربی ادب اور آثار میں بہت زیادہ ملتی ہیں جیسا کہ ان کے درمیان یہ بات عام تھی کہ جس کے پاس لڑکی ہوتی تھی اس سے وہ لوگ کہتے تھے کہ "خدا تم کو اس کی ذلت سے محفوظ رکھے اور اس کے اخراجات کو پورا کرے اور قبر کو داماد کا گھر بنادے۔[1]

ایک عرب شاعر نے اس بارے میں کہا ہے:

جس باپ کے پاس لڑکی ہو اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہے تو اس کے لئے تین داماد ہیں: ١۔ ایک وہ گھر جس میں وہ رہتی ہے۔ ٢۔ دوسرے اس کا شوہر جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ ٣۔ اور تیسرے وہ قبر جو اس کو اپنے اندر چھپالیتی ہے۔ لیکن ان میں سب سے بہتر قبر ہے۔[2]

کہتے ہیں کہ ایک شخص جس کا نام ابوحمزہ تھا وہ صرف اس وجہ سے اپنی بیوی سے ناراض ہوگیا اور پڑوسی کے یہاں جاکر رہنے لگا کہ اس کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ لہٰذا اس کی بیوی اپنی بچی کو لوری دیتے وقت یہ اشعار پڑھتی تھی۔

ابوحمزہ کو کیا ہوگیا ہے کہ جو ہمارے پاس نہیں آتا ہے اور پڑوسی کے گھر میں رہ رہا ہے وہ صرف اس بنا پر ناراض ہے کہ ہم نے لڑکا نہیں جنا! خدا کی قسم یہ کام میرے دائرۂ اختیار میں نہیں ہے جو بھی وہ ہم کو دیتا ہے ہم اسے لے لیتے ہیں۔ ہم بمنزلۂ زمین ہیں کہ کھیت میں جو بویا جائے گا وہی اگے گا۔[3]

حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو اس کی ماں کی باتیں اس سماج کے نظام کے خلاف ایک احتجاج ہیں اور ان کے درمیان عورت کی پائمالی کا ایک طرح سے اظہار ہے۔

سب سے پہلا قبیلہ جس نے اس غلط رسم کی بنیاد ڈالی، وہ قبیلۂ "بنی تمیم" تھا کہا جاتا ہے کہ اس قبیلہ نے نعمان بن منذر کو ٹیکس دینے سے انکار کردیا جس کی وجہ سے ان کے درمیان جنگ ہوئی جس میں بہت ساری لڑکیاں اور عورتیں اسیر کرلی گئیں جس وقت بنی تمیم کے نمائندے اسیروں کو چھڑانے کے لئے نعمان کے دربار میں حاضر ہوئے تو اس نے یہ اختیار خود ان عورتوں کو دیدیا کہ چاہیں تو حیرہ میں رہیں اور چاہیں تو بنی تمیم کے پاس چلی جائیں۔ قیس بن عاصم جو کہ قبیلہ کا سردار تھا اس کی لڑکی بھی اسیروں کے درمیان تھی اس نے ایک درباری سے شادی کرلی تھی لہٰذا اس نے دربار میں رکنے کا فیصلہ کرلیا، قیس اس بات سے سخت ناراض ہوا اور اس نے اسی وقت عہد کرلیا کہ اس کے بعد

---

1 آمنکم اللہ عارہا و کفاکم مؤنتہا، وصاہرتم القبر!

2 لکل اب بنت یرجی بقاءہا ثلاثۃ اصہار اذا ذکروالصہر فبیت یغطیہا و بعل یصونہا و قبر یواریہا و خیرہم القبر! (عائشہ عبدالرحمٰن بنت الشاطی، موسوعۃ آل النبی (بیروت: دارالکتاب العربیہ، ١٣٨٧ھ.ق، ص ٤٣٥.)

3 ما لابی حمزۃ لایأتینا یظل فی البیت الذی یلینا غضبان الا نلد البنینا تاللہ ما ذالک فی ایدینا

وانما نأخذ ما أعطینا و نحن کالارض لزارعینا ننبت ما قدزرعوہ فینا

(جاحظ، البیان والتبیین، بیروت: داراحیاء التراث العربی، ١٩٦٨ء، ج١، ص ١٢٨- ١٢٧; عایشہ بنت الشاطی، گزشتہ حوالہ، ص ٤٣٤- ٤٣٣; آلوسی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، ج٣، ص ٥١.

وہ اپنی لڑکیوں کو قتل کر ڈالے گا‘[1] اور اس نے یہ کام انجام دیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ رسم دوسرے قبیلوں میں بھی رائج ہو گئی‘ کہا جاتا ہے کہ اس جرم اور جنایت میں قیس‘ اسد‘ ہذیل اور بکر بن وائل نامی قبیلے شامل تھے۔

البتہ یہ رسم عام نہیں تھی کچھ قبیلے اور بڑی شخصیتیں اس کام کی مخالف تھیں‘ ان میں سے[2] جناب عبد المطلب پیغمبر اسلامؐ کے جد تھے جو اس کام کے شدید مخالف تھے‘[3] اور کچھ لوگ جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور صعصعہ بن ناجیہ‘ لڑکیوں کو ان کے باپ سے فقر کے خوف سے زندہ درگور کرتے وقت لے لیتے تھے اور ان کو اپنے پاس رکھتے تھے۔[4] اور کبھی لڑکیوں کے عوض میں ان کے باپ کو اونٹ دیدیا کرتے تھے۔[5] لیکن واقعات گواہ ہیں کہ یہ رسم عام طور پر رائج تھی‘ کیونکہ :

۱۔ صعصعہ بن ناجیہ نے زمانۂ اسلام میں پیغمبرؐ سے کہا تھا کہ میں نے دور جاہلیت میں ۲۸۰ لڑکیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا ہے۔[6]

۲۔ قیس بن عاصم نے عہد کرنے کے بعد (جیسا کہ پہلے گزر چکا) اپنی ۱۲ یا ۱۳ لڑکیوں کو قتل کیا۔[7]

۳۔ پیغمبر اسلامؐ نے پہلے پیمان عقبہ میں (بعثت کے بارہویں سال) جو کہ یثربیوں کے ایک گروہ کے ساتھ کیا تھا‘ معاہدہ کی ایک شرط یہ قرار دی کہ لڑکیوں کو زندہ درگور نہ کریں۔[8]

۴۔ فتح مکہ کے بعد پیغمبر اکرمؐ نے خدا کے حکم سے اس شہر کی مسلم عورتوں سے بیعت لیتے وقت یہ شرط رکھی تھی کہ اپنی لڑکیوں کو قتل کرنے سے پرہیز کریں۔[9]

---

1 ابو العباس المبرد‘ گزشتہ حوالہ‘ ج۱‘ ص ۳۹۲؛ ابن ابی الحدید‘ گزشتہ حوالہ‘ ج ۱۳‘ ص ۱۷۹۔

2 ابن ابی الحدید‘ گزشتہ حوالہ‘ ج ۱۳‘ ص ۱۷۴۔

3 آلوسی‘ گزشتہ حوالہ‘ ج۱‘ ص ۳۲۴؛ تاریخ یعقوبی‘ (بیروت : دار صادر)‘ ج ۲‘ ص ۱۰

4 آلوسی‘ گزشتہ حوالہ‘ ج ۳‘ ص ۴۵‘ ابن ہشام‘ السیرۃ النبویہ‘ تحقیق : مصطفیٰ السقاء (اور دوسرے لوگ) (تہران : آفسٹ‘ مکتبۃ الصدر)‘ ج ۱‘ ص ۲۴۰۔

5 محمد ابو الفضل ابراہیم (اور ان کے معاونین)‘ قصص العرب (بیروت : دار احیاء التراث العربی‘ ط ۴)‘ ج ۲‘ ص ۳۱؛ ابو العباس المبرد‘ گزشتہ حوالہ‘ ص ۲۹۴؛ فرزدق کے جد‘ صعصعہ‘ عصر اسلام کے شاعر تھے اور وہ اپنے جد کے اس فعل پر افتخار کرتے تھے اور کہتے تھے : و منا الذی منع الوائدات فاَحیا الوئید فلم یواِد۔ (قرطبیؒ‘ تفسیر جامع الاحکام‘ ج ۱۹‘ ص ۲۳۲)۔

6 ابو العباس المبرد‘ گزشتہ حوالہ‘ ج ۱‘ ص ۳۹۴

7 ابن اثیر‘ اسد الغابہ (تہران : المکتبۃ الاسلامیہ‘ ۱۳۳۶)‘ ج ۴‘ ص ۲۲۰ (شرح حال قیس بن عاصم) منقول ہے کہ قیس عصر اسلام میں مسلمان ہوئے اور پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا : زمانۂ جاہلیت میں‘ میں نے اپنی آٹھ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا تھا اب اس فعل کا جبران کیسے کروں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک کے بدلے ایک غلام آزاد کرو۔ اس نے کہا : میرے پاس بہت اونٹ ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا : ان میں سے ہر ایک کے بدلے اونٹ کی قربانی بھی کر سکتے ہو۔ (قرطبیؒ‘ تفسیر جامع الاحکام‘ ج ۱۹‘ ص ۲۳۳)

8 ابن ہشام‘ گزشتہ حوالہ‘ ج ۲‘ ص ۷۵.

9 یا ایہا النبی اذا جائک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللّٰہ شیئاً ولایسرقن و لایزنین و لا یقتلن اولادہن و لایأتین ببہتان یفترینہ بین ایدیہن و ارجلہن ولایعصینک فی معروف فبایعہن واستغفر لہن اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم۔‘‘ (سورۂ ممتحنہ، ۶۰، آیت ۱۲۔)

۵۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس رسم کی شدید مذمت فرمائی ہے۔ لہٰذا ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مسئلہ اس سماج کی سب سے بڑی مشکل تھی جس کے بارے میں قرآن کریم نے خبر دار کیا ہے۔

ا۔ اور خبر دار ! اپنی اولاد کو فاقہ کے خوف سے قتل نہ کرو کہ ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی رزق دیتے ہیں بیشک ان کا قتل کر دینا بہت بڑا گناہ ہے۔[1]

۲۔ اور اسی طرح ان شریکوں نے بہت سے مشرکین کے لئے اولاد کے قتل کو بھی آراستہ کر دیا ہے تا کہ ان کو تباہ و برباد کر دیں اور ان پر دین کو مشتبہ کر دیں۔[2]

۳۔ یقیناً وہ لوگ خسارہ میں ہیں جنھوں نے حماقت میں بغیر جانے بوجھے اپنی اولاد کو قتل کر دیا۔[3]

۴۔ اپنی اولاد کو غربت کی بنا پر قتل نہ کرنا کہ ہم تمھیں بھی رزق دے رہے ہیں اور انھیں بھی۔[4]

۵۔ اور جب زندہ درگور لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا کہ انھیں کس گناہ میں مارا گیا ہے۔[5]

---

١ سورۂ اسراء،١٧، ’’ ولا تقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطأ کبیراً، آیت ٣١.

٢ سورۂ انعام، ۶، (وَکَذَلِکَ زَیَّنَ لِکَثِیرٍ مِنْ الْمُشْرِکِینَ قَتْلَ أَوْلاَدِہِمْ شُرَکَاؤُہُمْ لِیُرْدُوہُمْ وَلِیَلْبِسُوا عَلَیْہِمْ دِینَہُمْ وَلَوْ شَاءَ اﷲُ مَا فَعَلُوہُ فَذَرْہُمْ وَمَا یَفْتَرُونَ) آیت ١٣٧.

٣ سورۂ انعام، ۶،(قَدْ خَسِرَ الَّذِینَ قَتَلُوا أَوْلاَدَہُمْ سَفَہًا بِغَیْرِ عِلْمٍ)آیت ١۴٠.

٤ سوره انعام،۶،(وَلاَتَقْتُلُوا أَوْلاَدَکُمْ مِنْ إِمْلاَقٍ نَحْنُ نَرْزُقُکُمْ وَإِیَّاہُم)آیت ١۵١

٥ سورۂ تکویر، ٨١،(واذالمؤودة سئلت بای ذنب قتلت آیت ٩۔ ٨.

دوسری فصل

عربوں کے صفات اور نفسیات

متضاد صفات

بدو عرب میں وحشیانہ عادت اور لوٹ مار کے باوجود اچھی عادتیں، جیسے عفو و کرم، مہمان نوازی، شجاعت اور دلیری بھی پائی جاتی تھی۔ خاص طور سے وہ اپنے وفائے عہد و پیمان کے شدید پابند تھے یہاں تک کہ اپنے عہد و پیمان کی خاطر اپنی جان کی بازی لگادیتے تھے۔ اور یہ ان کی سب سے نمایاں صفت شمار ہوتی تھی۔ ان کے اندر متضاد صفات کو دیکھ کر لوگ حیرت و استعجاب میں پڑ جاتے تھے۔ اور وہ ایسے دور دراز علاقہ میں زندگی بسر کرتے تھے جو دنیا میں کم نظیر تھا۔ اگر ان کے حالات زندگی ایسے نہ ہوتے تو اس بات کا سمجھنا بہت مشکل تھا۔ وہی لڑاکو عرب جو لوٹ مار کے پیاسے تھے جس وقت ان کے اندر انتقام کی آگ بھڑکتی تھی تو وہ بدترین جرائم کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ اپنے گھر میں بہت بڑے مہمان نواز، مہربان اور مونس تھے۔ اگر ایک کمزور اور بے چارہ، ان سے پناہ مانگتا تھا یا ایک ستمدیدہ (اگرچہ دشمن ہی کیوں نہ ہو) ان کی طرف دست نیاز دراز کرتا تھا یا اس کو اپنی پناہ گاہ سمجھتا تھا تو اس کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ گویا وہ شخص، ان کے خاندان یا قبیلہ کا ایک فرد ہے. اور کبھی تو اس کا دفاع کرنے میں اپنی جان کی بازی لگادیتے تھے۔[1]

میدان جنگ میں شجاعت و دلیری عفو و درگزر، قبیلہ کے سامنے تسلیم اور ایسے ظالموں سے انتقام لینے میں، جنھوں نے اس کے یا اس کے رشتہ داروں کے حقوق کو پائمال کردیا تھا بے رحمی کے ساتھ پیش آنا عرب کی شرافت اور فضیلت سمجھی جاتی تھی۔[2]

عربوں کی اچھی صفتوں کی بنیاد

جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ عربوں کے درمیان اگرچہ پانی اور چراگاہوں کے بارے میں رقابت اکثر کشمکش کا باعث بنتی تھی اور قبائل کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھا اور کشت و کشتار پر مجبور کردیتی تھی۔ لیکن دوسری طرف سے ان کے اندر کمزوری اور عاجزی کے احساس نے ہی ان کے مزاج کی سختی اور لجاجت کے مقابلہ میں اس فکر کو ہوا دی تھی کہ سبھی ایک مقدس رسم کے محتاج ہیں۔ اور ایسی سرزمین میں جہاں

---

1 ڈاکٹر گوسٹاولوبون، تمدن اسلام و عرب، ترجمہ: سید ہاشم حسینی، ص ۶۵۔ ۶۴؛ ویل ڈورانٹ، اس بارے میں لکھتا ہے: ”عرب کے بدو، مہربان بھی تھے اور خونخوار بھی، سخی بھی تھے اور کنجوس بھی، خیانت کار بھی تھے اور امین بھی، محتاط بھی تھے اور بہادر بھی، اگرچہ فقیر تھے لیکن دنیا میں کرم و بزرگی سے پیش آتے تھے“ تاریخ تمدن، ترجمہ: ابوطالب صارمی (تہران: سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی، ط ۲)، ج ۴، ص ۲۰۱.

۲ احمد امین، فجر الاسلام، (قاہرہ: مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ط ۹، ۱۹۶۴م)، ص ۷۶.

مہمان سرائیں اور مسافر خانے نہ ہوتے ہوں ' مہمانوں کی ضیافت سے بچنا ان کے اخلاق اور عزت کے خلاف تھا۔ عہد جاہلیت کے شعراء ہمارے زمانے کے صحافیوں کا رتبہ رکھتے تھے۔ ان کی بہادری اور دلیری کے ساتھ ان کی مہمان نوازی ' قوم عرب کی نمایاں فضیلت شمار کی جاتی تھی۔ اور اس کے بارے میں وہ اشعار کہا کرتے تھے اور پڑھتے تھے۔[1]

لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کی بہت ساری اچھی خوبیاں جیسے شجاعت ' مہمان نوازی ' کرم اور پناہ گزینوں کی حمایت (جیسا کہ بعد میں اسلامی تعلیم اور کلچر میں یہ چیزیں ذکر ہوئی ہیں) روحانی اور انسانی اقدار سے نشأت نہیں پائی ہیں۔ بلکہ معاشرتی اسباب اور جاہلی کلچر جیسے قبیلوں کے درمیان فخر و مباہات کی بناپر تھیں۔ کیونکہ ایسے ماحول میں جہاں پر نظم وامنیت نہ ہو ' شجاعت اور دلیری ان کی زندگی کا لازمہ تھی۔ نام و نمود سے دلچسپی ' منصب کی آرزو و تمنا ' شعراء کی مذمت کا خوف ' ذلت و رسوائی اور بدمزاجی وغیرہ نے عربوں کو جود و سخاوت ' وفائے عہد ' پناہ گزینوں کی حمایت اور اس طرح کی دوسری اچھائیوں پر اکسایا تھا۔

مہمان نوازی اور دلیری کی عادتیں ایسے ماحول میں کہ جہاں لوگ مال واولاد اور جنگجوؤں کی کثرت تعداد پر فخر کیا کرتے تھے۔ ان کی سربلندی اور عزت کا وسیلہ بن گئی تھی اور یہ بات اس کے لئے واضح ہے جو تاریخ اسلام سے آگاہ ہے۔[2]

جہالت اور خرافات

حجاز کے عرب جو عموماً صحرا میں زندگی بسر کرتے تھے۔ تہذیب اور کلچر سے دور فکری جمود میں اس طرح سے گرفتار ہوگئے تھے کہ بہت سی چیزوں کے درمیان موجود نسبت کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ چیزوں کی منطقی تحلیل اور تجزیہ نہیں کرسکتے تھے اور نہ ہی علت و معلول کے درمیان موجود رابطے کو پوری طرح سے سمجھ سکتے تھے۔ مثلاً اگر ایک شخص مریض ہوگیا اور تکلیف جھیل رہاہے تو اسکے اطراف کے لوگ اس کے لئے دوا تجویز کرتے تھے اور وہ اس درد و درمان کے درمیان ایک طرح کا ربط سمجھتا تھا لیکن یہ فہم ' دقیق اور تحلیلی نہیں ہوا کرتی تھی۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ اس کے قبیلہ کے لوگ اس دوا کو فلاں درد میں استعمال کرتے ہیں۔ بطور نمونہ وہ آسانی سے یہ بات مان لیتا تھا کہ قبیلہ کے سردار کا خون ہادی نامی مسری بیماری (جو عموماً کتے کے کاٹنے سے پیدا ہوتی ہے) کا علاج کرتا ہے اسی طرح وہ یہ تصور کرتا تھا کہ بیماری کی وجہ ' روح کی کثافت ہوا کرتی ہے جو بیمار کے اندر داخل ہوجاتی ہے اسی بناپر یہ کوشش ہوا کرتی تھی کہ وہ روح ' بیمار کے بدن سے نکل جائے ' یا اگر کسی کے بارے میں پاگل ہوجانے کا خطرہ ہوتا تھا تو اس کی گردن میں مردار کی ہڈی یا غلاظت مل دیا کرتے تھے تاکہ وہ جنون سے محفوظ رہ سکے۔ دیو کا عقیدہ بھی ان کے یہاں ملتاہے وہ معتقد تھے کہ بھیانک شکلیں رات کے وقت خالی مکانوں میں دکھائی پڑتی ہیں یا بیابانوں میں لوگوں کے راستے میں حائل ہوجاتی ہیں اور ان کو آزار واذیت پہنچاتی ہیں۔

جس وقت وہ اپنے مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے گھاٹ پر لے جاتے تھے تو اگر وہاں پر وہ پانی نہیں پیتے تھے تو یہ خیال کرتے تھے کہ ان کے سینگ کے درمیان ایک دیو بیٹھا ہے جو انھیں پانی نہیں پینے دیتا ہے لہٰذا وہ دیو کو بھگانے کے لئے ان مویشیوں کے سر اور منھ پر ڈنڈے مارا کرتے تھے۔[3] اس قسم کی مضحکہ خیز حرکتیں ان کے درمیان بہت زیادہ رائج تھیں۔

---

1 فلیپ حتی ' تاریخ عرب ' ترجمہ : ابوالقاسم پاینده ' (تہران : آگاه ' ط ۲ ' ۱۳۶۶ (' ص ۳۵ ـ ۳۳ .

2 رجوع کریں : جعفر مرتضی العاملی ' الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ' (قم : ۱۴۰۲ھ . ق) ' ج ۱ ' ص ۵۴ ـ ۵۰ .

3 محمود شاکری آلوسی ' بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب ' تصحیح : محمد بہجۃ الاثری (قاہرہ : دار الکتب الحدیثہ ط ۳) ' ج ۲ ' ص ۳۰۳ .

وہ اس طرح کی حرکتوں کے بارے میں (جب کہ یہ حرکتیں ان کے قبیلہ کے اندر پائی جاتی ہوں) زرّہ برابر بھی شک وتردید نہیں کرتے تھے کیونکہ انکار اور تردید کی وجہ، دقت نظر، بیماری کی تحقیق کی صلاحیت، اسباب و عوارض اور ان کا علاج وغیرہ ہے جبکہ اس زمانہ میں عرب، جہالت میں زندگی بسر کر رہے تھے اور اس حد تک فہم وفراست ان کے اندر نہیں پائی جاتی تھی۔[1]

البتہ کبھی جاہلیت کے اشعار یا اس زمانے کے محاورے یا ان کی داستانوں میں روشن فکری کے اشارے اور علت و معلول کے درمیان میں ارتباطات کی باتیں ملتی ہیں۔ لیکن وہ بھی عمیق تفکر، تشریح اور تجزیہ کے قابل نہیں ہیں۔ اور چیزوں کے بارے میں تجزیہ کی صلاحیت کے نہ ہونے کا اصل راز ان کے درمیان موجود مختلف طرح کے موہومات اور خرافات تھے جنھیں وہ یقین کرتے تھے۔

اور اس طرح کے باور سے عرب اور اسلام کی تاریخی کتابیں پر ہیں۔[2]

علم و فن سے عربوں کی آگاہی

بعض دانشوروں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ عربوں کے یہاں مختلف طرح کے علوم جیسے طب، ستارہ شناسی، قیافہ شناسی[3] وغیرہ پائے جاتے تھے لیکن یہ دعوا مبالغہ آمیز ہے۔

عربوں کی آگاہی ان علوم وفنون سے ایک علم و فن کی حد تک منظّم و مرتب شکل میں نہیں تھی بلکہ ایک سطحی اور بکھری ہوئی معلومات کی شکل میں تھی جوان کو حدس و گمان اور قبیلہ کے بڑے بوڑھے مرد اور عورتوں سے سن سنا کر حاصل ہوئی تھیں۔ لہٰذا اس طرح کی معلومات کو ''علم'' نہیں کہا جاسکتا ہے۔ مثلاً ستارہ شناسی کے سلسلے میں عربوں کی آگاہی صرف بعض ستاروں کے وقت طلوع اور غروب تک محدود تھی وہ بھی صرف اس بنا پر تھی کہ اس وسیع و عریض صحرا میں راستوں کی تلاش یا شب و روز کے اوقات کو معلوم کرسکیں۔ طب کے بارے میں ان کی آگاہی، ابن خلدون کے کہنے کے مطابق اس طرح سے تھی:

طب کے بارے میں معلومات عام طور سے بعض لوگوں میں مختصر اور محدود تجربات کی بنیاد پر تھی اور علم طب وراثتی طور پر قبیلہ کے بڑے بوڑھوں کے ذریعہ نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے ان کی اولاد تک پہنچ جاتا تھا۔ اور کبھی کبھار بعض مریض اس علاج کے ذریعہ ٹھیک بھی ہوجایا کرتے تھے۔ لیکن وہ معالجہ نہ طبّی قانون کے مطابق ہوا کرتا تھا اور نہ ہی انسان کے مزاج اور فطرت کے مطابق۔[4] حارث بن کلدہ کی طبابت بھی اسی طرح کی تھی۔

---

1 جاہل عربوں کی خرافات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے رجوع کریں: بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، ج ۲، ص ۳۶۷۔ ۳۰۳؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، (قاہرہ: داراحیاء الکتب العربیہ)، ج ۱۹، ص ۴۲۹۔ ۳۸۲۔

2 آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۱۸۲، ۲۶۱۔ ۲۲۳؛ اور ۳۲۷.

3 مقدمہ، ترجمہ: محمد پروین گنابادی، (تہران: مرکز انشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۶۲، ط ۴)، ج ۲) ص ۱۰۳۴۔

4 گزشتہ حوالہ۔

امی لوگ

اہل حجاز قرآن کریم کی تعبیر کے مطابق "امی" یعنی نو مولود بچہ کے مانند ہمیشہ جاہل اور ان پڑھ ہوا کرتے تھے۔اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

بلاذری اس بارے میں لکھتا ہے :

ظہور اسلام کے وقت صرف ۱۷افراد قریش میں اور یثرب (مدینہ) میں دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج کے درمیان ۱۱' افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔[1]

جبکہ قریش مکہ میں ایک خاص مقام اور درجہ رکھتے تھے اور تجارت کے پیشہ میں لکھنے پڑھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔اس وجہ سے یہ کیسے باور کیا جاسکتاہے کہ وہ قوم جو اس حد تک جہالت اور نادانی میں ڈوبی ہو اس کے پاس اس قسم کے علوم ہوں جس کا بعض دانشوروں نے دعوی کیا ہے؟!

شعر

عہد جاہلیت کے عربوں میں صرف ایک اہم خوبی پائی جاتی تھی کہ وہ شعر اور خطابت میں مہارت رکھتے تھے ان کے یہاں' شاعر ایک مورخ' ماہر نساب' ہجا گر' عالم اخلاق' صحافی' پیشین گوئی کرنے والا اور جنگ کا وسیلہ سمجھا جاتا تھا۔[2] اس زمانے میں عرب کے بڑے شعراء کی موسمی بازاروں میں جیسے عکاظ' ذی المجاز اور مجنہ[3] میں تجارتی اور ادبی آثار کی موسمی اور عمومی نمائشیں لگتی تھیں جس میں شعراء اپنے عمدہ اشعار اور قصیدوں کو پیش کیا کرتے تھے اور اس میں سے جس کے اشعار منتخب ہوتے تھے وہ اور اس کے قبیلہ والے اسے اپنے لئے باعث فخر و عزت سمجھتے تھے اور اس کے اشعار کو اہمیت اور اعزاز کے طور پر خانہ کعبہ کی دیوار پر لٹکا دیا جاتا تھا"معلقات سبعہ" سات بہترین' فصیح و بلیغ اور عمدہ قصیدے سات عظیم شاعر کے تھے جس کی مثال اور نظیر اس زمانہ میں نہیں ملتی تھی۔لہذا انھیں دیوار کعبہ پر لٹکا دیا گیا تھا۔[4] اور اسی وجہ سے انھیں معلقات سبعہ (سات عدد لٹکے ہوئے قصیدے) بھی کہا جاتا تھا۔

عرب کے اشعار اپنے تمام تر لفظی حسن کے باوجود تہذیب و ثقافت کے نہ ہونے کی بنا پر بلندی فکر سے خالی ہوا کرتے تھے۔اس زمانہ کے اشعار کے عناوین' زیادہ تر عشق' شراب' عورت' جنگ اور قومی مسائل ہوا کرتے تھے۔اور اس میں لفظی جذابیت اور ادبی نزاکتیں پائی جاتی تھیں۔

---

1 فتوح البلدان' (قم : منشورات مکبتۃ الارمیہ' ۱۴۰۴ھ.ق)'ص ۴۵۹۔۴۵۷.

2 ویل ڈورانٹ' تاریخ تمدن' ج۴' عصر ایمان (بخش اول)' ترجمہ ابوطالب صارمی (تہران : سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی ط ۲)' ص ۲۰۲.

3 اس بازار کے بارے میں رجوع کریں : بلوغ الارب' ج۲' ص ۲۷۰۔۲۶۴

4 رجوع کریں : معلقات سبع' ترجمہ : عبد المحمد آیتی' تہران : سازمان انتشارات اشرفی' ط۲' ۱۳۵۷)

عرب اور ان کے پڑوسیوں کی تہذیب

علم و ہنر کے لحاظ سے عرب کے حالات کا تجزیہ کرنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عرب کے جاہل اس زمانہ کے دو متمدن پڑوسی ملک یعنی ایران اور روم کے ساتھ تجارتی روابط اور مبادلہ کی بناپر وہاں کے تمدن سے بہرہ مند تھے؟ اور کیا یہ روابط اور تعلقات ان کی زندگی میں انقلاب کا باعث بنے تھے؟

اس سوال کا جواب دینے کے لئے ہمیں یہ یاد دہانی کرانی چاہیئے کہ حجاز کے لوگ اس علاقے کی قدرتی اور جغرافیائی صورت حال کے لحاظ سے نہ صرف سیاسی اعتبار سے اس زمانے کی حکومتوں کے اثر و رسوخ سے دور تھے بلکہ تہذیب و ثقافت کے لحاظ سے بھی ان کے دائرہ نفوذ سے خارج رہے ہیں عربوں کے لئے پڑوسی ملکوں کی تہذیب اور کلچر سے متاثر ہونے کے صرف تین راستے تھے :

۱۔ تجارت ۲۔ ایران و روم کے زیر نفوذ حکومتیں (حیرہ اور غسان) ۳۔ اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ اثرات کس حد تک تھے۔ اس سلسلہ میں بعض مورخین کے تاثرات مبالغہ آرائی سے خالی نہیں ہیں، جیسا کہ بعض نے کہا ہے :

قبائل عرب کے تعلقات ایران اور روم کے ساتھ ہونے کی بناپر ایک حد تک وہ ان دونوں ملکوں کے کلچر اور تہذیب سے واقف ہوگئے تھے۔ عرب کے لوگ جب بھی تجارت کے لئے ایران اور روم جایا کرتے تھے تو ان دونوں ملکوں میں تہذیب اور کلچر کے نمونہ دیکھتے تھے۔ اور متوجہ ہوتے تھے کہ ایرانیوں اور رومیوں کی زندگی، عربوں کی زندگی سے کتنا فرق کرتی ہے۔ جیسا کہ ان کے آثار کو واضح طور پر زمانۂ جاہلیت کے اشعار میں دیکھا جاسکتا ہے اس کے علاوہ مسافر اور تاجر حضرات بہت سارے الفاظ اور قصوں کو ایران اور روم کی سرزمین سے عربوں کے لئے تحفہ کے طور پر لیجاتے تھے اور اس کے ضمن میں ایرانیوں اور رومیوں کے بعض عقائد اور افکار بھی ان تک پہنچ جاتے تھے۔[1]

لیکن یہ خیال رہے کہ ان دونوں ملکوں میں حجاز کے تاجروں کی آمد و رفت بہت زیادہ ہونے کے باوجود ان کے تمدن اور فکری ارتقاء میں موثر نہیں بن ہوسکی کیونکہ ان تمدنوں کی روشنی بہت ہی تنگ راہ گزر سے پہنچتی تھی اور کبھی تو دوسروں سے منقول باتوں میں تحریف پائی جاتی تھی۔ جیسا کہ بعض واقعات جو ایرانیوں اور رومیوں کے سلسلے میں نقل کئے گئے ہیں ان میں تحریف پائی گئی ہے در حقیقت اس زمانہ کے عرب، علم و دانش کو اپنے پڑوسیوں سے حاصل نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ اس سلسلے میں ان کے لئے رکاوٹیں درپیش تھیں کہ جن میں سے کچھ یہ ہیں :

۱۔ قدرتی رکاوٹ : جیسے پہاڑ، سمندر، صحراء وغیرہ جس کی بناپر پڑوسیوں سے عربوں کے رابطے دشوار اور مشکل ہوگئے تھے۔

۲۔ عربوں کی اجتماعی زندگی اور عقلی و فکری سطح : اس زمانے کے ایرانیوں اور رومیوں سے بہت فاصلہ رکھتی تھی جبکہ دوسری قوموں کے تمدن کو اپنانا ثقافتی نزدیکی کی صورت میں ممکن تھا۔

۳۔ عربوں کے درمیان جہالت : یہ چیز سبب بنی کہ جو لوگ رومیوں اور ایرانیوں سے رابطہ رکھتے تھے ان کے درمیان بعض حکمت آمیز باتیں یا داستانیں اور محاورات یا تاریخی واقعات اس انداز سے نقل ہوں کہ ناقل آسانی سے اس کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کر سکے اور بدو عرب یا دوسرے لوگ اس کو سمجھ سکیں اس وجہ سے ان کے درمیان رابطہ سطحی حد تک تھا اور وہ دقیق اور عمیق آگاہی سے بے خبر تھے۔

---

1 حسن ابراہیمی، تاریخ سیاسی اسلام، ترجمہ : ابوالقاسم پایندہ (تہران : سازمان انتشارات جاویدان، ط ۵، ۱۳۶۲)، ج ۱، ص ۳۴۔

لہٰذا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پڑوسی ملکوں سے عربوں کے تعلقات صرف ان کی مادی اور ادبی زندگی میں مؤثر واقع ہوئے ہیں۔[1]

یہودیوں کی موجودگی کے اثرات کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہودی حضرت موسیٰؑ کے زمانے سے اور اس کے بعد رومیوں کے مظالم، خاص طور سے یروشلم کی تباہی و بربادی کے بعد حجاز کی طرف ہجرت کر گئے۔[2] حجاز میں یہودیوں کی آمد سے اس علاقہ کی زندگی کے حالات میں کافی تبدیلی آئی۔ اور توریت اور تلمود کی داستانیں بھی عربوں میں منتقل ہو گئیں۔[3]

ایسی دستاویزات سامنے آئی ہیں جن سے پتہ چلا ہے کہ عربوں کے مقابلہ میں یہودیوں کی فکری اور مذہبی سطح بلند تھی. ظہور اسلام کے بعد بھی وہ بعض مسلمانوں سے اپنے مذہبی سوالات پوچھتے تھے۔[4] لیکن چونکہ دین یہود (عیسائیوں کے دین کی طرح) بری طرح سے تحریف کا شکار ہو گیا تھا، لہٰذا عرب، جو افکار یہودیوں سے لیتے تھے وہ بیہودہ اور مسخ شدہ ہوا کرتے تھے یہودیوں کی تعلیم نہ صرف یہ کہ ان کے لئے راہ گشا نہ تھی بلکہ ان کی گمراہی میں اضافہ کا باعث تھی۔

ایران اور روم کے مقابلہ میں عربوں کی کمزوری اور پستی

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ حجاز کے لوگ ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ایک قبیلہ کی شکل میں زندگی بسر کرتے تھے اور زیادہ تر بادیہ نشین ہوا کرتے تھے، ان کے درمیان ایک مرکزی حکومت نہیں تھی جو ان کو منظّم کر سکے۔ وہ ہمیشہ لڑائی جھگڑا اور قبائلی جنگوں میں الجھے رہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ ذلیل اور کمزور تھے اور اس زمانہ میں دوسری قوموں کے نزدیک ہرگز عزت نہیں رکھتے تھے اور جیسا کہ یہ قوم، قبیلہ اور خاندان کے دائرہ میں محصور تھی اور خیموں کی محدود فضا، اور اونٹوں کے چرانے سے تعصب، محرومیت اور بے نظمی کا شکار تھے۔ لہٰذا وہ ہرگز اپنے ملک اور جزیرۃ العرب کے حدود سے باہر نکل کر نہیں سوچتے تھے۔ اور نہ صرف ان کے ذہنوں سے پڑوسی ملکوں پر فتح و کامرانی کا تصور ختم ہو گیا تھا بلکہ اس زمانہ کی قدرتمند طاقتوں، یعنی روم اور ایران کے سامنے بری طرح سے کمزوری اور حقارت کا احساس کرنے لگے تھے جیسا کہ ایک شخص جس کا نام قتادہ تھا جو کہ خود ایک عرب تھا اس زمانے کی عرب قوم کو حقیر و ذلیل، پست و گمراہ اور گرسنہ ترین قوم تصور کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "وہ لوگ دو شیروں یعنی بڑی طاقتوں ایران اور روم کے درمیان پھنسے ہوئے تھے اور ان سے ڈرتے تھے۔[5]

اس بات کی شہادت اس طرح سے دی گئی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مکہ میں اپنی دعوت کے زمانے میں ایک دن عرب کے کچھ بزرگوں سے گفتگو کی اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور قرآن مجید کی چند آیات جو فطری اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھیں ان کے سامنے پڑھیں تو وہ سب کے سب متأثر ہو گئے، ہر ایک نے اپنے طور سے تعریف کی لیکن ان کے بزرگ مثنی بن حارثہ نے کہا:

---

1 رجوع کریں: فجر الاسلام، ص۲۹.

2 یہودی عام طور سے مدینہ میں خیبر، فدک، اور تیماء میں رہتے تھے اور کچھ طائف میں بھی تھے لیکن کوئی ایسی نشانی نہیں ملتی جس سے پتہ چلے کہ مکہ میں بھی یہودی رہا کرتے تھے۔

3 جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام، ترجمہ: علی جواہر کلام (تہران: امیر کبیر ۱۳۳۳)، ج۱، ص۱۶، تلخیص کے ساتھ)

4 صحیح بخاری، دار مطابع الشعب، ج۹، ص۱۳۶، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ.

۵ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، (بیروت: دار المعرفہ، ط۲، ۱۳۹۲ھ.ق)، ج۴، ص۲۵ (تفسیر آیۂ... و کنتم علی شفاحفرۃ من النار...) زاہیۃ قد ورۃ ،الشعوبیۃ ، و اثرہ الاساسی،الاجتماعی فی الحیاۃ الاسلامیۃ فی عصر العباسی الاول. (بیروت: دار الکتاب اللبنانی، ط۱، ۱۹۷۲ء)، ص۳۴؛ احمد امین، ضحی الاسلام، (قاہرہ: مکتبۃ النہضہ، ط۷)، ج۱، ص۱۸.

ہم دو پانی کے درمیان گھرے ہوئے ہیں ایک طرف سے عرب کا پانی اور ساحل اور دوسری جانب سے ایران اور کسریٰ کی نہروں کا پانی، کسریٰ ہم سے عہد و پیمان باندھ چکا ہے کہ کوئی حادثہ نہیں رونما ہونے دیں گے اور کبھی خطاوار کو پناہ نہیں دیں گے۔ شاید تمہارے آئین کو قبول کرنا، شہنشاہوں کی خوشی کا باعث قرار نہ پائے اگر اس سرزمین پر ہم سے کوئی خطا سرزد ہو تو قابل چشم پوشی ہے لیکن ایسی خطائیں ایران کے علاقہ میں (کسریٰ کی طرف سے) قابل بخشش نہیں ہیں۔[1]

موہوم افتخار

مورخین، عربوں کے احساس حقارت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ایک سال قبیلہ بنی تمیم، خشک سالی میں گرفتار ہو گیا اور کسریٰ نے ان کو اجازت نہیں دی کہ عراق کے سرسبز و شاداب اور زرخیز علاقہ سے فائدہ اٹھائیں۔ یہاں تک کہ ان کے بزرگوں میں سے ایک شخص جس کا نام حاجب ابن زرارہ تھا اس قبیلہ کی نمائندگی میں کسریٰ کے دربار میں گیا اور اس سے مدد مانگی کسریٰ نے کہا: "تم عرب لوگ خیانت کار ہو، اگر اس بارے میں تم کو اجازت دیدوں تو تم بلوا اور فتنہ برپا کردو گے۔ لوگوں کو میرے خلاف ورغلاؤ گے اور مجھے رنجیدہ اور ملول کرو گے۔

حاجب نے کہا: میں ضمانت لیتا ہوں کہ اس قسم کی بات پیش نہیں آئے گی۔ کسریٰ نے پوچھا: کیا ضمانت رکھتے ہو؟" اس نے کہا: اپنی کمان تمہارے پاس گروی رکھ دیتا ہوں۔ کسریٰ نے قبول کر لیا اور حاجب نے اپنی کمان (جو کہ شجاعت و دلیری کا نمونہ اور بہادری کی علامت سمجھی جاتی تھی) کسریٰ کے پاس گروی رکھ دی اور اس طرح سے کسریٰ کی موافقت حاصل کر لی۔

حاجب کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے عطارد نے باپ کی کمان کسریٰ سے واپس لے لی۔[2]

اس واقعہ کے بعد ایک زمانہ تک قبیلۂ بنی تمیم اس طرح کے اغوا شدہ افراد کو کسریٰ کی جانب سے قبول کرنے کو اپنے لئے بہت بڑا فخر سمجھتے تھے۔[3] دوسری جانب سے چونکہ قبیلۂ "بنی شیبان، عجلیوں اور یشکریوں" کی مدد سے جنگ "ذی قار" میں خسرو پرویز پر فتح پا گیا تھا۔[4] لہٰذا اس کامیابی کو بے انتہا اپنی عزت و سربلندی کا باعث سمجھتا تھا اور اس کے باوجود کہ وہ جیت گئے تھے۔

پھر بھی اس پر ان کو یقین نہیں آتا تھا اور ہر وقت اس کے بارے میں فکر مند اور خوف زدہ رہتے تھے۔ اور ان کے اندر اتنی جرأت نہیں تھی کہ اس کامیابی اور فتح کو عربوں کی عجم پر کامیابی کہہ سکیں۔ بلکہ اس کو ایک اتفاقی حادثہ (نہ کہ عربوں کا افتخار) اور جنگ میں درگیر تین قبیلوں کا

---

1 محمد ابوالفضل ابراہیم (اور ان کے معاونین)، قصص العرب (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۸۲ھ.ق)، ج۲، ص ۳۵۸؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (بیروت: مکتبۃ المعارف، ط۲، ج۳، ص ۱۴۴۔

2 آلوسی، بلوغ الارب، ج۱، ص ۳۱۳-۳۱۱؛ محمد بن عبد ربہ، العقد الفرید (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۳ھ.ق)، ج۲، ص۲۰؛ ابن قتیبہ، المعارف، تحقیق: ثروۃ عکاشہ (قم: منشورات الرضی)، ص۶۰۸۔

3 احمد امین، ضحیٰ الاسلام، ج۱، ص۱۹۔

4 اس جنگ کی ابتدا اس طرح سے ہوئی کہ خسرو پرویز حرہ کے حاکم نعمان بن منذر کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنا چاہتا تھا لیکن نعمان نے اس کی مخالفت کی لہٰذا کسریٰ کی جانب سے اسے دربار میں بلا کر قید میں ڈال دیا گیا اور قید خانہ میں ہی وہ مر گیا اس وقت خسرو پرویز نے ہانی بن مسعود شیبانی سے کہا کہ نعمان کے مال و دولت کو جو اس کے پاس ہے اسے دیدے۔ اس نے دینے سے انکار کیا جس کے نتیجے میں کسریٰ نے اپنے سپاہیوں کو بنی شیبان (جو کہ بکر بن وائل کا ایک خاندان تھا) سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا اور اس جنگ میں ایران کی فوج ہار گئی (ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، بیروت: دار اصادر ۱۳۹۹ھ.ق، ج۱، ص۴۸۹-۴۸۵، رجوع کریں مقدسی، البدء والتاریخ (پیریس: ۱۹۰۳م)، ج۳، ص۲۶.

افتخار سمجھتے تھے۔اس کامیابی کی بنا پر ان کی خود ستائی اس حد تک بڑھ گئی کہ ابو تمام[1] شاعر نے قبیلۂ بنی تمیم کے مقابلہ میں (جو کہ ایک دن حاجب کی کمان کسریٰ کے پاس رکھنے کو افتخار سمجھتے تھے) ابو دلف عجلی[2] کی مدح میں اس طرح کے اشعار کہے:

اگر ایک دن تمیم اپنی کمان پر افتخار کرتے تھے اور اس کو اپنی عزت و شرف اور سر بلندی کا باعث سمجھتے تھے تو تمہاری تلوروں نے جنگ ذی قار میں ایسے لوگوں کے تخت حکومت کو جو کہ کمان حاجب کو گروی رکھے ہوئے تھے، درہم و برہم کر دیا۔[3]

دور جاہلیت

ہم نے جزیرۃالعرب اور وہاں کے لوگوں کی بحث میں ظہور اسلام سے قبل کے دور کو 'عصر جاہلیت' اور وہاں کے باشندوں کو ''جاہل عرب'' کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہاں پر یہ بیان کرتا چلوں کہ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ''عصر جاہلیت'' کی اصطلاح ظہور اسلام کے بعد (قرآن کے الہام کے ذریعہ) اسلام سے قبل زمانہ کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان استعمال ہوتی تھی۔اور ایک خاص مفہوم رکھتی تھی۔[4] کچھ معاصر مورخین نے اس دور کا تخمینہ ۱۵۰سال سے ۲۰۰ سال قبل از بعثت پیغمبر اسلامؐ لگایا ہے۔[5]

اگر چہ لفظ جاہلیت ''جہل'' سے نکلا ہے لیکن جہل یہاں پر علم کے مقابلہ میں نہیں ہے بلکہ عقل اور منطق کے مقابل میں ہے۔[6] یہ صحیح ہے کہ اس زمانے میں جزیرۃالعرب کے لوگ (اس تشریح کی بنا پر جو دی گئی ہے) پڑھے لکھے نہیں تھے۔اور علم و دانش سے بے بہرہ تھے اور اس زمانے کو ''عصر جاہلیت'' کہا جاتا تھا۔نہ صرف یہ کہ جہالت کی بنا پر بلکہ غلط فکر اور عقل و منطق سے دور، بے بنیاد رسم و رواج، برے صفات جیسے کینہ توزی، خود پسندی، فخر فروشی، اندھے تعصب کی بنا پر اسلام نے سختی کے ساتھ ان سے مقابلہ کیا۔[7]

---

1 ابو تمام حبیب بن اوس طائی۔

2 ابو دلف قاسم بن عیسی عجلی۔

۳ اذا افتخرت یوماً تمیم بقوسها   و زادت علی ما وطدت من مناقب

فانتم بذی قار، امالت سیوفکم   عروش الذین استربنوا قوس حاجب

احمد امین، ضحی الاسلام، ج۱، ص ۱۹؛ مسعودی، التنبیه او الاشراف، تصحیح: عبدالله اسماعیل الصاوی (قم: مؤسسة نشر منابع الثقافیه الاسلامیه)، ص۲۰۹؛ جلال الدین همایی، شعوبیه (اصفهان: کتابفروشی صائب، ۲۳۶۳)، ص ۱۲- ۱۱

4 جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بیروت: دار العلم للملایین، ط۱، ص ۴۲-۴۱۔

5 عمر فروخ، تاریخ صدر الاسلام والدولۃلامویہ (بیروت: دار العلم للملایین، ط۳، ۱۹۷۶ء)، ص ۴۰۔

6 عمر فروخ کہتا ہے: جاہلیت اس جہل پر دلالت کرتی ہے جو حلم کے مقابلہ میں ہے نہ کہ جو علم کے مقابلہ میں ہے۔(تاریخ صدر الاسلام، ص ۴۰)

7 رجوع کریں: طباطبائی، تفسیر المیزان، ج۴، ص ۱۵۵-۱۵۱، احمد امین، فجر الاسلام، ص ۷۸-۷۴؛ آلوسی، بلوغ الارب، ج۱، ص ۱۸-۱۵؛ شوقی ضیف، تاریخ الادب العربی، ج۱، ''العصر الجاہلی'' (قاہرہ دار المعارف، ط۷)، ص ۳۹۔اس مطلب کی تائید کے لئے ہماری کچھ احادیث ہیں جس میں جہل کو عقل کے مقابلہ میں قرار دیا گیا اور اصول کافی جیسی کتاب میں ''فصل العقل والجہل'' (ج۱، ص ۱۱ کے بعد) میں اس طرح کی احادیث بیان ہوئی ہیں۔

شاید کہا جاسکتا ہے کہ یہاں پر جہل کا مفہوم ''نا فہمی'' کے مانند ہے۔ جس کا لازمہ جہالت نہیں ہے بلکہ کج فکری، کم عقلی اور ہلکے دماغ کے افراد کو بھی جاہل کہہ سکتے ہیں۔[1]

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر جاہلیت کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے، جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے :

۱۔ اہل کتاب میں سے کچھ لوگوں کی بے جا، غلط توقعات اور امیدیں یہ تھی کہ پیغمبر اسلامؐ ان کی مرضی کے مطابق مشورہ دیں، اسے ''حکم جاہلیت'' کہا گیا ہے۔[2]

۲۔ خداوند عالم نے بت پرست عربوں کے اندھے تعصب کو ''جاہلیت کا تعصب'' قرار دیا ہے۔[3]

۳۔ پیغمبر اسلامؐ کی بیویوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ اپنی گزشتہ جاہلیت کی رسم ورواج کے مطابق خود نمائی کے ساتھ گھر سے باہر نہ نکلیں۔[4]

۴۔ خداوند عالم نے منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کے ایک گروہ کو جنگ احد میں لشکر اسلام کے شکست کھا جانے کے بعد جن کے حوصلہ پست ہوگئے تھے اور تشویش و بدبینی کا شکار ہوگئے تھے۔ ان کی مذمت کی ہے کہ خدا کے بارے میں ''جاہلیت'' جیسا گمان رکھتے ہو۔[5]

خداوند عالم نے بیان کیا ہے کہ جس وقت جناب موسیٰؑ نے اپنی قوم کو گائے کے کاٹنے کا حکم دیا تو ان کی قوم والوں نے کہا: ''کیا آپ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں؟ جناب موسیٰؑ نے فرمایا: خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں''۔[6]

امیر المومنین حضرت علیؑ بت پرست عربوں کی ذلت و پستی اور تاریک زندگی کا نقشہ کھینچتے ہوئے ان کی جہالت کی بنا پر ان کی دماغی پستی کا ذکر فرماتے ہیں۔[7]

---

1 جواد علی کہتے ہیں : ''میری نظر میں جاہلیت، بیوقوفی، کم عقلی، غرور، کند ذھنی، غصہ اور حکم و دستور الٰہی کے مقابلہ میں سر تسلیم خم نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ صفات ہیں جن کی اسلام نے مذمت کی ہے اس بنا پر یہ ویسے ہی ہے جیسے آج کوئی سفیہ اور احمق گالی بکے اور اخلاق و تہذیب کا خیال نہ کرے تو ہم اس سے کہیں گے : اے نادان یہاں سے دور ہو جا! اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ انسان جاہل ہے'' (المفصل فی تاریخ العرب فی الاسلام، ج۱، ص۴۰

۲ 'افحکم الجاہلیة یبغون...'' سورۂ مائدہ، ۵،آیت ۵۰۔

۳ سورۂ فتح،۴۸(إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ) آیت ۲۶۔

٤ سورۂ احزاب، ۳۳(وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلاَتَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى)آیت ۳۳۔

٥ سورۂ آل عمران، ۳(...وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ...)آیت ۱۵۴۔

٦ سورۂ بقرہ، ۲(قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ)آیت ۶۷۔

۷ واستخفیتم الجاہلیۃ الجہلاء۔ (صبحی صالح، نہج البلاغہ، خطبہ ۹۵)

تیسری فصل

جزیرہ نمائے عرب اور اسکے اطراف کے ادیان و مذاہب

ظہور اسلام کے وقت عرب کے اکثر پیشوا بت پرست تھے لیکن ملک عرب کے گوشہ و کنار میں مذہبی رہبروں کی پیروی کرنے والے اور مختلف ادیان جیسے عیسائیت، یہودیت، حنفیت، مانوی اور صابئی وغیرہ بھی موجود تھے۔ اس بنا پر عرب کے لوگ صرف ایک دین کی پیروی نہیں کرتے تھے اس کے علاوہ ہر ایک دین اور آئین، ابہام اور تیرگی سے خالی نہ تھا۔ اسی بنا پر ایک طرح کی سر گردانی اور حیرانگی، ادیان کے سلسلے میں پائی جاتی تھی۔ ہم یہاں پر ہر ایک دین اور مذہب کے بارے میں مختصر توضیح دے رہے ہیں :

موحدین

موحدین یا دین حنیف [1] کے معتقد ایسے لوگ تھے جو مشرکین کے برخلاف بت پرستی سے بے زار، خداوند متعال اور قیامت کے عقاب و ثواب کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ عیسائیت کے ماننے والے تھے۔ لیکن بعض مورخین، ان کو بھی دین حنیف پر سمجھتے ہیں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن حجش، عثمان بن حویرث، زید بن عمر بن نفیل [2]، نابغۂ جعدی (قیس بن عبداللہ) امیہ بن ابی الصلت، قس بن ساعدہ، ابو قیس صرمہ بن ابی انس، زہیر ابن ابی سلمیٰ، ابوعامر اوسی (عبد عمرو بن صیفی) عداس (عتبہ بن ربیعہ کا غلام) رئاب شنی اور بحیرہ راہب جیسے افراد کو بھی دین حنیف کے معتقدین میں سمجھا جاتا ہے۔ [3] ان میں سے بعض، حکماء یا مشہور شعراء تھے۔

البتہ وحدانیت کی طرف رجحان کا سبب ان کی پاک فطرت اور روشن فکر اور اس زمانے کے رائج ادیان کی بے رونقی اور اس سماج میں پائے جانے والے مذہبی خلا میں تلاش کرنا چاہیئے۔

---

1 حنیف (جس کی جمع حنفاء ہے) اس شخص کو کہتے ہیں جو دین ابراہیمؑ کا پیرو ہو (طبرسی، مجمع البیان، شرکۃ المعارف، ج۱، ص ۲۱۶.)

2 محمد بن حبیب، (المحبر (بیروت : دار الافاق الجدیدہ)، ص ۱۷۱.

3 مسعودی، مروج الذہب، ترجمہ : ابو القاسم پایندہ (تہران : ادارۂ ترجمہ و نشر کتاب، ط ۲، ۱۳۵۶)، ج۱، ص ۶۸۔ ۶۰؛ ابن ہشام، سیرۃ النبی، تحقیق : مصطفیٰ السقاء و معاونین، (قاہرہ : مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ.ق)، ج۱، ص ۲۳۷؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، تحقیق : مصطفیٰ عبد الواحد (قاہرہ : مطبعۃ عیسی البابی الحبی، ۱۳۸۴ھ.ق)، ج۱، ص ۱۶۵۔ ۱۲۲؛ محمد بن اسحاق، السیر و المغازی، تحقیق : ڈاکٹر سہیل زکار (بیروت : دار الفکر، ط ۲، ۱۴۱۰ھ.ق)، ص ۱۱۶۔ ۱۱۵؛ محمد بن حبیب بغدای، المنمق فی اخبار قریش، تحقیق : خورشید احمد فارق (بیروت : عالم الکتب، ط۱، ۱۴۰۵ھ.ق)، ص ۱۹۔ ۱۳۔

یہ لوگ اپنی پاک فطرت کے ذریعہ خلاق عالم، مدبر جہاں کے معتقد تھے اور عقل و خرد سے دور ایک پست آئین جیسے بت پرستی کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ اور یہودی مذہب بھی صدیاں گزر جانے کے بعد اپنی حقیقت اور معنویت کو کھو بیٹھا تھا۔ اور روشن فکر افراد کے اندر پائی جانے والی بے چینی کو اطمینان اور سکون میں نہیں بدل سکتے تھے اسی بنا پر بعض الوہیت کے متلاشی افراد کے بارے میں نقل ہوا ہے کہ آئین حق کی تلاش میں وہ اپنے اوپر سفر کی صعوبتوں اور پریشانیوں کو روا جانتے ہوئے مسیحی اور یہودی علماء اور دوسرے آگاہ لوگوں سے بحث اور گفتگو کیا کرتے تھے۔[1] اور پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کی نشانیوں کے سلسلے میں آسمانی کتابوں میں جو اشارے ملتے ہیں ان کے بارے میں تحقیق کرتے تھے اور چونکہ معمولاً کسی نتیجہ تک نہیں پہنچتے تھے لہٰذا اصل وحدانیت کو قبول کرتے تھے۔ بہر حال وہ اپنی مذہبی عبادتوں اور رسومات کو کس طرح انجام دیتے، یہ ہمارے لئے واضح نہیں ہے۔

اس نکتہ کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ دین حنیف کے پیروکار، بعض لوگوں کے خیال کے برخلاف ہدایت اور عرب سماج کی تبدیلی میں توحید کے مسئلہ میں کوئی رول نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ جیسا کہ مورخین نے صراحت کی ہے کہ وہ لوگ تنہائی اور انفرادی شکل میں زندگی بسر کرتے تھے اور غور و فکر میں لگے رہتے تھے اور کبھی بھی ایک گروہ یا ایک منظّم فرقہ کی شکل میں نہیں تھے اور ان کے پاس کوئی ایسا دین و آئین نہیں تھا جس میں ثابت اور معیّن احکام بیان کئے گئے ہوں۔ ان لوگوں نے آپس میں طے کر رکھا تھا کہ لوگوں کے اجتماعی مراکز سے دور رہیں اور بتوں کی پرستش سے بچیں اس قسم کے لوگ اپنی جگہ پر مطمئن تھے اور خیال کرتے تھے کہ ان کی قوم والوں کے عقائد باطل ہیں اور اپنے کو تبلیغ و دعوت کی زحمت میں مبتلا کرنے کے بجائے صرف اپنے نظریات کا اظہار کرتے تھے۔ اور اپنی قوم والوں سے ان کے تعلقات ٹھیک ٹھاک تھے ان کے درمیان کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں رہتا تھا۔[2]

عیسائیت

دین عیسائیت کے ماننے والے بھی عرب کے بعض علاقوں میں پائے جاتے تھے۔ یہ دین، جنوب کی سمت حبشہ سے اور شمال کی سمت سوریہ سے اور نیز جزیرہ نمائے سینا سے عرب میں آیا تھا۔ لیکن اس سرزمین کو کوئی خاص ترقی نہیں ملی۔[3] جزیرۃ العرب کے شمال میں عیسائیت' (قبیلۂ تغلب) کے درمیان (قبیلۂ ربیعہ کی ایک شاخ) اور (غسان) اور قبیلۂ ''قضاعہ'' کے بعض لوگوں کے درمیان رائج تھی۔([4]-[5])

---

1 ابن کثیر، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۶؛ محمد ابوالفضل ابراہیم (اور معاونین)، قصص العرب، (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ط۵)، (قم: آفسیٹ منشورات الرضی، ۱۳۶۴)، ج۱، ص ۲۷۔

2 جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب، قبل الاسلام (بیروت: دار العلم للملایین، ط۱، ۱۹۶۸ء)، ج۶، ص ۴۴۹؛ حسینی طباطبائی، خیانت در گزارش تاریخ (تہران: انتشارات چاپخش، ۱۳۶۶ش)، ج۱، ص ۱۲۰؛ ابن ہشام، سیرۃ النبی، ج۱، ص ۲۳۷۔

3 حسن ابراہیمی حسن، تاریخ سیاسی اسلام، ترجمہ: ابوالقاسم پایندہ (تہران: سازمان انتشارات جاویدان، ط۵، ۲۳۶۲)، ج۱، ص ۶۴۔

4 گزشتہ حوالہ، ص ۶۴؛ شہاب الدین الابشی، المستطرف فی کل فن مستظرف (بیروت: داراحیاء التراث العربی)، ج۲، ص ۸۸؛ ابن قتیبہ، المعارف، تحقیق: ثروت عکاشہ (دارالکتب، ۱۹۶۰ء)، ص ۶۲۱؛ الامیر ابوسعید الحمیری، الحورالعین، تحقیق: کمال مصطفیٰ، (تہران: ۱۹۷۲ء)، ص ۱۳۶۔

5 عثمان بن حویرث اور ورقہ بن نوفل (بنی اسد سے، قریش کا ایک خاندان) کو ہم نے دین حنیف کے معتقدین میں سے ذکر کیا ہے و نیز امرء القیس کے لڑکوں (قبیلۂ بنی تمیم سے تھے) کو مسیحی بیان کیا ہے (تاریخ یعقوبی، ج۱، ص ۲۲۵)

قس بن ساعدہ، حنظلہ طائی اور امیہ بن صلت کو بھی عیسائیوں کے بزرگوں میں شمار کیا ہے ان میں سے کچھ لوگوں نے اجتماعی جگہوں پر جانا چھوڑ دیا تھا اور جنگلوں میں جا کر آباد ہوگئے تھے۔[1]

یمن میں عیسائیت

یمن میں عیسائیت چوتھی صدی عیسوی میں داخل ہوئی "فلیپ حِتّی" جو کہ خود ایک عیسائی ہے، لکھتا ہے: "عیسائیوں کا پہلا گروہ عربستان کے جنوب میں گیا یہ خبر صحیح ہے یہ وہی گروہ تھا جس کو "کنتانیتوس" نے ۳۵۶ء عیسوئی میں توٖفیلوس اندوس اربوس کی سرپرستی میں بھیجا اور یہ کام اس زمانہ کے سیاسی عوامل اور عربستان کے جنوبی علاقہ میں ایران اور روم کے نفوذ کی خاطر انجام دیا گیا تھا عدن میں ایک اور ملک حمیر بان میں دو دوسرے کلیسوں کی بنیاد رکھی، نجران کے لوگ ۵۰۰ء میں ایک نئے دین کے گرویدہ ہوگئے تھے۔[2]

ظہور اسلام کے وقت، طی، مذحج، بہراء، سلیح، تنوخ، غسّان اور لحم قبائل یمن میں عیسائی تھے۔[3]

عیسائیوں کا سب سے اہم مرکز یمن میں "نجران شہر" تھا نجران ایک آباد اور پر رونق شہر تھا وہاں کے لوگوں کا مشغلہ زراعت، ریشمی کپڑوں کی بناوٹی، کھال کی تجارت اور اسلحہ سازی تھا۔ یہ شہر تاجروں کے راستوں میں پڑتا تھا جو حیرہ تک پھیلا ہوا تھا۔[4]

عیسائیت اس طرح سے یمن میں رائج ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ یمن میں ذونواس برسر اقتدار آیا اور اس نے عیسائیوں پر سختیاں کی تاکہ وہ اپنے آئین سے دست بردار ہو جائیں۔ جس وقت عیسائیوں نے مقابلہ کیا تو ان کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں جلا دیا گیا۔[5]

آخر کار ذونواس، حکومت حبشہ کی مداخلت سے ۵۲۵ء میں شکست کھا گیا اور عیسائی دوبارہ برسر اقتدار آگئے۔[6]

حیرہ میں عیسائیت

ایک دوسرا علاقہ جہاں پر عیسائیوں نے نفوذ کیا وہ "شہر حیرہ" تھا جو عربستان کے شرق میں واقع تھا۔ یہ مذہب رومی اسیروں کے ذریعہ اس علاقہ میں آیا تھا۔ حکومت ایران ہرمز اول کے زمانے سے ایسی جگہوں پر مسلط ہوگئی جہاں کے رہنے والے رومی اسیر تھے ان میں سے کچھ اسیر حیرہ میں رہتے تھے۔

---

۱ احمد امین، فجر الاسلام، (قاہرہ: مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ط۹، ۱۹۶۴ء)، ص۲۷۔

2 تاریخ عرب، ترجمہ: ابوالقاسم پایندہ (تہران: انتشارات آگاہ، ط ۲، ۱۳۶۶) ، ص ۸۷؛ کچھ مورخین نے یمن میں عیسائیوں کے نفوذ کا آغاز ایک فیمیون نامی شامی زاہد کے اس علاقہ میں آکر اس کے کام کرنے کے وقت بتاتے ہیں (ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۵۔ ۳۲؛ یاقوت حموی، معجم البلدان، (بیروت: داراحیاء التراث العربی)، ج۵، ص ۲۶۶؛ لفظ نجران، لیکن یہ افسانوی شکل رکھتا ہے اور جو کچھ حتی سے نقل ہوا ہے اس کے مطابق نہیں ہے۔

3 تاریخ یعقوبی، (نجف: مکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۴ھ.ق)، ج۱، ص ۲۲۴

4 احمد امین، گزشتہ حوالہ، ص۲۶

5 مفسرین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ سورۂ "بروج" کی ۴ سے ۹ تک آیتیں مسیحیوں کے قتل عام کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یا یہ واقعہ ان آیتوں کا ایک مصداق ہے (تفسیر المیزان، ج۲، ص ۲۵۷۔ ۲۵۱؛ جیسا کہ خداوند عالم سورۂ بروج کی ۹۔ ۴، آیتوں میں ارشاد فرماتا ہے۔

6 احمد امین، گزشتہ حوالہ، ص ۲۷۔

بعض کے عقیدہ کے مطابق سرزمین حیرہ میں عیسائیت کے نفوذ کا سرچشمہ یہی اسیر تھے۔

بہر حال عیسائی مبلغین حیرہ میں رہتے تھے اور اپنے مذہب کی نشر واشاعت میں مشغول رہتے تھے۔ عربوں کے بازاروں میں وعظ و نصیحت اور تبلیغ کرتے تھے۔ اور قیامت، جنت و جہنم کے مسئلہ سے آگاہ کرتے تھے ان کی محنتوں اور کوششوں کے نتیجہ میں ایک گروہ اس آئین کا گرویدہ ہوگیا اور حد ہے کہ ہند (نعمان پنجم کی بیوی) نے بھی مذہب عیسائیت کو قبول کرلیا اور اس نے ایک معبد بنایا جو "معبد ہند" کے نام سے مشہور ہوا اور طبری کے زمانے تک باقی رہا۔

حنظلہ طائی، قس بن ساعدہ اور امیہ بن صلت (جن کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں) حیرہ کے لوگوں میں سے تھے۔[1]

نعمان بن منذر (بادشاہ حیرہ) نے بھی عدی بن زید کی تشویق پر آئین مسیحیت قبول کرلیا۔[2]

قرآن مجید میں ایسی متعدد آیات موجود ہیں جن میں عیسائیوں کے افکار وعقائد کو بیان کرکے ان میں سے جو غلط اور ضعیف عقائد اور اعمال ہیں (خاص طور پر حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت کے بارے میں) جو ان کے خیالات ہیں، ان کو بیان کیا گیا ہے[3] اور یہ چیزیں بہت اہم گواہ ہیں کہ یہ دین جزیرۃ العرب میں نزول قرآن کے وقت موجود تھا۔ اس کے علاوہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ، پیغمبر اسلامؐ کا مباہلہ (جو کہ تاریخ اسلام میں مشہور ہے) بھی اس بات کا ثبوت ہے۔[4]

البتہ جیسا کہ اشارہ ہو چکا ہے کہ مذہب عیسائیت بھی زمانہ کے گزرنے کے ساتھ اس کی اصالت اور معنویت کا نور ماند پڑ گیا ہے اور وہ تحریفات کا شکار ہوگیا ہے۔ لہٰذا اس زمانہ کے لوگوں کے فکری اور عقیدتی خلاء کو پر نہیں کیا جاسکتا اور ان کے مضطرب و پریشان قلب و ضمیر کو سکون نہیں بخشا جاسکتا۔

---

1 احمد امین، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸، ۲۵، ۲۶، ۲۸.

2 محمد ابوالفضل ابراہیم (اور اس کے ساتھی) قصص العرب، ج۱، ص ۴۳؛ احمد امین، گزشتہ حوالہ، ص ۲۷

3 سورۂ مائدہ، آیت ۱۸، ۷۲، ۷۳؛ سورۂ نساء، آیت ۱۷۱؛ سورۂ توبہ، آیت ۳۰؛ لیکن قرآن نے، عیسائیوں کو یہودیوں کے مقابلہ میں جو کہ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے ان کا قریبی دوست بتایا ہے۔ (مائدہ، ۵، آیت ۸۲)

4 سید محمد حسین طباطبائی، تفسیر المیزان، (مطبوعاتی اسماعیلیان، ط ۳، ۱۳۹۳ھ. ق) ج ۳، ص ۲۲۸ و ۲۳۳)

دین یہود

دین یہود کا ظہور اسلام سے چند صدی قبل عربستان میں نفوذ ہوا تھا اور بعض یہودی نشین علاقے ظہور میں آچکے تھے جن میں سے سب سے معروف "یثرب" تھا جسے بعد میں "مدینہ" کہا گیا "تیماء"[1] "فدک"[2] اور "خیبر"[3] بھی یہودی نشین علاقے تھے۔ یثرب کے یہودی تین گروہ میں بٹے ہوئے تھے: ۱۔ طائفہ بنی نظیر ۲۔ طائفہ بنی قینقاع ۳۔ طائفہ بنی قریظہ۔[4]

مدینہ میں مذکورہ تین قبیلوں کے علاوہ دو قبیلے اوس اور خزرج بھی رہتے تھے جو تیسری صدی عیسوئی کے نزدیک، یمن سے آئے تھے۔ یہ دونوں قبیلے یثرب میں یہودیوں کے مقیم اور مستقر ہو جانے کے بعد وہاں مستقر ہوئے تھے۔ یہ دو قبیلے بت پرست تھے اور یہودیوں کے پہلو میں رہنے کی بنا پر ان میں سے کچھ لوگ، دین یہود کے گرویدہ ہوگئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ طائف میں بھی کچھ یہودی رہتے تھے جو یمن اور یثرب سے نکالے گئے تھے۔[5]

یہودی عربستان کے جس علاقہ میں رہتے تھے وہاں اپنی مہارت کی بنا پر زراعت میں مشہور تھے یہ لوگ مدینہ میں بھی زراعت کے علاوہ دوسرے ہنر کی وجہ سے جیسے آہنگری، رنگریزی، اور اسلحوں کے بنانے کی بنا پر مشہور ہوگئے تھے۔[6]

دین یہود کے ماننے والے قبیلۂ حمیر، بنی کنانہ، بنی حارث بن کعب، کندہ[7] غسّان و جذام میں بھی پائے جاتے تھے۔[8]

---

1 یاقوت حموی کے بقول، تیماء ایک چھوٹا سا شہر تھا جو شام اور وادی القریٰ کے بیچ پڑتا تھا (معجم البلدان، ج۲، ص ۶۷)، اور وادی القری مدینہ اور شام کے بیچ مدینہ کا ایک علاقہ تھا۔ وہی حوالہ، ج۵، ص ۳۴۵.) لہٰذا تیماء شام اور مدینہ کے بیچ پڑتا تھا؛ مقدسی چوتھی صدی کا اسلامی دانشور، کہتا ہے کہ "تیماء" ایک ایسا قدیمی شہر ہے جو ایک وسیع زمین میں کھجوروں کے درختوں سے پُر بے شمار باغات پانی کی فراوانی ابلتے ہوئے چشموں کی بنا پر دلکش اور حسین منظر جو کہ ایک لوہے کی جالی سے تالاب میں گرتا ہے اور پھر باغوں میں جاتا ہے، میٹھے پانی کے کنویں بھی موجود تھے، جنگل میں واقع تھا لیکن اب اس کا اکثر حصہ ویران ہو گیا ہے" (احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ترجمہ: علی نقی منتروی (گروہ مولفین و مترجمین ایران)

2 فدک ایک گاؤں ہے جس کا فاصلہ مدینہ سے دو یا تین روز پیدل مسافت کے ذریعہ طے ہوتا ہے (معجم البلدان، ج۴، ص ۲۳۸)

3 خیبر ایک ایسا علاقہ ہے جو تقریباً ۹۶ میل (۱۹۲ کلومیٹر) مدینہ کے شمال کی جانب (شام کی طرف) پڑتا ہے کہ جہاں سات قلعے کاشتکاری کی زمینیں اور بہت سے کھجور کے باغات تھے (معجم البلدان، ج۲، ص ۴۰۹) اس کا فاصلہ مدینہ سے اس سے بھی کم اور زیادہ بیان کیا گیا ہے (ابوالفداء تقویم، ترجمہ: عبد المحمد آیتی (انتشارات بنیاد فرہنگی ایران)، ص ۱۲۳۔

4 حسن ابراہیم حسن، گزشتہ حوالہ، ص ۶۴.

5 بلاذری، فتوح البلدان (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۸ھ.ق)، ص ۶۷۔

6 احمد امین، فجر الاسلام، ص ۲۴)

7 ابن قتیبہ، المعارف، تحقیق: ثروت عکاشہ (قم: منشورات الرضی)، ط۱، ص ۱۴۱۵ھ.ق)، ص ۶۲۱؛ الامیر ابو سعید بن نشوار الحمیری، الحور العین، تحقیق: کمال مصطفیٰ (تہران: ۱۹۷۲.)، ص ۱۳۶، کتاب المستطرف، ج۲، ص ۸۸، پر قبیلۂ حمیر کا نام (نمیر) لکھا ہوا ہے جو غلط چھپا ہے۔

8 تاریخ یعقوبی، ج۱، ص ۲۵۷.

یمن میں یہودی

یہودی جس علاقہ میں رہتے تھے اپنے عقائد وافکار اور توریت کی تعلیمات کو ترویج دیتے تھے۔

یمن بھی ایک زمانہ تک یہودیوں کے زیر نفوذ رہا ہے اور ذونواس (بادشاہ یمن) نے جو کہ یہودی ہو گیا تھا۔

عیسائیوں کو کچل کر، دین یہود کے قانونی دین ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ بعض مورخین کے عقیدے کے مطابق ذونواس کا یہ اقدام مذہبی جذبہ کے تحت نہیں تھا بلکہ قومی اور وطن پرستی کے جذبہ کی خاطر تھا۔ اس اعتبار سے کہ نجران کے عیسائی ملک حبشہ سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور حکومت حبشہ، نجران میں عیسائیوں کی حمایت کو مدعا بنا کر، یمن کے امور میں مداخلت کرتی تھی اور اس طرح وہ اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو گئے۔ ذونواس اور اس کے طرفداروں نے چاہا کہ وہاں پر عیسائیوں کو کچل کر، حبشہ کو اس علاقہ اور مرکز سے محروم کر دیں۔ اسی بناپر اس نے عیسائیوں کا قتل عام شروع کر دیا۔

نجران کے عیسائیوں کے قتل عام کے بعد ان میں کا ایک آدمی بچ گیا تھا جو بھاگ کر حبشہ پہنچا اور وہاں کے بادشاہ سے مدد مانگی۔ جس کی بناپر دونوں ملکوں میں جنگ چھڑ گئی اور ذونواس ۵۲۵ء میں شکست کھا گیا اور نجران کا علاقہ دوبارہ پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ تک عیسائیوں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔[1]

صابئین

بعض مورخین اس گروہ کے آغاز کو "سلطنت تہمورث" کے زمانہ میں بتاتے ہیں اور اس کا بانی "بوذاسف" کو جانتے ہیں۔ ابوریحان بیرونی (۴۴۰ھ - ۳۶۲ھ) اس گروہ کے آغاز کی تاریخ بیان کرنے کے بعد کہتا ہے: "ہم ان کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتے تھے کہ وہ خداوند عالم کی وحدانیت کے قائل ہیں اور اس کو ہر طرح کے صفات بد سے منزہ اور بے عیب جانتے ہیں جیسے وہ کہتے ہیں: خدا محدود نہیں ہے، دکھائی نہیں دیتا، ظلم نہیں کرتا، تدبیر عالم کو فلک اور آسمانی کہکشاؤں کی طرف نسبت دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ حیات افلاک اور اس کے نطق، شنوائی اور بینائی کے معتقد ہیں، انوار کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ لوگ ستاروں پر عقیدہ رکھنے کی بناپر، ان کی حرکتوں سے زمین کے مقدرات کو مربوط جانتے تھے اور ان کے مجسموں کو اپنے معبد میں نصب کرتے تھے۔ جیسا کہ انھوں نے سورج کے مجسمہ کو بعلبک میں، چاند کے مجسمہ کو حران میں اور زھرہ کے مجسمہ کو ایک قریہ میں نصب کر رکھا تھا۔[2]

---

1 احمد امین، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳، ۲۴ اور ۲۷؛ رجوع کریں: ابن ہشام، السیرة النبویہ، ج ۱، ص ۳۷؛ یاقوت حموی، معجم البلدان، ج ۵، ص ۲۶۶

2 الآثار الباقیہ، ترجمہ: اکبر دانا سرشت، (تہران: ط ۳، ۱۳۶۳)، ص ۲۹۵ - ۲۹۴.

صابئین کا مرکز "حران"[1] شہر تھا۔ یہ دین ایک زمانہ میں روم، یونان، بابل اور دنیا کے دوسرے علاقوں تک پھیل گیا تھا۔[2]

قرآن مجید نے ان میں سے تین مقامات کاذکر کیا ہے۔[3] یہ فرقہ ہمارے زمانے میں ختم ہوتا جارہا ہے ان میں سے کچھ لوگ صرف خوزستان[4]، اور عراق[5] میں باقی رہ گئے ہیں۔[6]

مانی دین

دین زردشتی، مزدکی اور مانوی کا منبع اور مرکز ایران رہا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ ادیان ظہور اسلام سے قبل بھی حجاز میں موجود تھے یا نہیں ؟اس بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف ہے بعض معاصر مورخین کا کہنا ہے کہ یہ ادیان ظہور اسلام سے قبل حجاز میں موجود تھے لیکن تاریخی دستاویزات اس علاقہ میں صرف دین مانوی کے وجود کی تصدیق کرتی ہیں۔

یعقوبی لکھتا ہے: عربوں کا ایک گروہ دین یہودیت کا گرویدہ ہوگیا تھا اور ایک گروہ دین عیسائیت کو ماننے لگا تھا اور ایک گروہ جو زندیق ہوگیا تھا اس نے دین ثنوی (دوگانہ پرستی) کو اپنا لیا تھا۔[7]

---

1 حران، دجلہ اور فرات کے درمیان ایک بڑا شہر تھا لیکن آج ویران ہوگیا ہے اور ایک کھنڈر دیہات میں تبدیل ہوگیا ہے. صدر اسلام میں یہ شہر آباد تھا اور اور جید علماء یہاں سے پیدا ہوئے ہیں (معجم البلدان، ج۲، ص ۲۳۶۔ ۲۳۵؛ تقویم البلدان، ص ۳۰۷۔ ۳۰۶؛ محمد معین: فرہنگ فارسی، (تہران: امیر کبیر)، ج۵، ص ۴۵۷.

2 طباطبائی، تفسیر المیزان، ج۱۰، ص ۲۷۹.

3 سورۂ بقرہ، ۲، آیت ۶۲؛ سورۂ مائدہ، ۵، ۶۹؛ سورۂ حج، ۲۲، آیت ۱۷.

4 دریائے کارون کے ساحلی علاقے، اہواز، خرم شہر، آبادان، شادگان اور دشت میشان ہیں)

5 بغداد میں دجلہ اور فرات کے ساحلی علاقے حلہ، ناصریہ، عمارہ، کوت، دیالی، کرکوک، موصل، رمادی، سلیمانیہ، اور کربلا ہیں۔

6 کلمۂ صابئ کے ریشہ اور اصل کے سلسلہ میں اور کیا یہ عربی کلمہ ہے یا عبری؟ اور اس کے معنی کیا ہیں اور نیز صابئیوں کے عقائد اور یہ کسی نبی کے ماننے والے ہیں، رجوع کریں آلوسی، بلوغ الارب، ج۲، ص ۲۲۸۔ ۲۲۳؛ یحییٰ نوری، اسلام و عقائد و آراء بشری، (تہران: موسسہ مطبوعاتی فراہانی، ط۲، ۱۳۴۶)، ص ۴۳۲۔ ۴۳۱؛ شہرستانی، الملل و نحل، تحقیق: محمد سید گیلانی (بیروت: دار المعرفہ)، ج۱، ص ۳۳۰، ج۲، ص ۵.

7 تاریخ یعقوبی، ج۱، ص ۲۲۶.

اگرچہ کلمۂ ''زندیق'' ملحد اور منکر خدا کے معنی میں استعمال ہوتا تھا لیکن صاحبان نظر کے عقیدے کے مطابق' دراصل ایک ایسا فرقہ تھا جو دین مانوی کی پیروی کرتا تھا اور پھر یہ کلمہ تمام مانویوں کے لئے بولا جانے لگا۔ اس رو سے کافر اور دھری اس میں شامل ہوگئے اسی وجہ سے قدیم حوالوں میں ''زندقہ'' سے مراد دین مانی ہے[1]

اور دین مانوی عیسائیت اور یہودیت سے مل کر بنا ہے۔[2]

مورخین کے ایک گروہ نے وضاحت کی ہے کہ زندقہ کا قریش کے درمیان وجود تھا اور اس کو' انھوں نے اہل حیرہ سے اپنایا تھا۔[3] اور اس دین کو حیرہ سے لینا اس بات کا ثبوت ہے کہ مراد ''دوگانہ پرستی'' ہے کیونکہ حیرہ' ایران کا پڑوسی اور اس کے زیر اثر تھا اور ادیان ایرانی جنکی بنیاد دوگانہ پرستی پر قائم تھی' وہاں تک پہنچ گئے تھے۔

ستاروں کی عبادت

زمانۂ جاہلیت میں جزیرۃالعرب میں رہنے والوں کا ایک گروہ' بہت سارے دوسرے علاقہ کے لوگوں کی طرح اجرام آسمانی جیسے سورج' چاند اور بعض ستاروں کی عبادت کرتا تھا۔ اور انہیں بہت ہی طاقتور اور قوی شے سمجھتا تھا۔ جن کے ذریعہ دنیا اور دنیا والوں کے انجام کا پتہ چلتا تھا مثلاً

---

1 احمد امین' فجر الاسلام' ص ۱۰۸؛ داؤد الہامی' ایران و اسلام (قم: مرکز نشر جدید)' ص ۳۹۲۔ بیرونی اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کہ مزدکیان زند' کی پیروی کرنے کی وجہ سے زنادقہ کہے جاتے ہیں۔ لکھتا ہے: ''مانویان کو بھی مجازی طور سے زنادقہ کہتے ہیں۔ اور فرقہ باطنیہ کو بھی اسلام میں ایسے کہتے ہیں: کیونکہ یہ دو گروہ خداوند عالم کو بعض صفات سے متصف کرنے میں اور نیز ظواہر کی تاویل کرنے میں مزدکیہ کے مشابہ ہیں'' (الآثار الباقیہ' ترجمہ: اکبر دانا سرشت' ص ۳۱۲) عبدالحسین زرین کوب اس سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''لفظ زندیق کہ جس کی اصل زندیک پہلوی ہے' جو آج کل تقریباً مسلم سمجھا جاتا ہے' اسلامی عہد میں اس سے قطع نظر کہ یہ مانوی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تمام ایسے افراد جو ایک طرح سے شک والحاد اور بے اعتقادی میں متہم تھے ان کو بھی زندیق کہا جاتا ہے؛ (نہ شرقی نہ غربی' انسانی' ص ۱۱۰)۔

2 شہرستانی' گزشتہ حوالہ' ص ۲۴۴' ایک مستشرق کہتا ہے: اگر دین مانی کو ایسا زردشتی دین سمجھیں جس میں مسیحیت کی آمیزش ہوئی ہے تو یہ کلام حقیقت سے بہت قریب ہے بہ نسبت اس کے اسے ایسا عیسائی دین سمجھیں جس میں زردشت کی آمیزش ہوئی ہے۔ (احمد امین' فجر الاسلام' ص ۱۰۴) ' مانی اور اس کے دین کے بارے میں رجوع کریں: عبدالحسین زرین کوب' نہ شرقی نہ غربی' انسانی' ص ۶۷۔ ۷۲۔

3 ابن قتیبہ' المعارف (قم: منشورات الرضی' ط۱' ۱۴۱۵ھ۔ق)' ص ۶۲۱؛ الابشی' المستطرف فی کل فن مستظرف' ج۲' ص ۸۸؛ ابن رستہ' اعلاق النفسیہ' ترجمہ: حسین قرہ چانلو' (تہران: امیر کبیر' ط۱' ۱۳۶۵)' ص ۲۶۴؛ احمد امین' فجر الاسلامؑ ص ۱۰۸؛ محمد بن حبیب بغدادی کے بقول' قریش سے صخر بن حرب (ابوسفیان) عقبہ بن ابی معیط' ابی بن خلف' ابوعزہ (عمر بن عبداللہ جمحی) نضر بن حارث' نبیہ ومنبہ (مجاج بن عامر سہمی کے لڑکے) عاص بن وائل سہمی' اور ولید بن مغیرہ مخزومی' اس گروہ میں تھے۔ (المنمق فی اخبار قریش) ص ۲۸۹۔ ۲۸۸؛ المحبر ص ۱۶۱)' لیکن اسلام کے مقابلہ میں ان کا کوئی بھی کلام یا موقف اس مطلب کی تصدیق نہیں کرتا ہے' بلکہ شواہد و قرائن سے ان کی بت پرستی کا پتہ چلتا ہے۔ عبدالحسین زرین کوب' زندیق و زنادقہ کی بحث میں لکھتے ہیں: ''... لفظ زندقہ جیسا کہ ثعلب سے نقل کیا گیا ہے دہریہ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ دہریہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو حوادث اور امور عالم کو ایک صانع مختار کی طرف نسبت دینے کے منکر ہوئے ہیں قریش کے زنادقہ کے نام ابوسفیان' عقبہ بن معیط' نضر بن حارث' عاص بن وائل اور ولید بن مغیرہ بھی انھیں میں سے ہیں جو درحقیقت اس طرح کا عقیدہ رکھتے تھے۔ قریش کے بزرگوں اور اہم شخصیتوں کی خبروں اور ان کے اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ زندقہ ان کو کہا گیا ہے جو صانع عالم' حشر و حیات' عقبیٰ کے عقیدہ کا انکار کرتے تھے۔ (نہ شرقی نہ غربی' انسانی' ص ۱۰۷)۔

قبیلۂ خزاعہ اور حمیر، ستارۂ ''شعریٰ'' کو جو کہ ایک ثابت اور درخشاں ستارہ ہے اس کی پرستش کرتے تھے اور اسی طرح ابو کبشہ جو پیغمبر اسلامؐ کے مادری اجداد میں سے تھے، وہ اس ستارہ کی پرستش کرنے والوں میں سے تھے۔[1]

قبیلۂ طیٔ کے کچھ لوگ ''ستارۂ ثریا'' کی پرستش کیا کرتے تھے۔[2] افلاک اور ستاروں کی پرستش کا مسئلہ اتنا رائج ہو گیا تھا کہ عرب کے افسانوں ادبیات اور خرافات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔[3]

صابئین جو کہ سورج اور چاند کی پرستش کیا کرتے تھے ان کے علاوہ دوسرے تمام بت پرست بھی ان دو آسمانی موجود کو مقدس سمجھتے تھے۔[4]

قرآن مجید نے آسمانی اجرام کی پرستش کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس کی پرستش کی مذمت کی ہے اور تاکید فرمائی ہے کہ یہ محدود موجودات، خود پروردگار عالم کی مخلوق اور اس کے فرمان اور ارادہ کے تابع ہیں اور بارگاہ پروردگار میں سجدہ ریز اور خاضع ہیں۔ اس وجہ سے وہ خداوند عالم کی جانب سے بشر کے لئے دلیل اور راہنما قرار دیئے گئے ہیں کیونکہ یہ ساری چیزیں اس کی قدرت اور علم کی نشانیاں ہیں۔ ''اور اسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور آفتاب و ماہتاب سب کو مسخر کر دیا ہے اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں بیشک اس میں بھی صاحبان عقل کے لئے قدرت کی بہت ساری نشانیاں پائی جاتی ہیں''۔[5]

اور اسی خدا کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور آفتاب و ماہتاب ہیں لہٰذا آفتاب و ماہتاب کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان سب کو پیدا کیا ہے اگر واقعاً اس کے عبادت کرنے والے ہو''[6] اور وہی ستارہ شعریٰ کا مالک ہے''[7]

یہ آیات اس بات کی گواہ ہیں کہ بعثت پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ میں ان اجرام کی پرستش اور عبادت رائج تھی۔

جنات اور فرشتوں کی عبادت

اس بات سے قطع نظر کہ ہم نے سابق میں مختلف ادیان کے ماننے والوں کا تذکرہ کیا ہے، عرب میں ایسے گروہ بھی موجود تھے جو جِن اور فرشتوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ عبد اللہ بن زبعری (جو کہ مکہ کا ایک سردار تھا) کہتا ہے ہم لوگ فرشتوں کی عبادت کرتے تھے۔ یہودی، عزیر کی اور عیسائی عیسیٰؑ کی پرستش کرتے تھے، محمدؐ سے پوچھیں کیا ہم سب ان معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے؟۔[8]

---

1 طباطبائی، تفسیر المیزان، ج۱۹، ص۴۹.

2 آلوسی، بلوغ الارب، ج۲، ص۲۴۰.

3 رجوع کریں: وہی حوالہ، ص۲۱۵، ۲۲۰، ۲۳۰، ۲۳۷، ۲۳۹، ۲۴۰، اسلام و عقائد اور آراء بشری، ص۲۹۷۔۲۹۵۔

4 طباطبائی، گزشتہ حوالہ، ج۱۷، ص۳۹۳۔

5 سورہ نحل، ۱۶، آیت ۱۲.

6 سورۂ فصلت، ۴۱، آیت ۳۷.

7 سورۂ نجم، ۵۳، آیت ۴۹.

8 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (قاہرہ: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ.ق)، ج۱، ص۳۸۵۔

بنو ملیح جو قبیلۂ خزاعہ کی ایک شاخ تھی وہ جن کی عبادت کرتے تھے[1]، کہتے ہیں جن لوگوں نے سب سے پہلے جن کی پرستش کی وہ یمن کے لوگ تھے اس کے بعد قبیلۂ بنی حنیفہ تھا اور پھر آہستہ آہستہ عربوں میں یہ بات رائج ہو گئی۔[2] بعض مفسرین کے کہنے کے مطابق ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ خداوند عالم نے جنات کے ساتھ شادی کی ہے اور فرشتے اس کی اولاد ہیں۔[3]

خداوند عالم نے قرآن مجید میں جن اور فرشتوں کی عبادت اور ان کے بارے میں غلط اعتقاد کی مذمت فرمائی ہے۔ اور ان لوگوں نے جنات کو خدا کا شریک بنادیا ہے حالانکہ خدا نے انھیں پیدا کیا ہے۔[4] اور جس دن خدا سب کو جمع کرے گا اور پھر ملائکہ سے کہے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے۔ تو وہ عرض کریں گے کہ تو پاک و بے نیاز اور ہمارا اولی ہے یہ ہمارے کچھ نہیں ہیں اور یہ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان کی اکثریت انھیں پر ایمان رکھتی تھی۔[5]

یہ بالکل واضح ہے کہ یہ سوال، استفہامی پہلو رکھتا ہے اور اس سے مجہول کا پتہ نہیں چل سکتا ہے کیونکہ خداوند عالم تمام چیزوں سے واقف ہے بلکہ اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ حقائق فرشتوں کی زبان سے بیان ہوں تاکہ ان کی عبادت کرنے والوں کا سر جھکا رہے اور فرشتوں کے جواب سے بھی بات واضح ہوتی ہے کہ وہ اس بات سے راضی نہیں تھے کہ انسانوں کا ایک گروہ ان کی پرستش کرے۔ لیکن جنّات اس بات سے راضی تھے۔

بہر حال ان دو نا قابل دید موجودات کی پرستش، ثنوی آئین سے مشابہت رکھتی تھی کیونکہ وہ لوگ جنات کو باعث شر و اذیت اور فرشتوں کو سر چشمۂ نور اور رحمت و برکت سمجھتے تھے بعض عرب، رات کے وقت جب کسی درہ میں داخل ہوتے تھے تو کہتے تھے کہ اس سر زمین کے احمقوں کے شر سے ان کے بزرگ اور رئیس سے پناہ مانگتا ہوں۔[6] اور عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بات کہنے سے ان کا بڑا جن، احمقوں کے شر سے ان کو محفوظ رکھتا ہے۔ اس بات کی تصدیق قرآن میں کلام خدا کے ذریعہ ہوئی ہے۔ ''اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنات کے بعض لوگوں کی پناہ ڈھونڈ رہے تھے تو انھوں نے گرفتاری میں اور اضافہ کر لیا''۔[7]

شہر مکہ کی ابتداء

شہر مکہ کی تاریخ حضرت ابراہیم کے زمانے سے ملتی ہے کہ جب آپ حکم خدا سے اپنی زوجہ محترمہ ہاجرہ اور اپنے شیر خوار فرزند جناب اسماعیلؑ کو شام لیکر آئے اور انھیں ایک خشک اور بے آب و گیاہ سر زمین میں لاکر ٹھہرا دیا۔[8] اور حکم و ارادۂ الٰہی سے آب زمزم ان دونوں کے لئے جاری

---

1 ہشام بن محمد کلبی، کتاب الاصنام، ترجمہ: سید محمد رضا جلالی نائینی، تہران: ۱۳۴۸، ص ۴۲.

2 طباطبائی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۴۲.

3 طبرسی، مجمع البیان، شرکۃ المعارف الاسلامیہ، ۱۳۷۹ھ.ق، ج۸، ص ۴۶.

4 سورۂ انعام، ۶، آیت ۱۰۰.

5 سورۂ سبا، ۳۴، آیت ۴۰-۴۱.

٦ اعوذ بعزیز ہذا الوادی من شر سفہاء قومہ (آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۳۲.

۷ و ''انہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن فزادوہم رہقاً'' سورۂ جن،۷۲، آیت۶

8 سورۂ ابراہیم، ۱۴، آیت ۳۷.

ہوا[1] اس کے بعد جنوب کے قبائل میں سے قبیلۂ جرہم (جو کہ قحطی اور خشک سالی کی بنا پر شمال کی جانب حرکت میں تھا) اس جگہ جا کر بس گیا۔[2] جناب اسماعیل جوان ہوئے اور جرہمی قبیلہ کی لڑکی سے شادی کی.[3] جناب ابراہیمؑ خدا کی جانب سے مامور ہوئے کہ اپنے فرزند اسماعیلؑ کی مدد سے کعبہ کی بنیاد ڈالیں[4] چنانچہ کعبہ کی تعمیر کے ساتھ شہر مکہ کا قیام عمل میں آیا اور زمانے کے گزرنے کے ساتھ نسل اسماعیلؑ وہاں بڑھنے لگی۔

دین ابراہیم کی باقی ماندہ تعلیمات

جناب عدنان، عرب عدنانی (عرب مکہ) کے جد اعلی اور حضرت محمدؐ کے بیسویں جد، جناب اسماعیلؑ کی نسل سے تھے۔ اور حجاز، نجد، تہامہ میں رہنے والے عدنانی جناب اسماعیل[5] کی اولاد، میں سے تھے جو برسوں سے شریعت ابراہیمی کی پیروی کرتے تھے۔ یعقوبی کے کہنے کے مطابق :

قریش اور جناب عدنان کی ساری اولادیں دین ابراہیمی کے بعض احکام کی پابند تھیں وہ لوگ کعبہ کی زیارت کیا کرتے تھے، حج کے اعمال بجالاتے تھے، مہمان نواز تھے، حرام مہینوں کا احترام کیا کرتے تھے. برے کاموں سے پرہیز اور ایک دوسرے کے ساتھ قطع تعلق اور ظلم کو برا سمجھتے تھے اور بدکاروں کو سزا دیتے تھے۔[6]

سنت ابراہیمی اور ان کی بچی ہوئی تعلیمات جیسے خدا پر اعتقاد، محارم کے ساتھ شادی کی حرمت، حج و عمرہ اور قربانی کے اعمال، غسل جنابت[7] ختنہ، میت کی تکفین و تدفین[8] وغیرہ ظہور اسلام کے زمانہ تک اسی طرح ان کے درمیان رائج تھیں اور جسم کی نظافت اور زائد بالوں کے کاٹنے وغیرہ کے بارے میں موجودہ دس سنتوں کے وہ پابند تھے۔[9] اسی طرح وہ چار مہینوں کا تقدس واحترام جو سنت ابراہیمی[10] میں پایا جاتا تھا اس کا بھی وہ عقیدہ رکھتے تھے اور اگر ان کے درمیان کسی وجہ سے کوئی جنگ یا خون خرابہ، ان مہینوں میں واقع ہو جاتا تھا تو اسے "جنگ فجار"

1 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، (قاہرہ: مطبعۃ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ.ق)، ج۱، ص ۵۵ و ۱۱۶؛ ازرقی، تاریخ مکہ، تحقیق: رشدی الصالح ملحس (قم: منشورات الرضی، ۱۳۶۹)، ج۱، ص۵۵؛ تاریخ یعقوبی (نجف: المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۴۸ھ.ق)، ج۱، ص۱۸؛ ابن رستہ، الاعلاق النفیسہ، ترجمہ: حسین قرہ چانلو (تہران: امیر کبیر، ۱۳۶۵)، ص۵۱۔

2 ازرقی، گزشتہ حوالہ، ص۵۷؛ مسعودی، مروج الذہب (بیروت: دار الاندلس، ط۱، ۱۹۶۵.)، ج۲، ص۲۰.

3 تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۱۹؛ ازرقی، گزشتہ حوالہ، ص۵۷.

4 سورۂ بقرہ، ۲، آیت ۱۲۷.

5 ایک تفسیر کی بنیاد پر سورۂ حج کی ۷۹ ویں آیت "ملۃ ابیکم ابراہیم" میں اسی مطلب کی طرف اشارہ ہوا ہے (طبرسی، مجمع البیان، ج۷، ص۹۷)

6 تاریخ یعقوبی، ج۱، ص۲۲۴.

7 مجلسی، بحار الانوار، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ)، ج۱۵، ص۱۷۰؛ ہشام کلبی، الاصنام، ص۶.

8 شیخ حر عاملی، وسائل الشیعہ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط۴)، ج۱، کتاب الطہارۃ، ابواب الجنابہ حدیث ۱۴، ص ۴۶۵؛ طبرسی، احتجاج (نجف: المطبعۃ المرتضویہ، ۱۳۵۰ھ.ق)، ص۱۸۹.

9 شہرستانی، الملل والنحل (قم: منشورات الرضی)، ج۲، ص۲۵۷.

10 طباطبائی، المیزان (بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات)، ج۹، ص۲۷۲.

(نارواا ور گناہ آلود جنگ) کہا کرتے تھے۔[1] اسی وجہ سے آئین توحید اس علاقہ کے عربوں کے درمیان بہت زمانہ سے پایا جاتا تھا اور بت پرستی بعد میں وہاں پر آئی ہے جو ان کے دین توحیدی سے منحرف ہونے کا باعث بنی۔

عربوں کے درمیان بت پرستی کا آغاز

مختلف دستاویزات اور شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں کے درمیان بت پرستی کے نفوذ کا اصلی سرچشمہ اوران کے درمیان بت پرستی کے آغاز کے دو سبب تھے۔

الف: عمرو بن لُحیّ (قبیلۂ خزاعہ کا سردار) نام کا ایک شخص، جو کہ اپنے زمانہ میں مکہ میں بہت زیادہ بااثر و قدرت منداور کعبہ کا متولی تھا۔[2] شام گیااور وہاں پر عمالقہ[3] کے ایک گروہ سے اس کی ملاقات ہوئی جو بت پرست تھے۔ جب اس نے ان لوگوں سے بت پرست ہونے کی وجہ دریافت کی تو ان لوگوں نے کہا: یہ ہمارے لئے بارش نازل کرتے ہیں، ہماری مدد کرتے ہیں'' اس نے ان لوگوں سے ایک بت مانگا تو ان لوگوں نے اسے ''ھبل'' بت دیااور وہ اسے لیکر مکہ آیااور کعبہ میں نصب کردیااور لوگوں سے کہا کہ اس کی عبادت کریں۔[4]

اس کے علاوہ دو بت ''اساف''[5] اور ''نائلہ'' کو بھی اس نے کعبہ کے پہلو میں رکھ دیااور لوگوں کو ان کی پرستش کے لئے ابھارااور ورغلایا[6] اوراس طرح سے عرب میں بت پرستی کی بنیاد پڑی۔

---

1 شہرستانی، گزشتہ حوالہ، ص۲۵۵؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۱۲.

2 ازرقی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۸۸، ۱۰۰، ۱۰۱؛ محمود آلوسی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب (قاہرہ: دار الکتب الحدیثہ، ط۳)، ج۲، ص ۲۰۰؛ علی بن برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیہ (بیروت: دار المعرفہ)، ج۱، ص۱۶۔

3 عمالقہ، جناب نوح کے لڑکوں کا ایک گروہ تھا ان کے جد عملاق یا عملیق کی مناسبت سے ان کا نام عمالقہ پڑا۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص ۸ اور ۷۹؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۲، ص ۱۸۸؛ علی ابن برہان الدین الحلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج۱، ص ۱۷

4 آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۰۱؛ شہرستانی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۴۳؛ علی بن برہان الدین الحلبی، گزشتہ حوالہ، ص۱۷؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۲۲۴؛ شہاب الدین الابشی، المستطرف (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، ج۲، ص۸۸؛ مسعودی، مروج الذہب (بیروت: دار الاندلس، ط۱)، ج۲، ص ۲۹؛ ہشام کلبی، الاصنام، ترجمہ: سید محمد رضا جلالی نایینی، ۱۳۴۸)، ص۷؛ محمد بن حبیب، المنمق فی اخبار قریش، تحقیق: خورشید احمد فارق (بیروت: عالم الکتب، ط۱، ۱۴۰۵ھ.ق)، ص ۳۲۸۔ بعض منابع میں آیا ہے کہ وہ ''ہبل'' کو عراق سے لایا تھا۔ (ازرقی، اخبار مکہ، ج۱، ص۱۱۷؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص ۷۹؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۲، ص ۱۸۸۔ لیکن ایک روایت کے مطابق، ھبل بت کا پتھر ''مازمین'' (عرفات و مشعر کے درمیان ایک گزرگاہ ہے)، سے لیا گیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اس جگہ سے گزرتے تھے تو اظہار نفرت کرتے تھے (محمد بن حسن حر عاملی، وسائل الشیعہ، بیروت: دار احیاء التراث الاسلامی، ج۱۰، کتاب الحج، باب استحباب التکبیر بین المازمین) ص ۳۶، حدیث۱)

5 اساف کو ہمزہ کے زبر اور زیر دنوں طرح سے لکھا گیا ہے۔ (ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۸۴۔

6 ازرقی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۸۸؛ شہرستانی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۴۳ اور ۲۴۷.

پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: عمرو بن لحہ پہلا وہ شخص تھا جس نے دین اسماعیلؑ میں تحریف کی اور بت پرستی کی بنیاد ڈالی۔ اور میں نے اسکو آتش جہنم میں دیکھا ہے۔[1]

ب: جب جناب اسماعیلؑ کی نسل مکہ میں کافی بڑھ گئی تو وہ لوگ مجبور ہو کر ذریعہ معاش کی تلاش میں دوسرے شہروں اور علاقوں کی طرف کوچ کر گئے۔ اور چونکہ انھیں مکہ اور حرم سے بہت لگاؤ اور محبت تھی للذا کوچ کرتے وقت ان میں سے ہر ایک نشانی اور یادگار کے طور پر حرم کا ایک پتھر اپنے ساتھ لے گیا اور جہاں پر جا کر وہ بسے اس کو ایک گوشہ میں رکھ کر (کعبہ کے گرد طواف کے مانند) اس کے گرد طواف کرتے تھے۔ اور آہستہ آہستہ وہ اپنے اصلی جذبہ اور لگاؤ اور ہدف کو بھولتے گئے اور سارے پتھر ایک بت کی شکل میں تبدیل ہوگئے اور پھر نوبت یہ آگئی کہ جس پتھر کو وہ پسند کرتے تھے اسی کی پرستش کرنے لگتے تھے اور اس طرح وہ اپنے سابقہ آئین کو بھول گئے۔[2]

البتہ اس علاقہ میں بت پرستی کے نفوذ کے لئے یہ دونوں اسباب نقطۂ آغاز قرار پائے ہیں ورنہ دوسرے عوامل جیسے جہل، حس گرائی (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا خدا ملموس اور محسوس (مادی)، ہو۔[3] قبیلہ جاتی اختلافات اور کشمکش، (ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ اپنی لئے ایک الگ بت قرار دے) قبائل کے رئیسوں اور بزرگوں کی جاہ طلبی (وہ چاہتے تھے کہ عوام اسی طرح جہالت اور گمراہی میں پڑی رہے تاکہ وہ اچھی طرح سے حکمرانی کر سکیں) اور آخر کار گزشتہ لوگوں کی اندھی تقلید اس کی ترویج میں معاون ثابت ہوئی اور آہستہ آہستہ بت پرستی کی مختلف صورتیں اور عبادت کے مختلف طریقے، نذر و نیاز اور ان سے استمداد کے بے شمار طریقے انجام پانے لگے[4] اور بتوں کی تعداد میں اس طرح سے اضافہ ہونے لگا کہ ہر گھر میں ایک بت پایا جانے لگا۔[5] جس سے وہ سفر کے موقع پر برکت حاصل کرتے تھے اور اسے مس کرتے تھے فتح مکہ کے موقع پر ۳۶۰ بت اس شہر میں موجود تھے۔[6]

---

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۷۹؛ علی بن برہان الدین، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷؛ ابن عبد البر، الاستیعاب، (درحاشیہ الاصابہ)، ج۱، ص ۱۲۰، شرح حال اکثم بن جون خزاعی؛ ابن اثیر، اسد الغابۃ (تہران: المکتبۃ الاسلامیہ)، ج۴، ص ۳۹۰؛ شیخ محمد تقی التستری، الاوائل، ط۱، ص ۲۱۷؛ ابی الفدا اسماعیل بن کثیر، السیرۃ النبویہ (قاہرہ: مطبعۃ عیسی البابی الحلبی، ۱۳۸۴ھ.ق)، ج۱، ص ۶۵؛ ازرقی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۶۔

2 آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۲۰؛ المستطرف، ج۲، ص ۸۸؛ ابی الفداء اسماعیل بن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص ۶۲؛ البدایہ والنہایہ (بیروت: مکتبۃ المعارف)، ج۲، ص ۱۸۸؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۷۹؛ طباطبائی، المیزان، ج۱۰، ص ۲۸۶۔

3 طباطبائی، المیزان، ج۱۰، ص ۲۸۶۔

4 سورۂ انعام، آیت ۱۳۸، ۱۳۹؛ سورۂ مائدہ، آیت ۳، ۹۰، ۱۰۳، ہشام کلبی، الاصنام، ص ۲۸۔

5 کلبی، گزشتہ حوالہ، ص ۳۲۔

6 شیخ طوسی، الامالی، (قم: دار الثقافہ، ط۱، ۱۴۱۴ھ.ق)، ص ۳۳۶؛ آلوسی، بلوغ الارب، ج۲، ص ۲۱۱؛ ازرقی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۲۱؛ السیرۃ الحلبیہ، ج۳، ص ۳۰؛ رجوع کریں: المیزان، ج۲۶۔ امام رضاؑ کی ایک روایت کی مطابق۔

کیا بت پرست ٬ خدا کے قائل تھے؟

بت پرست ''اللہ'' کے منکر نہیں تھے اور جیسا کہ قرآن نے نقل کیا ہے کہ یہ لوگ بھی خدا کو٬ زمین و آسمان اور اس جہان کا خالق سمجھتے ہیں۔[1] لیکن یہ دو بڑی خطاؤں کے مرتکب ہوگئے تھے جو ان کی گمراہی کی اصلی جڑ تھی۔

ا۔ اللہ اور اس کی صفات کے بارے میں غلط شناخت؛ وہ لوگ خدا کے بارے میں مبہم اور گنگ ذہنیت رکھتے تھے۔ اور اس بات کی شہادت اس سے ملتی ہے کہ وہ خدا کے لئے بیوی اور بچوں کے قائل تھے۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں تصور کرتے تھے یعنی خدا کے لئے انسان اور دوسرے جانداروں کی طرح جسم اور مادہ اور زاد و ولد کے قائل تھے۔ خداوند عالم نے ان کے غلط خیال کی متعدد آیات میں مذمت فرمائی ہے: ''اور ان لوگوں نے ان ملائکہ کو جو رحمان کے بندے ہیں لڑکی قرار دیدیا ہے کیا یہ ان کی خلقت کے گواہ ہیں تو عنقریب ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور پھر اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا''۔[2]

''بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں وہ ملائکہ کے نام لڑکیوں جیسے رکھتے ہیں''۔[3]

''اور مشرکوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ اللہ نے کسی کو اپنا فرزند بنالیا ہے حالانکہ وہ اس امر سے پاک و پاکیزہ ہے بلکہ وہ سب اس کے محترم بندے ہیں''۔[4]

اس کے لئے بغیر جانے بوجھے بیٹے اور بیٹیاں بھی تیار کردی ہیں۔ جب کہ وہ بے نیاز اور ان کے بیان کردہ اوصاف سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے۔

وہ زمین و آسمان کا ایجاد کرنے والا ہے۔ اس کے اولاد کس طرح ہوسکتی ہے اس کی تو کوئی بیوی بھی نہیں ہے اور وہ ہر شے کا خالق ہے اور ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔[5]

''اور ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے نہ بیٹا''۔[6]

---

1 اگران سے پوچھئے: کہ کس نے زمین و آسمانوں کو پیدا کیا ہے؟ تو یقیناًوہ کہیں گے خدا نے (سورۂ لقمان ٬آیت ۲۵٬ سورۂ زمر٬ آیت ۳۸٬ زخرف ٬آیت ۹٬ اور اگر آپ ان سے سوال کریں گے کہ خود ان کا خالق کون ہے تو کہیں گے کہ اللہ (زخرف ٬آیت ۸۷٬ پیغمبر ذرا ان سے پوچھئے کہ تمہیں زمین و آسمان سے کون رزق دیتا ہے اور کون تمہاری سماعت و بصارت کا مالک ہے اور کون مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ نکالتا ہے اور کون سارے امور کی تدبیر کرتا ہے تو یہ سب یہی کہیں گے کہ اللہ! (یونس آیت ۳۱)

2 سورۂ زخرف ٬آیت ۱۹.

3 سورۂ نجم ٬آیت ۲۷.

4 سورۂ انبیاء ٬آیت ۲۶.

5 سورۂ انعام ٬آیت ۱۰۱۔ ۱۰۰.

6 سورۂ جن ٬آیت ۳.

اس کے علاوہ خداوند عالم نے متعدد آیات میں مشرکوں کی مذمت فرمائی ہے کہ چونکہ وہ لڑکیوں کو برا سمجھتے تھے لہٰذا اسے خدا کی جانب منسوب کرتے تھے اور لڑکوں کو اچھا سمجھتے تھے لہٰذا اسے اپنی طرف منسوب کرتے تھے"

کیا خدا کے لئے لڑکیاں اور تمہارے لئے لڑکے ہیں !۔[1]

"پھر اے پیغمبر! ان کفار سے پوچھئے کہ کیا تمہارے پروردگار کے لئے لڑکیاں ہیں اور تمہارے لئے لڑکے ہیں ؟ یا ہم نے ملائکہ کو لڑکیوں کی شکل میں پیدا کیا ہے اور یہ اس کے گواہ ہیں ؟"۔[2]

"کیا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا ہے اور منات جو ان کا تیسرا ہے اسے بھی دیکھا ہے تو کیا تمہارے لئے لڑکے ہیں اور اس کے لئے لڑکیاں ہیں یہ انتہائی ناانصافی کی تقسیم ہے یہ سب وہ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے طے کر لئے ہیں۔[3]

"سچ بتاؤ کیا خدا نے اپنی تمام مخلوقات میں سے اپنے لئے لڑکیوں کو منتخب کیا ہے اور تمہارے لئے لڑکوں کو پسند کیا ہے؟"۔[4]

"اور انھوں نے خدا اور جنات کے درمیان بھی رشتہ قرار دیدیا حالانکہ جنّات کو معلوم ہے کہ انھیں بھی خدا کی بارگاہ میں حاضر کیا جائے گا، خدا ان سب کے بیانات سے بلند و برتر اور پاک و پاکیزہ ہے"۔[5]

ایک تفسیر کی بنا پر خداوند عالم کی جنّ سے نسبت اور رشتہ داری اس بنا پر تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ خدا نے جنات کے ساتھ شادی کر رکھی ہے اور فرشتے (اس شادی کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں) اس کی اولاد ہیں۔[6]

۲۔ یہ بتوں کو چھوٹا خدا اور اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بتاتے ہیں اور ان کی عبادت کو خدا کی بارگاہ میں قرب اور رضایت کا باعث سمجھتے تھے۔ جبکہ عبادت صرف اللہ سے مخصوص ہے۔

دوسری طرف سے اگرچہ بتوں کو دنیا کا "خالق" نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کے لئے ایک قسم کی ربوبیت اور عالم ہونے کے مرتبہ کے قائل تھے اور ان کو دنیا کے امور کی تدبیر میں اور انسان کے تقدیر میں موثر جانتے تھے اور اپنی مشکلات اور پریشانیوں کے دور ہونے کے لئے ان سے

---

1 سورۂ طور، آیت ۳۹.

2 سورۂ صافات، آیت ۱۵۰۔ ۱۴۹.

3 سورۂ نجم، آیت ۲۳۔ ۱۹؛ لات، عزیٰ اور منات تین بتوں کے نام تھے جن کو گویا وہ فرشتوں کا روپ سمجھتے تھے چونکہ تینوں نام مونث ہیں (رجوع کریں: تفسیر نمونہ، ج ۲۲، ص ۵۱۸)

4 سورۂ زخرف، آیت ۱۶.

5 سورۂ صافات، آیت ۱۵۹۔ ۱۵۸.

6 سیوطی، الدر المنثور، ج ۷، ص ۱۳۳؛ ابن کثیر، تفسیر، ج ۴، ص ۲۳؛ طبرسی، مجمع البیان، ج ۸، ص ۴۶۰۔

مدد مانگتے تھے۔ جبکہ اسلام کی نظر میں جس طرح دنیا کا خالق "اللہ" ہے اور امور دنیا کی تدبیر (توحید افعالی) بھی صرف اسی کے ہاتھ میں ہے [1] اور بت' بے جان اور نا قابل فہم وارادہ موجودات ہیں۔

قرآن مجید ان کے بے بنیاد خیالات کو نقل کر کے' اس طرح ان کی مذمت کرتا ہے:

"اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ اور یہ لوگ کہتے ہیں: یہ خدا کے یہاں ہماری سفارش کرنے والے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم لوگ خدا کو اس بات کی اطلاع دے رہے ہو جس کا علم اسے آسمان و زمین میں کہیں نہیں ہے وہ پاک و پاکیزہ ہے اور ان کے شرک سے بلند و برتر ہے"۔ [2]

"آگاہ ہو جاؤ کہ خالص بندگی صرف اللہ کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ سرپرست بنائے ہیں یہ کہہ کر کہ ہم ان کی پرستش صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں گے۔ اللہ ان کے درمیان تمام اختلافی مسائل میں فیصلہ کر دے گا کہ اللہ کسی بھی جھوٹے اور ناشکری کرنے والے کو ہدایت نہیں دیتا ہے"۔ [3]

"خدائے یکتا کے بجائے انھوں نے دوسرے خداؤں کو اختیار کر لیا تا کہ ان کی عزت کا سبب بنے" [4]

"اور ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر دوسرے خدا بنالئے ہیں کہ شاید ان کی مدد کی جائے"۔ [5]

اسی بنا پر بت پرست' عبادت اور امور عالم کی تدبیر میں بتوں کو خدا کا شریک قرار دیتے ہیں اور قرآن مجید ان کو "مشرک" قرار دیتا ہے۔

پریشان کن مذہبی صورتحال

بہر حال ظہور اسلام کے وقت' بت پرستی وسیع پیمانے پر اپنی تمام صورتوں اور پہلوؤں کے ساتھ حنیفیت کے چہرے کو مسخ کر چکی تھی۔ اور دینی لحاظ سے مشرکین کی بہت بری حالت ہو چکی تھی ایک طرف سے بت پرست بت پرستی اور اس کے رسومات کے سختی سے پابند تھے اور دین ابراہیم کی بچی ہوئی تعلیمات جیسے حج' عمرہ اور قربانی کو ناقص' تحریف شدہ' خرافات اور شرک آمیز باتوں سے آمیختہ شکل میں انجام دیتے تھے مثلاً کعبہ کی تعظیم کے ساتھ دوسری بھی عبادت گاہیں بنا رکھی تھیں کہ جہاں کعبہ کی طرح طواف کرتے تھے اور ان کے لئے ہدیہ بھیجتے تھے

---

١ ''و قل الحمد لله الذى لم يتخذ ولداأولم يكن له شريک فى الملک و لم يكن له ولى من الذل و كبره تكبيراً۔'' (سورۂ اسراء، آیت ١١١(، ''قل اللهم مالک الملک تؤتى الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بيدک الخير انک على كل شىء قدير۔'' (آل عمران، آیت ٢٦)

٢ سورۂ یونس،(١٠) آیت ١٨(وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اﷲِ مَا لاَيَضُرُّہُمْ وَلاَيَنْفَعُہُمْ وَيَقُولُونَ ہٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اﷲِ قُلْ أَتُنَبِّءُونَ اﷲَ بِمَا لاَيَعْلَمُ فِی السَّمَاوَاتِ وَلاَفِی الْأَرْضِ سُبْحَانَہُ وَتَعَالَی عَمَّا يُشْرِكُونَ)

٣ سورۂ زمر،(٣٩)(أَلاَلِلَّہِ الدِّينُ الْخَالِصُ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِہِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُہُمْ إِلاَّ لِيُقَرِّبُونَا إِلَی اﷲِ زُلْفَی إِنَّ اﷲَ يَحْكُمُ بَيْنَہُمْ فِی مَا ہُمْ فِيہِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اﷲَ لاَيَہْدِی مَنْ ہُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ)آیت ٣۔

٤ سورۂ مریم، (١٩)(وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اﷲِ آلِہَۃً لِيَكُونُوا لَہُمْ عِزًّا)آیت ٨١.

٥ سورۂ یٰس،(٣٦)(وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اﷲِ آلِہَۃً لَعَلَّہُمْ يُنصَرُونَ)آیت ٧٤.

اور وہاں پر قربانی کرتے تھے۔[1] کعبہ کے پاس ان کی نمازیں صرف شور و غل اور تالی بجاکر ہوتی تھیں۔[2] قبیلۂ قریش والے احرام حج اور "لبیک" کہتے وقت خدا کے نام کے ساتھ بتوں کا نام لیتے تھے۔[3]

اور اس طرح سے حج ابراہیمی کو جو کہ توحید کا عالی ترین نمونہ ہے شرک سے آلودہ کرتے تھے۔ دو قبیلے اوس اور خزرج، حج کے اعمال انجام دینے کے بعد، منیٰ میں جاکر سر منڈوانے کے بجائے اپنے شہر (یثرب) کی جانب "بت منات" (جو کہ مکہ کے راستے میں دریا کے کنارے پر واقع ہے)[4]، کے پاس سر منڈاتے تھے۔[5] مشرکین (خواہ مرد ہوں یا عورت) کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے۔[6] ظاہر ہے کہ کعبہ کے پاس لوگوں کے سامنے اس طرح کے اعمال کا کتنا برا منظر رہتا رہا ہوگا۔

قریش اپنے بتوں کو کعبہ کے پاس رکھتے تھے اور اسے مشک و عنبر سے معطر کرتے تھے اور ان کے سامنے سجدہ کرتے تھے پھر اس کے چاروں طرف جمع ہو کر لبیک کہتے تھے۔[7]

گرچہ وہ ظاہری طور پر چار مہینوں کی حرمت کا خیال کرتے تھے لیکن اپنے کو اس حکم سے آزاد رکھنے کے لئے ان مہینوں کے نام اور ظاہری لحاظ سے ان کو تبدیل کر کے حرام مہینوں کو بعد میں کر دیتے تھے۔[8]

ظہور اسلام کی روشنی میں بنیادی تبدیلی

ظہور اسلام اور روز بروز اس کے فروغ کے ساتھ اہل حجاز کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں گہری اور وسیع پیمانہ پر تبدیلی رونما ہوئی۔ اور ایک مکمل انقلاب اور تبدیلی پیدا ہوئی۔ اور آہستہ آہستہ اس کے اثرات جزیرۃالعرب کے چاروں طرف پھیل گئے۔

پیغمبر اسلامؐ نے اپنی مسلسل اور پیہم جنگ کے ذریعہ اس بت پرستی کو جوان کی تمام بدبختیوں کی جڑ تھی، اکھاڑ پھینکا اور نظام توحید کو اس کی جگہ پر پیش کیا اور قبائلی اور قومی نظام نیز غلط رسم و رواج کو ختم کر دیا اور قومی عصبیت کو مٹا کر اس کی جگہ پر حق و عدل کی تعلیم دی۔ جذبۂ انتقام اور قبائلی قتل و غارت کو صلح و آشتی میں بدل دیا اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ عورت کو قید و بدبختی سے نجات دلائی اور اسے سماج میں بلند مقام عطا کیا۔ اور جاہل عوام سے آگاہ امتی بنا دیا۔

---

١ ابی الفداء اسماعیل بن کثیر، السیرة النبویہ (قاہرہ: مطبعة عیسی البابی الحلبی، ١٣٨٤ھ.ق)، ج١، ص٧؛ ابن ہشام، السیرة النبویہ، (قاہرہ: مطبعة مصطفی البابی الحلبی، ١٣٥٥ھ.ق)، ج١، ص ٨٥.

٢ سورۂ انفال، آیت ٣٥۔

٣ لبیک اللہم لبیک، لاشریک لک لبیک الا شریک ہو لک تملکہ و ما ملک۔ (ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ٨٠؛ ابن کثیر، گزشتہ حوالہ، ص ٦٣؛ شہرستانی، الملل و النحلل، ج٢، ص ٢٤٧؛ ابن کثیر البدایہ والنہایہ، ج٢، ص ٨٨)

٤ ہشام کلبی، الاصنام، ترجمہ: سید محمد رضا جلالی نایینی، ١٣٤٨، ص ١٣؛ ابن ہشام، السیرة النبویہ، ج١، ص ٨٨؛ آلوسی٧ بلوغ الارب، ج٢، ص ٢٠٢۔

٥ ہشام کلبی، گزشتہ حوالہ، ص ١٤۔

٦ ازرقی، اخبار مکہ، ج١، ص ١٧٨ اور ١٨٢؛ آلوسی، گزشتہ حوالہ، ج١، ص ٢۴٤؛ صحیح مسلم بشرح النووی، ج١٨، کتاب التفسیر، ص ١٦٢۔

٧ طباطبائی، تفسیر المیزان، ج ١٤، ص ٤١٤۔

٨ سورۂ توبہ،٩، آیت ٣٧؛ ازرقی، اخبار مکہ، ج١، ص ١٨٣؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج١، ص ٤٥.

قبائلی نظام کے بدلے، امت اور امامت کا نظام قائم کیا اور عرب کے بکھرے اور پراگندہ قبائل کو "ایک امتی" بنادیا۔ان کو قبائلی زندگی کے تنگ دائرہ سے نکال کر عالمی نظام کی طرف راہنمائی فرمائی۔اور اسلام کی روشنی میں قوم عرب کوایسی عظمت وطاقت بخشی کہ دو عظیم حکومتوں کی بنیادوں کو ہلاکر رکھ دیا اور یہ بات اتنی واضح اور روشن تھی کہ غیر مسلم مصنفوں اور دانشوروں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔بطور نمونہ ان میں سے تین لوگوں کے خیالات یہاں پر پیش کررہے ہیں :

ڈاکٹر گوستاد لوبون فرانسوی کہتا ہے : "پیغمبر اسلامؐ کا ایک عظیم معجزہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنی وفات سے قبل عرب کے پراگندہ قافلے کو ایک جگہ جمع کردیا اور اس سرگرداں اور پریشان کاروان سے، ایک ملت کی تشکیل دی اور اس طرح سب کو ایک دین کے سامنے تسلیم کے ساتھ ایک پیشوا اور رہبر کا مطیع اور فرمانبردار بنادیا۔ . .

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت محمدؐ نے اپنی زحمتوں سے ایسے نتائج حاصل کئے کہ اسلام سے قبل کوئی بھی دین خواہ وہ یہودیت ہو یا عیسائیت کسی نے ایسے نتائج نہیں حاصل کئے۔اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ کا عربوں کی گردن پر بہت بڑا حق ہے۔اگر ہم چاہیں کہ کسی ذات کی قدر واہمیت کا اندازہ اس کے کردار اور نیک آثار کے ذریعہ لگائیں تو قطعی اور مسلم طور سے حضرت محمدؐ سب سے عظیم مرد تاریخ قرار پائیں گے ۔ہم اس عظیم دین کو جسے آپ لیکر آئے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی، اس کے ماننے والوں کے لئے خدا کی جانب سے عظیم نعمت سمجھتے ہیں۔[1]

توماس کارلایل انگریز کہتا ہے : خداوند عالم نے عرب کو اسلام کے ذریعہ، تاریکی سے اجالے اور روشنی کی طرف ہدایت فرمائی اور اس کی روشنی میں عرب کی خاموش قوم کو اس مردہ سرزمین پر زندہ کردیا، جبکہ عرب آغاز خلقت سے بے نام ونشان صحراوؤں میں، تہی دست تھے جو دیہاتوں میں زندگی بسر کرتے تھے نہ ان کی آواز سنائی پڑتی ہے اور نہ ہی ان کی طرف سے کوئی حرکت اور جنبش نظر آتی ہے۔خداوند عالم نے جس وقت ایک پیغمبر کو نور وحی اور رسالت کے ساتھ ان کی ہدایت کے لئے بھیجا تو ان کی گمنامی کو شہرت میں اور ان کی حیرت اور سرگردانی کو بیداری میں اور ان کی پستی وحقارت کو سربلندی میں اور عاجزی وناتوانی کو قدرت مندی میں تبدیل کردیا۔اس کا نور جہاں چمکا اس کی روشنی سے وہاں کی جگہ منور ہوگئی اور اس کی ہدایت کی روشنی دنیا کے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب تمام سمتوں میں اس طرح پھیل گئی کہ ظہور اسلام کو ایک صدی بھی نہیں گزری تھی کہ اسلامی حکومت نے اپنا ایک قدم ہندوستان اور دوسرا قدم اسپین میں رکھ دیا۔[2]

ویل ڈورانٹ لکھتا ہے : اس وقت کسی نے خواب بھی نہیں دیکھا تھا کہ ایک صدی بعد، یہ خانہ بدوش حکومت روم کے ماتحت رہنے والے علاقے نصف ایشا، پورے ایران، مصر اور شمال افریقا کا زیادہ تر علاقہ فتح کرکے، اسپین کی طرف بڑھ جائیں گے۔سچ ہے کہ یہ تاریخی سورج جو عربستان سے طلوع ہوا تھا اس کے ذریعہ عرب مڈیٹرانہ کے نصف علاقے پر مسلط ہوگئے اور دین اسلام کو وہاں پر پھیلانا، قرون وسطیٰ کے حیرت انگیز اجتماعی واقعات میں سے ہے۔[3]

---

1 تمدن اسلام اور غرب، ترجمہ : سیدہاشم رسولی (تہران : کتابفروشی اسلامی)، ص ۱۳۰۔۱۲۸.

2 الابطال، عربی ترجمہ : محمد السباعی کے قلم سے (قاہرہ : ط ۳، ۱۳۴۹ھ.ق)، ۹.

3 ویل ڈورانٹ، تاریخ تمدن، ج ۴، عصر ایمان، (بخش اول)، ترجمہ : ابوطالب صارمی (تہران : سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی، ط ۲، ۱۳۶۸، ص ۱۹۷.

شہر مکہ کی توسیع اور مرکزیت

پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ جزیرۃالعرب کے زیادہ تر لوگ زمانۂ جاہلیت میں بادیہ نشین اور صحرا نورد ہوتے تھے۔ کیونکہ شہر نشینی حجاز کے علاقہ میں زیادہ رائج نہیں تھی اس علاقہ میں آبادیوں کے لحاظ سے جسے شہر کہا جاتا تھا در حقیقت وہ چھوٹے شہر ہوا کرتے تھے۔ جس میں زیادہ آبادی نہیں ہوا کرتی تھی۔ بعض معاصر مورخین اس علاقہ کے شہر نشینوں کی آبادی کو ۱؍۶[1] اور بعض دوسرے مورخین پوری آبادی کا ۱۷ فیصد[2] حصہ سمجھتے تھے۔ اس محاسبہ کا اصول واضح نہیں ہے لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ شہر نشینوں کی آبادی کا تناسب فیصد کے لحاظ سے بہت کم ہوا کرتا تھا۔ ان میں سے صرف شہر مکہ میں جو حجاز کے جنوبی علاقہ (بحر احمر سے تقریباً ۸۳... کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے) میں ایک اہم شہر تھا' ظہور اسلام سے چند صدی قبل اس میں توسیع ہوئی اور آہستہ آہستہ وہاں بہت سارے لوگ آکر بس گئے۔

مکہ کی توسیع کے دو اسباب تھے:

الف: تجارتی مرکز: چونکہ شہر مکہ ایک خشک و بے آب و گیاہ اور سنگلاخ علاقہ میں واقع ہے لہٰذا زراعت یا کارخانے اور فیکٹریوں کے لگانے کے امکانات اور وسائل وہاں مہیا نہیں تھے وہاں کے لوگ قدیم زمانے سے مجبور تھے کہ اپنی زندگی' تجارت کے ذریعہ چلائیں۔ لیکن ان کی تجارت صرف مکہ تک محدود تھی۔[3]

عرب کے علاوہ دوسرے تاجر اپنے مال کو مکہ میں لاکر بیچتے تھے۔ تجارتی مال شہر کے تاجروں کے ذریعہ خریدا جاتا تھا اور پھر شہر میں بیچا جاتا تھا۔[4] یا جزیرۃالعرب کے اندر فصلی بازار میں لیجاکر وہ بیچتے تھے۔ یہاں تک کہ جناب ہاشم (پیغمبر اسلامؐ کے دوسرے جد) نے امیر شام (جو کہ حکومت روم کا پٹھو تھا) کے ساتھ ایک پیمان باندھا' تاکہ مکہ کے تجار آزادی کے ساتھ اس ملک سے آمد و رفت کر سکیں۔[5]

اس کے علاوہ انھوں نے ایسے قبائل سے پیمان باندھا جو شام کے راستے میں واقع تھے تاکہ مکہ کے تجارتی قافلوں سے تعرض نہ کریں[6] اور ان سے عہد کیا کہ ان کی اشیاء تجارتی بغیر کرایہ لئے ہوئے تجار مکہ کے توسط سے محل تجارت تک پہنچائی جائیں گی۔[7] اور آپ کے بھائیوں (عبد الشّمس' نوفل اور مطلب) نے بھی اسی طرح کے عہد و پیمان' حاکم حبشہ' شہنشاہ ایران[8] اور شہنشاہ یمن[9] کے ساتھ کئے۔

---

1 ویل ڈورانٹ' گزشتہ حوالہ' ص ۲۰۰.

2 فیلیپ حتی' تاریخ عرب' ترجمہ: ابوالقاسم پایندہ' ۱۳۴۴' ج۱' ص ۱۲۵.

3 ابن واضح' تاریخ یعقوبی' (نجف: مکتبۃالحیدریہ' ۱۳۸۴ھ.ق) 'ج۱' ص ۲۱۵.

4 محمد بن حبیب بغدادی' المنمق فی اخبار قریش' تحقیق: خورشید فارق (بیروت: عالم الکتب' ط۱' ۱۴۰۵ھ.ق) 'ص ۴۲

5 ابن واضح' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۲۱۴.

6 گزشتہ حوالہ' ص ۲۱۳.

7 ابن سعد' طبقات الکبریٰ' (بیروت: دار صادر)' ج۱' ص ۷۸.

8 ابن واضح' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۲۱۵.

9 محمد بن جریر طبری' تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار قاموس الحدیث)' ج۲' ص ۱۸۰؛ ابن اثیر' الکامل فی التاریخ' (بیروت: دار صادر)' ج۲' ص ۱۶.

راستوں کی امنیت کے بعد، جناب ہاشم نے یمن اور شام میں تجارتی خطوط کی بنیاد ڈالی[1] کہ جس کا حلقۂ اتصال مکہ تھا، جو ان دو تجارتی مرکز کے نصف راستے میں واقع تھے۔[2] اس طرح سے قریش نے دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کا آغاز کیا۔[3] اس وقت سے مکہ کے تجار، فصلی بازاروں جیسے ''عکاظ، ذوالمجاز اور مجنہ'' میں شرکت کرنے کے علاوہ جاڑے کی فصل میں یمن، حبشہ اور گرمی کی فصل میں شام اور غزہ کا سفر کرتے تھے۔

وہ لوگ ان مسافرتوں میں عطریات، بخور، ریشمی لباس، چمڑا اور دوسروں چیزوں کو جو ہندوستان، چین اور دوسرے علاقوں سے یمن میں آیا کرتی تھیں خرید کر خشکی کے راستے سے تمام جزیرۃالعرب میں حضر موت کے راستہ بحر احمر[4] کے سامنے سے ہوتے ہوئے مکہ میں لایا کرتے تھے پھر غزہ، بیت المقدس، دمشق اور بحر مڈیٹرانہ کی بندرگاہ تک پہنچایا کرتے تھے۔ اور شام کے بازاروں سے گیہوں، تیل، زیتون، لکڑی، اور ریشم کی بنی ہوئی چیزوں کو خریدتے تھے۔ اسی طرح سے جدہ کی بندرگاہ کے ذریعہ (جو کہ مکہ سے ۸۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے) بحر احمر کو عبور کر کے حبشہ میں داخل ہوتے تھے اور اس طرح علاقائی چیزوں کو دوسری جگہ لیجاتے تھے۔[5]

اس تجارتی راہ کے کھلنے سے، شہر مکہ، ایک پر منفعت تجارتی مرکز میں تبدیل ہو گیا اور وہاں کے رہنے والوں کی زندگی میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی اور خداوند عالم نے اس تجارتی سفر کی برقراری کو قریش کے لئے راحت وآرام کا سبب قرار دیا ہے ''قریش کے انس والفت کی خاطر، جو انھیں سردی اور گرمی کے سفر سے ہے ابرہہ کو ہلاک کر دیا ہے۔ لہٰذا انھیں چاہئے کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے انھیں بھوک میں سیر کیا ہے اور خوف سے محفوظ رکھا''۔[6]

ب: کعبہ کا وجود: شہر مکہ کی توسیع اور اس کی اقتصادی رونق کا ایک دوسرا سبب کعبہ کا وجود تھا کیونکہ عرب کے لوگ سال میں دوبار اعمال حج انجام دینے کے لئے اس شہر میں آتے تھے اور قریش جو کہ کعبہ سے متعلق مختلف امور کے ذمہ دار تھے حجاج کے قیام وبعام کا انتظام کرتے تھے۔ دوسری طرف سے اعمال حج کے ساتھ زائروں اور مکہ کے تاجروں کے درمیان تجارتی معاملات بھی انجام پاتے تھے۔[7] اور یہ دو چیزیں شہر کی توسیع اور اقتصادی رونق میں مددگار ثابت ہوئیں۔

البتہ سرزمین حرم کا تقدس واحترام بھی جو کہ اطراف حرم میں امن وسکون کا سبب بنا ہوا تھا مکہ کی تجارتی رونق میں بہت زیادہ موثر ثابت ہوا۔ جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: ''اور یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ حق کی پیروی کریں گے تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے۔ تو کیا

---

1 طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸۰؛ ابن ہشام، السیرۃالنبویہ، (قاہرہ: مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ.ق)، ج۱، ص ۱۴۳.
2 احمد امین، فجر الاسلام، (قاہرہ: مکتبۃالنہضہ المصریہ، ط۹، ۱۳۶۴.)، ص ۱۴۔ ۱۲؛ ڈاکٹر شوقی ضیف.
3 طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ؛ ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ص ۱۶.
4 احمد امین، گزشتہ حوالہ، ص ۱۲؛ عبدالمنعم ماجد، التاریخ السیاسی للدولۃالعربیہ)، (قاہرہ: مکتبۃالابحلوالمصریہ) ص۷۹.
5 حسن ابراہیم حسن، تاریخ سیاسی اسلام، ترجمہ: ابوالقاسم پاینده (تہران: انشارات جاویدان، ط۴، ۱۳۶۰ء ھ.ق)، ص۵۶.
6 سورۂ قریش، آیت ۴۔۱.
7 عباس زریاب، سیرۂ رسول اللہؐ (تہران: سروش، ط۱، ۱۳۷۰)، ص۶۷۔۶۶.

ہم نے انھیں ایک محفوظ حرم پر قبضہ نہیں دیا ہے جس کی طرف ہر شیء کے پھل ہماری دی ہوئی روزی کی بنا پر چلے آرہے ہیں لیکن ان کی اکثریت سمجھتی ہی نہیں ہے"۔[1]

جناب ابراہیمؑ نے بھی اپنی شریک حیات اور بچوں کو کعبہ کے پاس ٹھہرانے کے بعد خدا کی بارگاہ میں اس طرح سے دعا فرمائی: "پروردگار! میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انھیں پھلوں کا رزق عطا فرما تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں"۔[2]

"اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار اس شہر کو امن کا شہر قرار دیدے اور اس شہر کے ان لوگوں کو جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں پھلوں کا رزق عطا فرما"۔[3]

ارشاد ہوا کہ پھر جو کافر ہو جائیں گے انھیں دنیا میں تھوڑی نعمتیں دے کر آخرت میں عذاب جہنم میں زبردستی دھکیل دیا جائے گا جو بدترین انجام ہے۔

قریش کی تجارت اور کلید برداری

دو چیزیں، تجارت اور کعبہ کا وجود، شہر مکہ کی توسیع اور مرکزیت کا سبب قرار پائیں اور مکہ میں قریش کے اقتدار کے اضافہ کا باعث بھی بنیں کیونکہ اقتصادی طاقت اور کعبہ کے سارے مذہبی پروگرام ان کے اختیار میں تھے۔

ا۔ قریش نے آہستہ آہستہ تجارت کے ذریعہ بے شمار دولت جمع کرلی اور مکہ میں بڑے بڑے ثروت مند پیدا ہوگئے جن میں بعض کی دولت وثروت کی مقدار مبالغہ آمیز بتائی گئی ہے۔ جیسا کہ ان میں سے ایک کی دولت کی مقدار ایک قافلہ میں تیس ہزار دینار سے زیادہ تھی۔[4]

قریش کی اہم شخصیتوں کے پاس سیاحتی علاقے اور طائف جیسی پاکیزہ جگہ جو آب و ہوا کے لحاظ سے سرزمین شام کا ایک حصہ سمجھی جاتی ہے۔[5] باغات اور سیاحتی مراکز موجود تھے۔[6] عباس ابن عبد المطلب کے پاس طائف میں انگور کا باغ تھا کہ جس کا انگور شراب بنانے کے لئے مکہ جایا کرتا تھا[7] اور وہ مکہ کے بڑے سود خوروں میں سے تھا[8] عبد المطلب کے مرنے کے بعد انھیں دو یمنی کپڑوں میں لپیٹا گیا جس کی قیمت ہزار

---

1 سورۂ قصص، آیت ۵۷.

2 سورۂ ابراہیم، آیت ۳۷.

3 سورۂ بقرہ، آیت ۱۲۶.

4 جواد علی، المفصل فی التاریخ العرب (بیروت: دار العلم للملایین، ط۱، ۱۹۶۸ء)، ج۱، ص ۱۱۴۔ گویا مقصود، سعید ابن العاص (ابی احیحہ) ہے کہ واقدی کے بقول (المغازی، ج۱، ص ۲۷) شام سے پلٹتے وقت جنگ بدر کے موقع پر قریش کے قافلہ کی سب سے زیادہ دولت اس کے پاس تھی۔ لیکن واقدی کی عبارت اس صراحت کے ساتھ نہیں ہے۔

5 فیلیپ حتی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳۰ .

6 طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۲۱؛ بلاذری، فتوح البلدان، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۸ھ.ق)، ص ۶۸۔

7 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۶۸۔

8 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۴، ص ۲۵۱

مثقال سونا تھی۔[1] (جس سے ان کے ورثہ کی دولت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے) ٗکہا جاتا ہے کہ ان کی لڑکی ''ہند'' نے ایک دن میں چالیس غلاموں کو آزاد کیا۔[2] ولید بن مغیرہ (قبیلۂ بنی مخزوم کا سردار) جس کے پاس بے شمار دولت اور متعدد اولادیں تھیں وہ ہر جگہ مشہور تھا۔[3] بعد میں غرور اور گھمنڈ کی بنا پر ٗقرآن نے اس کی سرزنش کی[4] عبداللہ بن جدعان تیمی کی دولت اور اس کی عمومی مہمان نوازی افسانے کے طور پر نقل ہوئی ہے۔[5] شعراء ٗانعام واکرام کی خاطر اس کی مدح سرائی کرتے تھے۔[6]

ایک شاعر نے اس کو ''قیصر'' سے تشبیہ دی تھی۔[7] کہتے ہیں کہ اس نے قبیلہ جاتی جنگ میں اپنے ساتھیوں اور لڑنے والوں کو ۱۰۰۰ اونٹ دے رکھے تھے۔[8] اور سو (۱۰۰) لوگوں کو اپنے خرچ پر مسلح کیا تھا۔[9] وہ غلاموں کو رکھتا تھا اور کنیزوں کو فروخت کرتا تھا۔[10] اور سونے کے برتن میں پانی پیتا تھا۔[11] پیغمبر اسلامؐ نے فتح مکہ کے بعد جس وقت جنگ حنین کے لئے روانہ ہوئے۔ تو صفوان امیہ (مکہ کا ایک مشرک) سے سو (۱۰۰) زرہ اور ضروری اسلحے امانت کے طور پر لئے۔[12]

۲۔ دوسری طرف سے ٗقریش نے قصی (رسول خداؐ کے چوتھے جد) کے زمانہ سے کعبہ کی کنجی قبیلۂ خزاعہ کے ہاتھوں سے لے رکھی تھی۔[13] اور حج وزیارت اور طواف سے مربوط مختلف ذمہ داریاں ٗجیسے حاجیوں کے لئے پانی کی فراہمی (سقایہ) اور قیام وبعام کا انتظام (رفادہ) کعبہ کی دربانی اور پردہ داری (سدانہ) اور کعبہ کی نگہبانی اور خدمت گزاری (عمارہ) قریش کے مختلف سرداروں کے درمیان بٹی ہوئی تھی اور اس طرح سے انھیں مذہبی حمایت بھی حاصل تھی۔

---

1 ابن واضح ٗگزشتہ حوالہ ٗج۱ ٗص ۱۰۔
2 شوقی ضیف ٗگزشتہ حوالہ ٗص۵۱؛ جاحظ ٗالمحاسن والاضداد (بیروت : دار مکتبہ عرفان) ٗص ۶۲۔ فصل محاسن السخاء)۔
3 ایک تفسیر کے مطابق۔ آیت ''لولا نزل ہذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم۔'' (سورۂ زخرف ٗآیت ۳۱.) میں دو بڑی شخصیتوں سے مراد مکہ میں ولید ابن مغیرہ ٗاور طائف میں عروہ ابن مسعود ثقفی تھے کہ مشرکین ان کی بے شمار دولت کی بنیاد پر انھیں نبوت کے لئے نامزد کئے ہوئے تھے۔
4 طباطبائی ٗ تفسیر المیزان ٗج ۲ ٗص ۹۳؛ ابن کثیر ٗ تفسیر ٗج ۴ ٗص ۴۴۲؛ تفسیر سورۂ المدثر۔
5 ابن کثیر ٗالبدایہ والنہایہ ٗ (بیروت : مکتبہ المعارف ٗط ۲ ٗ ۱۹۷۷ء) ٗج ۲ ٗص ۲۲۹؛ آلوسی ٗگزشتہ حوالہ ٗج۱ ٗص ۸۹؛ محمد احمد جاد المولی بک (ومعاونین) ٗایام العرب فی الجاہلیہ (بیروت : داراحیاء التراث العربی) ٗص ۲۴۸۔
6 آلوسی ٗگزشتہ حوالہ ٗ ۸۷؛ ابن کثیر ٗگزشتہ حوالہ ٗص ۲۲۹۔
7 یوم بن جدعان ٗبجنب الحزورۃ کانہ قیصر او ذوالد سکرہ (بکری ٗمعجم ما ستعجم ٗعالم الکتب ٗط ۳ ٗ ۱۴۰۳ھ.ق) ٗج ۲ ٗص ۴۴۴؛ لفظ حزورہ؛ شوقی ضیف ٗگزشتہ حوالہ ٗ ص ۵۱)

8 محمد احمد جاد المولی بک ٗگزشتہ حوالہ ٗص ۳۳۴۔

9 گزشتہ حوالہ ٗص ۳۲۹۔
10 ابن قتیبہ ٗالمعارف ٗ تحقیق : ثروت عکاشہ (قم : منشورات الشریف الرضی ٗط ۱ ٗ ۱۴۱۵ھ.ق) ٗص ۵۷۶؛ مسعودی ٗ مروج الذہب ٗ (بیروت : دار الاندلس ٗ ط ۱) ٗج ۲ ٗص ۲۸۷؛ جواد علی ٗگزشتہ حوالہ ٗص ۹۶۔
11 آلوسی ٗگزشتہ حوالہ ٗص ۸۷۔
12 ابن ہشام ٗگزشتہ حوالہ ٗج ۴ ٗص ۸۳؛ واقدی ٗالمغازی ٗ تحقیق : مارسڈن جانس ٗج ۳ ٗص ۸۹۰؛ ابن سعد ٗ طبقات الکبریٰ ٗ (بیروت : دار صادر) ٗج ۲ ٗص ۱۵۰؛ حلبی ٗالسیرۃ الحلبیہ (بیروت : دار المعرفہ) ٗج ۳ ٗص ۶۳۔ اسی طرح رسول خداؐ اپنے چچازاد بھائی نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار نیزہ ٗامانت کے طور پر لیا (حلبی ٗگزشتہ حوالہ ٗ) یہ سب ان کے عظیم مالی اقتدار کی علامت تھا۔
13 ازرقی ٗاخبار مکہ ٗ تحقیق : رشدی الصالح ملحس (قم : منشورات الرضی ٗط ۱ ٗ ۱۴۱۱ھ.ق) ٗج ۱ ٗص ۱۰۷؛ ابن ہشام ٗگزشتہ حوالہ ٗج ۱ ٗص ۱۳۰۔

اس کے علاوہ شہر کے اجتماعی امور کو بھی جیسے پرچم داری، دیت اور نقصان کا بدلہ دینے میں نظارت اور اختلافات کو ختم کرنے کی نمایندگی کو اپنے قبیلوں کے درمیان بانٹ کر شہر کے کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔[1]

قریش کا اقتدار اور اثر و رسوخ

قریش جن کا شمار ایک زمانہ میں ایک چھوٹے خاندان میں ہوا کرتا تھا اور فقیر و تنگدست سمجھے جاتے تھے اور جنوب حجاز میں انکا کوئی مقام ودرجہ نہیں تھا وہ اپنے اقتصادی اور دینی انتظامات کی بناپر آہستہ آہستہ عرب کے ایک طاقتور قبیلہ کی شکل میں ظاہر اور معروف ہوئے۔

اور شرف وبزرگی اور اہمیت کے اعتبار سے اپنے کو دوسرے قبیلوں سے بلند کردیا۔ایک معاصر مورخ کے کہنے کے مطابق اس وقت قبیلۂ قریش حجاز کے تمام قبیلوں کی بہ نسبت بہت زیادہ امتیازات وخوبیاں رکھتا تھا۔ جس طرح سے لاوی لوگ حجاز کے یہودیوں کے درمیان اور راہب عیسائیوں کے درمیان امتیاز رکھتے تھے۔[2]

خاص طور سے ہاتھیوں کے لشکر اور ابرہہ کی شکست کے بعد قریش جو کہ کلید دار کعبہ تھے ان کا احترام لوگوں کی نظروں میں بڑھ گیا۔[3] اور انھوں نے اس واقعہ سے اپنے حق میں اور فائدے اٹھائے۔ اپنے کو "آل اللہ، جیران اللہ اور سکان اللہ" کہتے تھے۔[4] اور اس طرح انہوں نے اپنے مذہبی مراکز کو ہموار کیااوران کی قدرت وطاقت کے احساس نے انھیں فساد اور انحصار طلبی کی طرف مائل کردیا۔[5] اور اس طرح سے انھوں نے دوسرے قبائل پر اپنی طرف سے نئے قوانین کا سلسلہ تھوپ دیا۔ مثلاً قریش دوسرے قبیلوں سے بغیر کسی شرط کے لڑکی لاتے تھے۔

لیکن اپنی لڑکیوں کو اس شرط پر انھیں دیتے تھے کہ قریش کی خاص دینی بدعتیں مخصوصاً اعمال حج اور طواف کو وہ قبول کرلیں۔[6] اور جو مسافر مکہ میں داخل ہوتے تھے ان سے ٹیکس وصول کرتے تھے۔[7] اوراسے قریش کا حق سمجھتے تھے۔[8]

---

1 ابن عبد ربہ (العقد الفرید، (بیروت: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۳ھ.ق) ج۳، ص ۳۱۴؛احمد امین گزشتہ حوالہ، ۲۲۷؛آلوسی گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۴۵؛البتہ یہ اقدامات بعض عیسائی مورخین جیسے جرجی زیدان اور لامنس کے تصور کے برخلاف، اس دور کے حکومتی محکموں اور دفتروں جیسا نہیں تھا بلکہ ایک ابتدائی اور قبیلہ کی شکل رکھتا تھا۔

2 فیلیپ حتی گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۔

3 ابن ہشام گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۵۹؛ازرقی گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۷۶۔

4 ابن عبد ربہ گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۳۱۳؛ازرقی گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۶۔

5 ازرقی گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۶۔

6 گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۹؛آلوسی گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۴۳۔

7 ابن سعد گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۷۰۔

8 جواد علی گزشتہ حوالہ، ج۴، ص ۲۱۔

اس کے علاوہ حج کا پروگرام وہ اپنے ہاتھ میں رکھ کر حاجیوں کو اپنے قوانین کا اس طرح تابع بناتے تھے کہ حاجیوں کی روانگی منیٰ اور رمی جمرات سے ان کی اجازت پر موقوف ہوتی تھی۔[1]

اسی طرح قریش اہل مکہ کے علاوہ دوسرے حاجیوں کو مجبور کرتے تھے کہ طواف کا لباس ان سے خریدیں ورنہ برہنہ طواف کریں اور اگر انھوں نے اپنے لباس میں طواف کیا تو طواف کے بعد اسے پھینک دیں۔[2] (تاکہ مجبور ہو کر قریش سے لباس خریدیں) اور حاجیوں کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے پاس موجود غذا کو استعمال کریں بلکہ اہل مکہ کی تیار کردہ غذا استعمال کریں۔[3] (اور ان کے بازاروں سے غذائیں خریدیں) ۹ھ میں پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ کو مکہ بھیجا تاکہ مشرکین سے برائت کا اعلان کریں۔ قطعنامہ کی ایک شق جس کا علیؑ نے حج کے عمومی پروگرام میں اعلان کیا یہ تھی کہ آج کے بعد سے کوئی بھی کعبہ کا برہنہ طواف نہ کرے۔[4]

مکہ میں قریش کے اثر ورسوخ کا پتہ لگانا اس اعتبار سے قابل اہمیت ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے پیغمبر اسلاؐم کی پریشانیوں اور مشکلات کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور پھر غور کریں کہ آنحضرؐت کا سامنا کتنے بڑے اور طاقتور دشمن سے تھا۔ خاص طور پر مکہ میں دعوت اور تبلیغ دین کے دوران بغیر کسی قوت وطاقت و نیز محدود حامیوں کے ساتھ، قریش سے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے پنجہ سے پنجہ لڑا دیا!

1 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۶۹؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۱۲۵، ۱۳۰؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ج ۲، ص ۲۰؛ ازرقی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸۹۔

2 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۷۲؛ ازرقی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۴، ۱۷۸، ۱۸۲؛ کعبہ کا برہنہ طواف جس کے بارے میں پہلے بیان کرچکے ہیں اور نیز اس خاتون کی داستان جس نے بہت ہی بری حالت میں طواف کیا اور کہتی تھی: الیوم یبدو بعضہ او کلہ۔ وما بدا منہ فلا احلہ، اس سختی اور انحصار طلبی کے نتیجہ میں تھا (ازرقی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۱۷۸، ۱۸۲؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۴، ص ۱۹۰؛ آلوسی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۴۴؛ صحیح مسلم بشرح النووی، ج ۱۸، ص ۱۶۲، کتاب التفسیر.)

3 ازرقی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۷.

4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۴، ص ۱۹۰.

دوسرا حصہ

- حضرت محمدؐ ولادت سے بعثت تک
- پہلی فصل: اجداد پیغمبر اسلامؐ
- دوسری فصل: حضرت محمدؐ کا بچپن اور جوانی
- تیسری فصل: حضرت محمدؐ کی جوانی

پہلی فصل

اجداد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسب و نسب

حضرت محمد مصطفیؐ کے سلسلۂ نسب میں، آپ کے بیس اجداد کا تذکرہ اس طرح سے موجود ہے :

عبد المطلب، ہاشم، عبد مناف، قصی، کلاب، مرہ، کعب، لوی، غالب، فھر، مالک، نضر، کِنانہ، خزیمہ، مدرکہ، الیاس، مُضَر، نِزار، مُعَدّ اور عدنان۔[1]

لیکن حضرت اسماعیلؑ تک آنحضرتؐ کے دوسرے اجداد اور ان کے ناموں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔[2]

آپ اپنے سلسلۂ نسب کو بیان کرتے وقت جب عدنان پر پہنچتے تھے تو ٹھہر جاتے تھے اور بقیہ کو نہیں بیان فرماتے تھے۔[3] اور دوسروں کو بھی اسی بات کی نصیحت فرماتے تھے۔[4] اور عدنان سے اسماعیلؑ تک اپنے اجداد کے سلسلۂ نسب کے بارے میں فرمایا: کہ اہل نساب نے جو بات کہی ہے وہ جھوٹ ہے۔[5]

---

1 طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج ۲، ص ۱۹۱؛ ابن اثیر، اسد الغابہ (تہران: المکتبۃ الاسلامیہ)، ج ۱، ص ۱۳؛ طبرسی، اعلام الوری (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ط ۳)، ص ۶-۵۔

2 ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳؛ ابو بکر احمد بن حسین بیہقی، دلائل النبوۃ، ترجمہ: محمود مہدوی دامغانی (تہران: مرکز انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۶۱)، ص ۱۱۸؛ مسعودی، التنبیہ والاشراف (قاہرہ: دار الصاوی للطبع والنشر)، ص ۱۹۶-۱۹۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ج ۲، ص ۳۳؛ جمال الدین احمد بن عنبہ، عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب (قم: منشورات الرضی، ط ۲)، ص ۲۸۔

3 ابن سعد، طبقات الکبری، (بیروت: دار صادر)، ج ۱، ص ۵۶؛ ہشام بن محمد الکلبی، جمہرۃ النسب، تحقیق: ناجی حسن (بیروت: عالم الکتب، ط ۱)، ص ۱۷۔

4 ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعۃ العلمیہ)، ج ۱، ص ۱۵۵؛ طبرسی، گزشتہ حوالہ، ص ۶؛ مجلسی، بحار الانوار، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ)، ج ۱۵، ص ۱۰۵۔

5 کلبی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۵۶؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۵؛ ابن عنبہ، گزشتہ حوالہ، ص ۲۸۔

عرب کے تمام قبیلے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ "قحطانی اور "عدنانی"[1] اور قریش عدنان (رسول خداؐ کے بیسویں جد) سے انتساب کی بناپر، عدنانی کہے جاتے ہیں۔ عدنانی عرب میں، جس کا خاندان اور سلسلۂ نسب نضر بن کنانہ سے ملتا ہے وہ قرشی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ قریش، آپ کا نام یا لقب تھا۔[2]

قبیلۂ قریش[3] متعدد خاندانوں اور حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ جیسے بنی مخزوم، بنی زہرہ، بنی امیہ، بنی سہم اور بنی ہاشم[4] اور حضرت محمدؐ آخری خاندان سے تھے۔

حضرت عبد المطلب کی شخصیت

حضرت محمدؐ کے اجداد میں ہم زیادہ تر معلومات آپ کے پہلے جد عبد المطلب کے بارے میں رکھتے ہیں کیونکہ ان کا دور حیات عصر اسلام سے نزدیک رہا ہے۔

جناب عبد المطلب، ایک ہر دل عزیز، مہربان، عقلمند، سرپرست اور قریش کی ایسی پناہ گاہ تھے[5] جن کا کوئی مقابل اور رقیب نہیں تھا۔ وہ تمام عظیم الٰہی شخصیتوں کی طرح اپنے معاشرے میں نمایاں کردار رکھتے تھے۔ طولانی عمر پانے کے باوجود مکہ کے آلودہ سماج کے رنگ میں اپنے کو کبھی نہیں رنگا۔ اس وقت مکہ میں معاد کا عقیدہ نہیں پایا جاتا تھا یا بہت کم تھا۔ لیکن عبد المطلب نہ صرف معاد کا عقیدہ رکھتے تھے بلکہ روز

---

1 پہلے گروہ کو یمانی (یمنی) اور دوسرے گروہ کو مضری، نزاری اور قیسی بھی کہتے ہیں۔

2 ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۴؛ ابن عنبہ، گزشتہ حوالہ، ص ۲۶؛ طبرسی، گزشتہ حوالہ، ص۶؛ ابن قتیبہ، المعارف، تحقیق: ثروۃ عکاشہ (قم: منشورات الرضی، ۱۴۱۵ھ.ق)، ص۶۷؛ طبرسی، مجمع البیان، (تہران: شرکۃ المعارف الاسلامیہ)، ج۱۰، ص ۵۴۵؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، (قاہرہ: مطبعۃ مصطفٰی البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ.ق)، ج۱، ص۹۶؛ ابن عبد ربہ، العقد الفرید (دار الکتاب العربی، ۱۴۰۳ھ.ق)، ج۳، ص ۳۱۲؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، (قاہرہ: مطبعۃ عیسی البابی الحلبی)، ج۱، ص ۸۴؛ محمد امین بغدادی سویدی، سبائک الذہب فی معرفۃ قبائل العرب (بیروت: دار صعب)، ص ۶۲؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، (نجف: المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۳ھ.ق)، ج۱، ص ۲۰۴۔ بعض اہل نساب نے، فہر بن مالک بن نضر کو قرشی کہا ہے۔ رجوع کریں: کلبی، گزشتہ حوالہ، ص۲۱؛ ابن سعد. گذشتہ حوالہ، ص۵۵؛ ابن عنبہ، گذشتہ حوالہ، ص۲۶؛ ابن ہشام، گذشتہ حوالہ، ص۹۶؛ محمد امین بغدای، گذشتہ حوالہ، ص۶۲؛ ابن واضح، گذشتہ حوالہ، ص ۲۰۴؛ ابن حزم، جمھرۃ انساب العرب (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط۱، ۱۴۰۳ھ.ق)، ص۱۲؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، (انسان العیون) (بیروت: دار المعرفہ)، ج۱، ص۲۶۔ ۲۵۔ دوسرے اقوال بھی اس بات میں موجود ہیں کہ جن کا ذکر کرنا فائدہ نہیں رکھتا۔ رجوع کریں: السیرۃ الحلبیہ، ج۱، ص۲۷۔

3 عرب کے قبیلے اور گروہ چھوٹے اور بڑے ہونے کے لحاظ سے اور اس کے اندر جو شاخیں پیدا ہوئی تھیں ان کے اعتبار سے ترتیب وار انھیں شعب، قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ اور فصیلہ کہا جاتا تھا۔ جیسے خزیمہ، شعب، کنانہ، قبیلہ، قریش، عمارہ، قصی، بطن، ہاشم، فخذ، اور عباس کو فصیلہ کہا جاتا تھا (ابن حزم، العقد الفرید، ج۳، ص ۳۳۰؛ ڈاکٹر حسین مؤنس، تاریخ قریش، (دار السعودیہ، ط۱، ۱۴۰۸ھ.ق)، ص ۲۱۵) اس بنیاد پر بعض دانشوروں نے قریش کو "قبیلہ" اور بعض نے "عمارہ" کہا ہے۔ لیکن اس بات کا خیال رہے کہ اس تقسیم بندی کی بنیاد اور اصل، محل بحث ہے۔ اور اصولی طور پر بعض محققین نے اس تقسیم بندی کو قبول نہیں کیا ہے۔ (تاریخ قریش، ص ۲۱۶۔ ۲۱۵)، ہم یہاں پر اس بحث سے ہٹ کر صرف آسانی کے لئے قریش کو قبیلہ کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں۔

4 مسعودی نے قبیلۂ قریش میں ۲۵ خاندان بتائے ہیں اور ان کا نام ذکر کیا ہے۔ (مروج الذہب، (بیروت: دار الاندلس، ط۱، ۱۹۶۵)، ج۲، ص ۲۶۹)

5 حلبی، گزشتہ حوالہ، ص۶۔

قیامت کی جزااور سزا کے بارے میں بھی تاکید فرماتے تھے اور کہتے تھے : اس دنیا کے بعد ایسی دنیاآئے گی جس میں اچھے اور برے لوگ ' اپنے اعمال کی جزااور سزا پائیں گے۔[1]

جبکہ اس وقت جزیرۃالعرب کے ماحول میں قبیلہ جاتی عصبیت عام تھی اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ہر شخص جھگڑے اور اختلافات میں (بغیر حق و باطل کا خیال کئے) اپنے قبیلے' خاندان اور احباب کی حمایت کرتا تھا۔ لیکن جناب عبد المطلب ' ایسے نہیں تھے۔ چنانچہ حرب بن امیہ جو کہ آپ کے خاندان اور دوستوں میں سے تھا اس پر اتنا دباؤ ڈالا' تاکہ وہ ایک یہودی کا خون بہا دیدے جو اس کے ورغلانے پر قتل ہوا تھا[2] وہ اپنی اولاد کو ظلم و ستم اور دنیا کے پست اور گھٹیا کاموں سے منع کرتے تھے اور اچھے صفات کی ترغیب دلاتے تھے۔[3]

جناب عبد المطلب کا جو طریقہ کار تھا اسلام نے زیادہ تر اس کی تائید فرمائی ہے۔ ان میں کچھ چیزوں ' جیسے حرمت شراب' حرمت زنا' زناکار پر حد جاری کرنا' چور کے ہاتھ کاٹنا' فاحشہ عورتوں کو مکہ سے جلا وطن کرنا اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا' محرموں سے شادی کرنا اور خانہ کعبہ کا برہنہ طواف کرنے کو حرام قرار دینا اور نذر کی ادائیگی کو واجب جاننا اور حرام مہینوں کی قداست و احترام اور مباہلہ وغیرہ[4] کے وہ قائل تھے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ عبدالمطلب "خدا کی حجت" اور ابوطالب ان کے "وصی" تھے۔[5]

خاندان توحید

حضرت محمدؐ کا خاندان' موحد تھا۔ علماء امامیہ کے عقیدے کے مطابق آپ کے آباء واجداد حضرت عبد اللہ سے لیکر حضرت آدمؑ تک سب موحد تھے اور ان کے درمیان کوئی مشرک نہیں تھا۔ اس بارے میں آیات و روایات سے استدلال ہوا ہے۔آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: "خداوند عالم نے مجھے ہمیشہ پاک مردوں کی صلبوں سے پاکیزہ عورتوں کے رحموں میں منتقل کیا۔ یہاں تک اس دنیا میں بھیج دیا اور اس

---

1 گزشتہ حوالہ' ص ٦؛ شکری آلوسی' بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب' تصحیح محمد بہجۃ الاثری' (قاہرہ: دار الکتب الحدیثہ' ط ٢)' ج ١' ص ٣٢٤۔

2 حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ٦؛ آلوسی' گزشتہ حوالہ' ص ٣٢٣؛ ابن اثیر' الکامل فی التاریخ' ج ٢' ص ١٥؛ بلاذری' انساب الاشراف' تحقیق: محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف)' ج ١' ص ٧٣.

3 حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ٧؛ مسعودی' مروج الذہب' ج ٢' ص ١٠٩.

4 آلوسی' گزشتہ حوالہ' ٣٢٤؛ ابن واضح' تاریخ یعقوبی' ج ٢' ص ٧؛ رجوع کریں : السیرۃ الحلبیہ' ج ١' ص ٧؛ رجوع کریں : الخصال صدوق' باب الخمسہ' ج ٢' ص ٣١٢۔٣١٣۔

5 صدوق' اعتقادات' ترجمہ : سید محمد علی بن سید محمد الحسنی (تہران : کتابخانہ شمس' ط ٣' ١٣٧٩ھ.ق)' ص ١٣٥؛ مجلسی' بحار الانوار' ج ١٥' ص ١١٧؛ رجوع کریں : اصول کافی' ج ١' ص ٤٤٥۔

جناب عبد المطلب سے مربوط بحثوں میں سے ایک بحث خدا کی راہ میں ایک فرزند کی قربانی' ان کی نذر ہے جس کی خبر مشہور ہونے کے باوجود جس طرح سے تاریخ کی کتابوں میں آئی ہے وہ سند اور متن کے لحاظ سے جائے اشکال ہے۔ اور اس سلسلہ میں بحث و تحقیق کی ضرورت ہے۔(رجوع کریں : علی دوانی' تاریخ اسلام از آغاز تا ہجرت' ص ٥٩۔ ٥٤؛ من لایحضرہ الفقیہ' تحقیق : علی اکبر غفاری' ج ٣' ص ٨٩؛ باب الحکم بالقرعہ' حاشیہ "تعلیقہ آغائے غفاری) چونکہ یہ کتاب اختصار کے طور پر لکھی گئی ہے لہذا اس کے بارے میں بحث کرنے سے صرف نظر کرتے ہیں۔

نے مجھے ہرگز جاہلیت کی کثافتوں سے آلودہ نہیں کیا"[1] اور ہمیں یہ معلوم ہے کہ کوئی بھی نجاست شرک سے بدتر نہیں ہے اگر ان کے درمیان کوئی ایک بھی مشرک ہوتا تو انھیں ہرگز پاک نہ کہا جاتا۔

علمائے امامیہ کا عقیدہ ہے کہ جناب ابوطالب اور آمنہ بنت وھب موحد تھے۔[2]

حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ خدا کی قسم! میرے والد اور اجداد عبد المطلب، ھاشم اور عبد مناف میں سے کوئی بھی بت پرست نہیں تھا وہ لوگ دین ابراہیمی کے پیرو تھے اور کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔[3]

---

1 صدوق، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳۵؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۷؛ مفید، اوائل المقالات (قم:

مکتبۃ الداوری)، ص ۱۲؛ طبرسی، مجمع البیان، ج ۴، ص ۳۲۲؛ تفسیر آیہ ۷۴ سورۂ انعام، بعض معاصر دانشوروں نے اس حدیث کو طھارت نسل یعنی ولادت و پیدائش کا سبب، ازدواج قرار دیا ہے (نہ آزاد اور غیر مشروع روابط) سے تفسیر کیا ہے کہ اگر اس تفسیر کو قبول کریں تو ہماری بحث کے لئے شاہد قرار نہیں پائے گا۔ (سید ہاشم رسولی محلاتی، درس ھایی از تاریخ تحلیلی اسلام ماھنامہ پاسدار اسلام، ۱۳۶۷، ج ۱، ص ۶۴)

2 مفید، گزشتہ حوالہ، ص ۱۲؛ صدوق، گزشتہ حوالہ، اہل سنت کے بعض نامور علماء جیسے فخر رازی اور سیوطی بھی اس سلسلے میں امامیہ کے ہم عقیدہ ہیں۔ رجوع کریں : بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۱۲۲۔ ۱۱۸.

3 صدوق، کمال الدین و تمام النعمہ، تصحیح علی اکبر الغفاری (قم: موسسہ النشر الاسلامی، ۱۳۶۳)، ج ۱، ص ۱۷۵؛ الغدیر، ج ۷، ص ۳۸۷.

دوسری فصل

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچپن اور جوانی

ولادت

جاہل عرب میں تاریخ کی کوئی منظّم اور مستقل' ابتدا مقرر نہیں تھی بلکہ علاقے کے اہم واقعات جیسے کسی بڑی اور مشہور شخصیت کے مرنے یا دو قبیلوں کے درمیان خون ریز جنگ کے دن کو ایک زمانے تک تاریخ کا آغاز قرار دیتے تھے۔[1] یہاں تک تمام قبائل عرب میں تاریخ کے آغاز کے لئے ایک معین دن نہیں تھا بلکہ اس قبیلہ کے نزدیک جو بھی اہم واقعہ رونما ہوتا تھا اسی کو تاریخ کی ابتدا قرار دیتے تھے۔[2]

جس وقت ابرہہ (حبشہ کا بادشاہ) نے' ہاتھیوں سمیت لشکر کے ساتھ خانۂ کعبہ کو مسمار کرنے کے لئے مکہ پر حملہ کیا[3] تو اعجاز پروردگار اور اس کی غیبی طاقت کے مقابلہ میں شکست کھا گیا۔ اور اس واقعہ سے اس زمانہ کے دوسرے تمام واقعات تحت الشعاع میں آگئے اور وہ سال ایک عرصہ تک "عام الفیل" کے عنوان سے تاریخ کی شروعات قرار پایا[4] اور حضرت محمدؐ اسی سال مکہ میں پیدا ہوئے۔[5]

---

1 اس واقعہ کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے رجوع کریں : مسعودی' التنبیہ والاشراف' ص ۱۸۱۔ ۱۷۲؛ ڈاکٹر محمد ابراہیم آیتی' تاریخ پیغمبر اسلامؐ (ط ۲' انتشارات دانشگاہ تہران' ۱۳۶۱) ' ص ۲۷۔ ۲۶.

2 مسعودی' گزشتہ حوالہ' ص ۲۷.

3 شیخ طوسی' الامالی' (قم : دار الثقافہ' ط ۱' ۱۴۱۴ھ. ق) ' ص ۸۲۔ ۸۰؛ بیہقی' گزشتہ حوالہ' ص ۹۷۔ ۹۴' ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ص ۵۵۔ ۴۴؛ بلاذری' گزشتہ حوالہ' ص ۹۶۔ ۶۷؛ محمد بن حبیب بغدادی' المنمق فی اخبار قریش' تحقیق : خورشید احمد فارق (بیروت : عالم الکتب' ط ۱' ۱۴۰۵ھ. ق) ' ص ۷۷۔ ۷۰)۔

4 ہاتھیوں کے لشکر کے واقعہ سے پہلے قریش قصی (جو کہ ایک بڑی اور نامور شخصیت تھی اور جس نے پہلی بار قریش کو قدرت مند بنایا) کو تاریخ کی شروعات قرار دیتے تھے (ابن واضح' تاریخ یعقوبی' ج ۲' ص ۴)

5 کلینیؒ' اصول الکافی (تہران : دار الکتب الاسلامیہ' ۱۳۸۱ھ. ق) ' ج ۱' ص ۴۳۹؛ ابن واضح' تاریخ یعقوبی' ج ۲' ص ۴؛ مسعودی' مروج الذہب' ج ۲' ص ۲۷۴؛ مجلسی' بحار الانوار' ج ۱۵' ص ۲۵۲۔ ۲۵۰؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ۹۵؛ بیہقی' گزشتہ حوالہ' ص ۷۳۔ ۷۲؛ ابن کثیر' السیرۃ النبویہ' ج ۱' ص ۲۰۱؛ محمد بن سعد' طبقات الکبریٰ' ج ۱' ص ۱۰۱؛ ابن اثیر' اسد الغابہ' ج ۱' ص ۱۴؛ ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج ۱' ص ۱۶۷؛ الشیخ عبد القادر بدران' تہذیب تاریخ دمشق (بیروت : دار احیاء التراث العربی' ط ۳' ۱۴۰۷ھ. ق) ' ج ۱' ص ۲۸۲؛ ابن اسحاق' السیر والمغازی' تحقیق : سہیل زکار (بیروت : دار الفکر' ط ۱' ۱۳۹۸ھ. ق) ' ص ۶۱۔

یہ واقعہ بعض قرائن اور شواہد کے لحاظ سے جیسے حضرت محمدؐ کی ہجرت ' جو کہ ۶۲۲ء اور آپ کی وفات ۶۳۴ء میں (۶۰ یا ۶۳) سال کی عمر میں ہوئی ہی اور یہ واقعہ تقریباً ۵۶۹ء ' ۵۷۰ء کے بیچ میں رونما ہوا ہے۔[1]

اس سلسلہ میں کہ کیا آنحضرتؐ کی ولادت ٹھیک اسی عام الفیل میں ہوئی یا اس سے پہلے یا بعد میں اور نیز عام الفیل کو عیسوی سالوں سے مطابقت کرنے میں دوسرے نظریات اور احتمالات بھی ذکر ہوئے ہیں کہ جس کے نقل کرنے کی اس کتاب میں ضرورت نہیں ہے۔[2]

کم سنی اور رضاعت کا زمانہ

حضرت محمدؐ ابھی دو مہینے کے تھے[3] کہ آپ کے پدر بزرگوار جناب عبداللہ ' ملک شام سے تجارتی سفر کی واپسی میں ' شہر یثرب میں انتقال فرما گئے اور وہیں پر آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔[4]

قرآن کریم نے ان کی یتیمی کو اس انداز میں بیان کیا ہے : ''کیا اس نے تم کو یتیم پا کر پناہ نہیں دی ہے اور کیا تم کو گم گشتہ پا کر منزل تک نہیں پہنچایا اور تم کو تنگ دست پا کر غنی نہیں بنایا''۔[5]

---

1 علی اکبر فیاض ' تاریخ اسلام ' (تہران : انتشارات تہران یونیورسٹی ' ط ۳ ' ۱۳۶۷) ' ص ۷۲؛ عباس زریاب ' سیرۂ رسول اللہ (پہلے حصہ سے ہجرت کے آغاز تک) (تہران : سروش ' ط ۱ ' ۱۳۷۰) ' ص ۸۷۔۸۶؛ سید جعفر شہیدی ' تاریخ تحلیلی اسلام تا پایان امویان (تہران : مرکز نشر یونیورسٹی ' ط ۱۰ ' ۱۳۶۹) ' ص ۳۷۔

2 مزید معلومات کے لئے رجوع کریں : محمد ختم پیامبران ' ج ۱ ' ص ۱۷۷۔۱۷۶؛ مقالہ سید جعفر شہیدی؛ رسولی محلاتی ' درسهای از تاریخ تحلیلی اسلام (قم : ماہنامہ پاسدار اسلام ۱۴۰۵ھ.ق) ' ج ۱ ' ص ۱۰۷ کے بعد؛ ابن کثیر ' السیرۃ النبویہ ' ج ۱ ' ص ۲۰۳؛ تہذیب تاریخ دمشق ' ج ۱ ' ص ۲۸۲۔۲۸۱؛ سید حسن تقی زادہ ' از پرویز تا چنگیز (تہران : کتابفر شی فروغی ' ۱۳۴۹) ' ص ۱۵۳؛ جسین مونس ' تاریخ قریش (الدار السعودی ' ط ۱ ' ۱۴۰۸ھ.ق) ' ص ۱۵۹۔ ۱۵۳؛ اس کے علاوہ بعض یورپی مورخین اسلامی کتابوں میں ابرھہ کی لشکر کشی کا مقصد دینی جذبہ اور کعبہ اور یمن میں قلیس معبد کے درمیان رقابت کو بتایا ہے ' ملکوں کی فتح اور ابرھہ کا حملہ ایران جزیرۃ العرب کے شمالی راستے سے حکومت روم کے اکسانے پر بتایا گیا ہے؛ فیاض ' گزشتہ حوالہ ' ص ۶۲؛ ابوالقاسم پایندہ ' مقدمہ ترجمہ فارسی قرآن مجید ' ص۔ لز۔) جس کے بارے میں الگ سے بحث اور تحقیق کی ضرورت ہے جو اس کتاب کے حجم سے باہر ہے۔

3 کلینیؒ ' گزشتہ حوالہ ' ص ۴۳۹؛ ابن واضح ' گزشتہ حوالہ ' ص ۶؛ ابوالفتح محمد بن علی الکراجکی ' کنز الفوائد (قم : دار الذخائر ' ط ۱ ' ۱۴۱۰ھ.ق) ' ج ۲ ' ص ۱۶۷؛ حضرت محمدؐ کا سن باپ کے مرنے کے سال ' سات مہینے اور ۲۸ روز بھی لکھا ہے۔ (محمد بن سعد ' طبقات الکبری ' (بیروت : دار صادر ' ج ۱ ' ص ۱۰۰) ' بعض مورخین نے ' حضرت عبداللہؑ کی وفات کو حضرت رسول اسلامؐ کی ولادت کے قبل ہی تحریر کیا ہے۔ (ابن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ص ۱۰۰۔ ۹۹؛ ابن اثیر ' اسد الغابہ ' ج ۱ ' ص ۱۳؛ ابن ہشام ' السیرۃ النبویہ ' ج ۱ ' ص ۱۶۷؛ الشیخ عبدالقادر بدران ' تہذیب تاریخ دمشق ' تالیف ابن عساکر (بیروت : دار احیاء التراث العربی ' ط ۳ ' ۱۴۰۷ھ.ق) ' ج ۱ ' ص ۲۸۴.) لیکن بعض اسناد و شواہد ' پہلی روایت کی تائید کرتے ہیں ان میں سے عبدالمطلب کے اشعار بھی ہیں جو اسی مطلب پر دلالت کرتے ہیں :

اوصیکم یا عبد مناف بعدی بمفرد بید ابیہ فرد

فارقہ وہو ضجیج المہد فکنت کالام لہ فی المجد

(تاریخ یعقوبی ' ج ۲ ' ص ۱۰؛ رجوع کریں : ابن شہر آشوب ' مناقب آل ابی طالب (قم : المطبعۃ العلمیہ) ' ج ۱ ' ص ۳۶.)

4 تہذیب تاریخ دمشق ' ج ۱۷ ' ص ۲۸۲؛ ابن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۹۹؛ مسعودی ' التنبیہ والاشراف ' ص ۱۹۶؛ محمد بن جریر الطبری ' تاریخ الامم و الملوک ' (بیروت : دار القاموس الحدیث) ' ج ۲ ' ص ۱۷۶؛ ابن اثیر ' الکامل فی التاریخ ' (بیروت : دار صادر) ' ج ۲ ' ص ۱۰۔

5 سورۂ ضحیٰ ' آیت ۸۔۶۔

آمنہ کے لال نے ولادت کے ابتدائی دنوں میں اپنی ماں کا دودھ پیا[1] اور اس کے بعد تھوڑے دن تک (ابولہب کی آزاد شدہ کنیز) ثوبیہ نے اپنا دودھ پلایا۔[2]

اس دور میں رسومات عرب[3] کے مطابق آپ کو حلیمہ سعدیہ نامی دایہ کے سپرد کر دیا گیا۔ وہ قبیلۂ بنی سعد بن بکر سے تعلق رکھتی تھیں اور دیہات[4] میں زندگی بسر کرتی تھیں۔ دایہ حلیمہ نے دو سال تک آپ کو دودھ پلایا[5] اور پانچ سال تک پرورش کی اس کے بعد آپ کے گھر والوں کے سپرد کر دیا۔[6]

ایک نومولود بچہ کو کسی بادیہ نشین کے سپرد کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کی پرورش صحرا کی پاک و صاف اور کھلی فضا میں ہو اور مکہ میں ''وبا'' کی بیماری کے خطرے سے دور رہے۔[7]

اس کے علاوہ بدو قبیلوں کے درمیان زبان کی فصاحت و بلاغت اور خالص اصیل عربی سے آگاہی بھی ایک اہم چیز تھی جو بعض ہم عصر مورخین کی طرف سے بیان ہوئی ہے۔[8]

---

1 تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۶؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۴۳۔

2 تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۶؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۶؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ص۱۱۰؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۱، ص۱۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۵، ص۳۸۴۔

3 حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۴۶۔

4 تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۷؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص۱۷۱؛ محمد بن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۰؛ مسعودی، التنبیہ والاشراف، ص ۱۹۶؛ مروج الذہب، ج۲، ص۲۷۴؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۶؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ص۱۰۲۔۱۰۱؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص۲۲۵؛ ابن اسحاق، السیر والمغازی، تحقیق: سہیل زکار، ط۱، ۱۳۹۸ھ.ق)، ص۴۹۔

5 بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف)، ج۱، ص۹۴؛ مقدسی، البدء والتاریخ، ط پیریس، ۱۴۰۳ء، ج۴، ص۱۳۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۵، ص۴۰۱؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۱۲۔

6 تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۷؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۳؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص۹۴؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۲، ص۲۷۵۔

7 ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۹۶۱)، ج۱۳، ص۲۰۳؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص۴۰۱۔

8 جعفر سبحانی، فروغ ابدیت (قم: مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی حوزۂ قم، ط۵، ۱۳۶۸)، ج۱، ص۱۵۹؛ سید جعفر مرتضی العاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم (قم: ۱۴۰۰ھ.ق)، ج۱، ص۸۱۔

پیغمبر اکرمؐ کا ایک جملہ' جو اس موضوع کی مناسبت سے نقل ہوا ہے جو شاید اس مقصد کے لئے شاہد قرار پائے' یہ ہے :

''میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں کیونکہ میں قرشی ہوں اور میں نے قبیلہ بنی سعد بن بکر میں دودھ بھی پیا ہے''[1]

بعض تاریخی کتابوں میں جناب حلیمہ کو دایہ کے طور پر انتخاب کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ چونکہ حضرت محمدؐ یتیم تھے لہٰذا کوئی دایہ آپ کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوئی کیونکہ دائیاں دودھ پلانے کے عوض بچہ کے باپ سے اجرت لیتی تھیں اور چونکہ اس وقت دائی حلیمہ کو مکہ میں کوئی بچہ نہیں ملا تھا لہٰذا حضرت محمدؐ کو یتیم ہونے کے باوجود مجبوراً رضاعت کے لئے قبول کر لیا۔[2] لیکن دایوں کی طرف سے محمدؐ کو یتیمی کی خاطر قبول نہ کرنے کی وجہ قابل قبول نظر نہیں آتی۔ کیونکہ :

۱۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بعض کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ جناب عبد اللہ کا انتقال' حضرت رسول خداؐ کی ولادت کے چند مہینے بعد ہوا ہے اس لحاظ سے وہ اس وقت یتیم نہیں ہوئے تھے۔

۲۔ جناب عبد المطلب کی عظیم شخصیت اور مکہ میں ان کا بلند مقام اور درجہ اور ان کی دولت و ثروت کو دیکھتے ہوئے نہ صرف دایوں نے لینے سے انکار نہ کیا ہو گا بلکہ ایسے خاندان کے بچہ کی رضاعت کے لئے آپس میں جھگڑا کرتی ہوں گی۔

۳۔ بہت ساری تاریخی کتابوں میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے لیکن یہ بات کہیں نہیں ذکر ہے۔[3] و [4]

والدہ کا انتقال اور جناب عبد المطلب کی کفالت

جناب آمنہ دائی حلیمہ سے اپنے بچہ کو لینے کے بعد ام ایمن (جناب عبد اللہ کی کنیز) کے ساتھ ایک قافلہ کے ہمراہ مدینہ گئیں تاکہ اپنے شوہر جناب عبد اللہ کی قبر پر جاکر حاضری دے سکیں اور آپ کے ماموؤں سے ملاقات کر سکیں۔[5]

---

1 انا اعربکمؐ انا قرشی واسترضعت فی بنی سعد بن بکر' (ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج۱' ص ۱۷۶۔ اور رجوع کریں : ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ص ۱۱۳؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ۱۴۶؛ ابو سعید واعظ خرگوشی' شرف النبی' ترجمہ : نجم الدین محمود راوندی (تہران : انتشارات بابک' ۱۳۶۱). ص ۱۹۶۔

کہا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں حضرت محمدؐ' حلیمہ کے پاس دیہات میں رہ رہے تھے واقعۂ شق صدر پیش آیا۔ لیکن تاریخ اسلام کے محققین اور تجزیہ نگاروں نے متعدد دلیلوں کی بنا پر اس موضوع کو حقیقت سے دور اور من گڑھت گردانا ہے۔ (رجوع کریں : سید جعفر مرتضی العاملی' الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم' ج۱' ص ۸۲؛ سید ہاشم رسولی محلاتی' تاریخ تحلیلی اسلام کے دروس' ج۱' ص ۱۸۹ و ۲۰۴؛ شیخ محمد ابویہ' اضواء الی السنۃ المحمدیہ (مطبعۃ صور الحدیثۃ' ط ۲' ھ.ق)' ج۱' ص ۱۷۷۔ ۱۷۵.

2 ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۱۷۲۔ ۱۷۱؛ بلاذری' گزشتہ حوالہ' ص ۹۳؛ ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ص ۱۱۱۔ ۱۱۰.

3 منجملہ ایک بزرگ اور نامور محدث ابن شہر آشوب نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے لیکن حضرت محمدؐ کی یتیمی کے موضوع کو جس طرح سے بیان کیا گیا ہے اس میں نہیں ہے (مناقب آل ابی طالب' ج۱' ص ۳۳.)

4 پیغمبر اسلامؐ کی رضاعت کا مسئلہ چاہے حلیمۂ سعدیہ کے ذریعہ ہو یا دیگر کنیزوں کے ذریعہ محل اختلاف ہے' شیعہ محققین نے اسے قبول نہیں کیا ہے. مترجم.

5 عبد المطلب کی ماں سلمی' مدینہ کی رہنے والی تھیں اور بنی نجار سے تعلق رکھتی تھیں. (بیہقی' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۱۲۱)

مدینہ میں ایک ماہ قیام کے بعد مکہ پلٹتے وقت مقام ابواء میں آپ کا انتقال ہو گیا اور وہیں آپ کو دفن کر دیا گیا اس وقت حضرت رسول خداؐ چھ سال کے تھے۔[1]

ام ایمن قافلہ کے ساتھ آپ کو مکہ لے کر آئیں اور جناب عبد المطلب کے حوالہ کر دیا۔[2]

جناب عبد المطلب نے آپ کی سرپرستی اور کفالت کی ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور جب تک وہ زندہ رہے اپنے پوتے کی اچھی طرح سے دیکھ بھال کرتے رہے اور آپ پر ان کی نظر عنایت ہوتی تھی اور کہتے تھے کہ یہ بلند مقام پائے گا۔[3]

جناب عبد المطلب کا انتقال اور جناب ابوطالب کی سرپرستی

حضرت رسول خداؐ آٹھ سال کے تھے کہ آپ کے دادا جناب عبد المطلب کا انتقال ہو گیا اور آپ کی کفالت کی ذمہ داری جناب ابوطالب کو سونپ دی۔ جناب ابوطالب اور جناب عبداللہ (رسول خدا کے پدر بزرگوار) ایک ہی ماں سے تھے۔[4]

اس وقت جناب ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی وہ کثیر العیال اور تنگدست تھے۔[5] لیکن وہ ایک بہادر، باعزت، قابل احترام[6] اور قریش کے درمیان بلند درجہ رکھتے تھے۔[7] وہ محمدؐ کو بہت زیادہ چاہتے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے بیٹوں سے زیادہ انھیں عزیز رکھتے تھے۔[8]

فاطمہ بنت اسد نے بھی آپ کی پرورش اور سرپرستی میں اہم کردار ادا کیا اور اس سلسلے میں بہت زیادہ زحمتیں اٹھائیں وہ نہ صرف محمدؐ کو ایک مہربان ماں کی طرح چاہتی تھیں بلکہ آپ کو اپنے بچوں پر ہمیشہ مقدم رکھتی تھیں۔ حضرت محمدؐ کبھی بھی ان کی زحمتوں کو فراموش نہیں کرتے تھے اور ہمیشہ اپنی ایک ماں کی طرح انھیں یاد فرماتے تھے۔[9]

---

1 ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص ٦٥؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ٩٤؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ١١٦؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ١٧٧؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ص ١٢١؛ طبرسی، گزشتہ حوالہ، ص ٩؛ صدوق، کمال الدین و تمام النعمہ، تصحیح علی اکبر الغفاری (قم: مؤسسہ النشر الاسلامی، ١٣٦٣) ج ١، ص ١٧٢؛ تاریخ یعقوبی، ج ٢، ص ٧؛ الشیخ عبدالقادر بدران، تہذیب تاریخ دمشق، ج ١، ص ٢٨٣۔

2 حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ١، ص ١٧٢۔

3 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ١، ص ١٧٨؛ صدوق، گزشتہ حوالہ، ج ١، ص ١٧١؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص ٤٠٦؛ تاریخ یعقوبی، ج ٢، ص ٩۔

4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ١٨٩؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص ٤٠٦؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ٢، ص ١٩٤۔

5 تاریخ یعقوبی، ج ٢، ص ١١؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ١، ص ١١٩؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ٤٠٧؛ سہیلی، الروض الانف (قاہرہ: مؤسسۃ المختار) ج ١، ص ١٩٣۔

6 تاریخ یعقوبی، ج ٢، ص ١١؛ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام (بیروت: دار العلم للملایین، ط ١، ١٩٦٨ء) ج ٤، ص ٨٢۔

7 ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ١٩٦٢ء) ج ١٥، ص ٢١٩۔

8 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ١، ص ١١٩؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج ١، ص ٣٦؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص ٤٠٧؛ شیخ عبدالقادر بدران، تہذیب تاریخ دمشق، ج ١، ص ٢٨٥.

9 تاریخ یعقوبی، ج ٢، ص ١١؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ١، ص ١٤؛ مقدمہ اصول کافی، ج ١، ص ٤٥٣.

شام کا سفر اور راہب کی پیشین گوئی

ایک سال جناب ابوطالب قریش کے قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے شام گئے تو حضرت محمدؐ کی خواہش اور اصرار پر (مورخین کے اختلاف کے مطابق اس وقت آپ کی عمر ۸، ۹، ۱۲ یا ۱۳ سال کی تھی) آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے جس وقت قافلہ مقام بصریٰ[1] پر پہنچا تو ایک معبد کے کنارے آرام کی غرض سے رک گیا، اس معبد میں "بحیرا" نام کا ایک راہب رہتا تھا، جو عیسائیوں کا بزرگ پادری تھا۔ جب مجمع کے درمیان اس کی نظر ابوطالب کے بھتیجے محمدؐ پر پڑی تو اس کی خاص توجہ کا مرکز بن گئی اس لئے کہ وہ پیغمبر موعود کی بعض نشانیوں سے آگاہ تھا. جب اس نے ان نشانیوں کو محمدؐ کے اندر دیکھا تو اس نے آپ سے مختصر گفتگو اور سوالات کے بعد آپ کے آئندہ "نبی" ہونے کے بارے میں خبر دیدی اور جناب ابوطالب سے تاکید کی کہ اس بچہ کا خاص خیال کریں اور اس کو یہود کے شر سے محفوظ رکھیں۔[2]

اس واقعۂ کے سلسلہ میں چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے:

۱۔ یہ واقعہ بعض تاریخی اور حدیثی کتابوں میں مختصر انداز میں اور بعض دوسری کتابوں میں بطور مفصل نقل ہوا ہے۔ لیکن اصل واقعہ میں کسی قسم کی شک و تردید نہیں پائی جاتی کیونکہ قرآن مجید نے متعدد آیات میں حضرت محمدؐ کی بعثت کے سلسلہ میں گزشتہ پیغمبروں کی پیشین گوئیوں کو نقل کر کے آنحضرتؐ کی ذات اور نشانیوں کے سلسلہ میں علمائے اہل کتاب کی آگاہی اور معرفت کی تائید کی ہے۔[3] اور اسی طرح اہل کتاب کی متعدد پیشین گوئیاں پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے سلسلہ میں تاریخ و حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔[4]

---

1 دمشق کے علاقہ میں حوران سرزمین کا ایک قصبہ ہے (یاقوت حموی، معجم البلدان، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۹ھ.ق)، ج۱، ص ۴۴۱.

2 اس واقعہ کو اسلامی مورخین و محدثین نے مندرجہ ذیل کتابوں میں نقل کیا ہے: ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص ۱۹۳۔ ۱۹۱؛ محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج۲، ص ۱۹۵؛ سنن ترمذی، ج۵؛ المناقب، باب ۳، ص ۵۹۰؛ المناقب، باب ۳، ص ۵۹۰، حدیث ۲۶۲۰؛ ابن اسحاق، السیر و المغازی، تحقیق: سہیل زکار، ص ۷۳؛ محمد بن سعد، طبقات الکبری، ج۱، ص ۱۲۱؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۲، ص ۲۸۶؛ صدوق، کمال الدین و تمام النعمہ، ج۱، ۱۸۶۔ ۱۸۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۱، ص ۹۶؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ترجمۂ محمود مہدی دامغانی، ج۱، ص ۱۹۵؛ طبرسی، اعلام الوری، ص ۱۸۔ ۱۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص ۳۹۔ ۳۸؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۲۷؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۱، ص ۱۵؛ شیخ عبد القادر بدران، تہذیب تاریخ دمشق (تالیف حافظ ابن عساکر)، ج۱، ص ۲۷۰ و ۳۵۴؛ ابن کثیر، سیرۃ النبی، ج۱، ص ۱۹۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۵، ص ۴۰۹۔

3 سورۂ بقرہ، آیت ۴۱، ۴۲، ۸۹، ۱۴۶؛ سورۂ اعراف، آیت ۱۵۷؛ سورۂ انعام، آیت ۲۰؛ سورۂ صف، آیت ۶۔

4 رجوع کریں: جعفر سبحانی، راز بزرگ رسالت (تہران: کتابخانۂ مسجد جامع تہران، ۱۳۵۸)، ص ۲۷۸۔ ۲۶۲؛ پیغمبر اسلامؐ کے سلسلہ میں گزشتہ پیغمبروں کی پیشین گوئیوں کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے ذیل کی تین کتابوں کو نمونہ کے طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ محمد در تورات و انجیل تالیف: پروفیسر، عبد الاحد داوٗد: ترجمہ فضل اللہ نیک آئین؛ مدرسہ سیار، تالیف: شیخ محمد جواد بلاغی، ترجمہ: ع۔ و؛ انیس الاعلام، تالیف: فخر الاسلام۔

۲۔ حضرت محمدؐ کے بارے میں علمائے اہل کتاب کی کتابوں میں جو علامتیں اور نشانیاں تھیں ان میں سے کچھ آپ کی ذاتی زندگی اور جسمانی خصوصیات کے بارے میں تھیں (جیسے عرب ہونا ایک باعظمت خاتون سے شادی کرنا وغیرہ) آنحضرؐکی جسمانی نشانیوں میں سے سب سے نمایاں نشانی یہ تھی کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان ایک بڑا تل تھا جس کو "خال نبوت" یا "مہر نبوت" کہا گیا ہے۔[1]

۳۔ بحیرا راہب کی پیشین گوئی صرف قافلہ والوں کے لئے نئی بات تھی ورنہ جناب ابوطالب بلکہ حضرت محمدؐ کے تمام قریبی رشتہ دار آپ کے درخشندہ مستقبل سے باخبر تھے۔[2]

عیسائیوں کے ذریعہ تاریخ میں تحریف

بعض عیسائی مورخین نے حضرت محمدؐ سے بحیرا کی ملاقات کے واقعہ میں تحریف کی ہے اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت محمدؐ نے اس ملاقات میں بحیرا راہب سے توریت اور انجیل کی تعلیمات حاصل کیں۔[3]

ویلڈورانٹ نے نرم لہجے میں اس بے بنیاد دعوے کی طرف اشارہ کیا ہے :

...آپ کے چچا ابوطالب آپ کو ۱۲سال کی عمر میں اپنے ساتھ ایک قافلہ کے ہمراہ شام کے شہر بصریٰ تک لیکر گئے' یہ بعید نہیں ہے کہ اس سفر میں آپ دین یہود اور آئین عیسیٰ کی بعض تعلیمات سے آگاہ ہوئے ہوں۔[4]

اس تہمت اور تحریف کا ہمیں اس طرح جواب دینا چاہئے :

ا۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ محمد امی تھے اور لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

۲۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس وقت اپ کی عمر ۱۲سال سے زیادہ نہیں تھی۔

۳۔ بحیرا کے دیدار اور آپ کی بعثت کے درمیان کافی عرصے کا فاصلہ تھا۔

۴۔ بحیرا سے آپ کی ملاقات بہت مختصر ہوئی تھی اس دوران اس نے کچھ سوالات کئے اور آپ نے ان کے جوابات دیئے۔

---

1 ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ج ا' ص ۱۹۳؛ بیہقی 'گزشتہ حوالہ' ص ۱۹۵؛ سنن ترمذی' تحقیق : ابراہیم عطوہ عوض (بیروت : دار احیاء التراث العربی) ' ج ۵' المناقب ' باب ۳' ص ۵۹۰' حدیث ۲۶۲۰؛ شیخ عبدالقادر بدران' تہذیب تاریخ دمشق' ج ا' ص ۲۷۸؛ ابن کثیر' سیرۃ النبی' ج ا' ص ۲۴۵؛ صحیح بخاری' تحقیق : الشیخ قاسم الشماعی الرفاعی' ج ۵' ص ۲۸' باب ۲۳' حدیث ۱۷۔

2 تاریخ یعقوبی' ج ۲' ص ۱۱؛ بلاذری' انساب الاشراف' ج ا' ص ۸۱؛ اصول کافی' ج ا' ص ۴۴۷۔

3 گوستاولوبون' تمدن اسلام وعرب' ترجمہ : سید ہاشم حسینی' ص ۱۰۱؛ اجناس گلدزیہر' العقیدۃ والشریعہ فی الاسلام' ترجمۂ عربی (قاہرہ : دار الکتب حدیثہ' ط ۲) ' ص ۲۵؛ محمد غزالی' محاکمۂ گلدزیہر صہیونیست' ترجمۂ صدر بلاغی (تہران : حسینیۂ ارشاد' ۱۳۶۳) ' ص ۴۷؛ کارل بروکلمان' تاریخ الشعوب الاسلامیہ' ترجمۂ عربی بہ قلم نبیہ امین فارس (اور) منیر البعلبکی' (بیروت : دار العلم للملایین' ط ۱' ۱۹۸۸ء) ' ص ۳۴؛ اسی طرح رجوع کریں : خیانت در گزارش تاریخ' ج ا' ص ۲۲۵۔۲۲۰۔

4 تاریخ تمدن' عصر ایمان' (بخش اول) ' ترجمہ ابوطالب صارمی اور ان کے ساتھی (تہران : سازمان انتشارات وآموزش انقلاب اسلامی' ط ۲' ۱۳۶۸) ' ص ۲۰۷۔

اس بنا پر یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے کہ ایک بچہ جس نے مدرسے میں تعلیم حاصل نہ کی ہو وہ ایک مختصر ملاقات میں کیسے توریت وانجیل کی تعلیمات حاصل کرسکتا ہے کہ جسے چالیس سال کے بعد ایک کامل شریعت کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرے؟

۵۔ اگر حضرت محمدؐ نے راہب سے کچھ سیکھا ہوتا تو بہانہ باز ضدی اور ہٹ دھرم قریش اس کو محمدؐ کے خلاف تبلیغ کرنے میں دستاویز قرار دیتے جبکہ تاریخ اسلام میں ہمیں اس طرح کی کوئی بات نظر نہیں آتی ہے اور نہ ہی قرآن مجید میں جہاں قریش کی تہمتوں کا جواب دیا گیا ہے وہاں پر اس موضوع کے بارے میں کوئی تذکرہ ہوا ہے۔

٦۔ اگر اس طرح کی کوئی بات صحیح تھی تو اسے قافلہ والوں نے کیوں نہیں نقل کیا؟

۷۔ اگر حقیقت میں اس طرح کا کوئی دعویٰ تھا تو شام کے مسیحیوں نے کیوں نہیں نقل کیا اور یہ دعویٰ کیوں نہ کیا کہ ہم محمدؐ کے استاد تھے؟

۸۔ اور اگر یہ دعویٰ صحیح مان لیا جائے تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ اسلام کی تعلیمات اور توریت وانجیل کی تعلیمات میں یکسانیت ہو اور نہ صرف یہ کہ ان کی تعلیمات میں یکسانیت نہیں پائی جاتی بلکہ قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بہت سارے عقائد اور توریت وانجیل کی بہت ساری تعلیمات کو نقل کرکے انھیں باطل قرار دیا ہے۔[1]

ایک روز عمرو بن خطاب پیغمبر اسلامؐ سے، یہودیوں سے سنی ہوئی حدیثوں کو لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا: ''کیا تم یہود و نصاریٰ کے مانند اپنے دین کے بارے میں پریشان اور سرگرداں ہو؟ یہ نورانی اور پاک دین میں تمہارے لئے لیکر آیا ہوں اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو وہ صرف میری پیروی کرتے۔[2]

پیغمبر اسلامؐ مدینے میں (جہاں بہت سے یہودی رہتے تھے) بہت سارے احکام اور پروگراموں میں یہودیوں کی مخالفت کرتے تھے۔[3] یہاں تک کہ وہ (یہودی) کہنے لگے۔ یہ شخص ہمارے سارے پروگراموں کی مخالفت کرنا چاہتا ہے''۔[4]

عیسائیوں کے درمیان جس شخص نے اس بات کو اسلام کے خلاف جھوٹ، افتراء پردازی اور زہر گھولنے کا بہانہ اور دستاویز قرار دیا وہ کونستان ویرژیل گیورگیو ہے جس نے اس بات کو اس قدر مسخ اور تحریف شدہ نقل کیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ کسی معیار سے تناسب نہیں رکھتا بلکہ خود عیسائیوں کے دعوے سے مناسبت نہیں رکھتا ہے، وہ کہتا ہے:

''ابن ہاشم۔ عرب کا راوی۔ لکھتا ہے: بحیرہ[؟] لوگوں کے تصور کے برخلاف عیسائی نہیں تھا بلکہ مانوی تھا اور ایک سن رسیدہ شخص کا پیرو تھا جس کا نام مانی تھا اور اس نے ساسانیوں کے دور حکومت میں پیغمبری کا دعوا کیا تھا اور ساسانیوں کے پہلے بادشاہ، بہرام اول نے اسے ۲۷٦ء میں خوزستان میں گندی شاپور کے دروازہ کے سامنے سولی پر چڑھوا دیا تھا''۔

---

1 سورۂ نساء، آیت ۱۵۱، ۴۷، ۱۷۱؛ سورۂ مائدہ، آیت ۷۳۔ ۷۲؛ سورۂ توبہ، آیت ۳۰۔

2 شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار، ج۲، ص ۲۷۷، لفظ ''ھوک''؛ مجد الدین ابن اثیر، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ج۵، ص ۲۸۲، وہی الفاظ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ۔

3 مرتضی العاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم (قم: ۱۴۰۳ھ.ق)، ص ۱۰٦۔

4 حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۳۳۲۔

مانی جس نے پیغمبری کا دعوا کیا تھااس کے پیرکاروں میں سے بحیرہ بھی تھاجو یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ خداایک قوم سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا کی ساری قوموں سے تعلق رکھتا ہے۔

اور چونکہ دنیا کی ساری قومیں اس سے وابستہ ہیں لہٰذا خداوند جس قوم میں جب چاہتا ہے ایک پیغمبر مبعوث کر دیتا ہے جواسی قوم کی زبان میں لوگوں سے باتیں کرے۔[1]

بظاہر اس کی ابن ہشام سے مراد عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۳ھ.ق) معروف کتاب ''السیرۃالنبویہ'' کے مؤلف ہیں جو تاریخ اسلام کا ایک مہم ماخذ ہے لیکن کلمہ مانوی کا ذکر نہ صرف سیرۂابن ہشام میں بلکہ کسی بھی قدیمی اسلامی کتاب میں نہیں ملتاہے اس شخص کو تاریخ کی کتابوں میں مسیحی (اور بہت کم یہودی) کہا گیاہے اور خود موضوع بحث سے بھی اس کے مسیحی ہونے کا پتہ چلتاہے۔ اب سوال یہ ہے کہ گیورگیو نے یہ باتیں کہاں سے نقل کی ہیں؟!

اس کے علاوہ دین مانی کا شام میں کوئی پیرو نہیں تھااور جیسا کہ ہم نے (جزیرۃالعرب) میں ادیان و مذاہب کے تجزیہ کے باب میں یہ کہاہے کہ دین مانی کا مرکز ایران تھا۔ لہٰذا ہمیں ایک محقق کے کہنے کی بناپر' یہ سوچنے کا حق ہے کہ بحیرا کے مانوی ہونے کا دعوا صرف اس بناپر تونہیں ہے کہ خداوند عالم کی توحید اور اسلام کے عالمی دین ہونے کے مسئلہ میں مانی کی تقلید تونہیں کی جارہی ہے؟

یہ وہ چیزیں ہیں جس کی مثال ہمیں گزشتہ صدیوں میں مسیحیوں سے بہت دیکھنے کو ملی ہیں اوران کے لئے یہ بات اہمیت نہیں رکھتی کہ بلند ترین فکر کو وہ منسوخ ادیان کی طرف نسبت دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان ادیان کے ماننے والے زیادہ نہیں ہیں تاکہ ان کے لئے یہ چیز باعث افتخار بن سکے۔

صرف اسلام ایک ایسادین ہے کہ 'صلیبی جنگ کو سیکڑوں سال گزرنے کے باوجود' جس سے آج بھی عیسائی پریشان اور خوف زدہ ہیں۔ لہٰذاان کی یہ کوشش رہی ہے کہ جھوٹ اور سچ ہر طریقے سے اس دین کی تعلیمات کی عظمت کو لوگوں کی نظروں میں کم کریں۔[2]

لیکن اس بات پر توجہ رہے کہ اگر بالفرض اس واقعہ کی ہم نفی بھی کریں تو عظمت پیغمبرؐ میں کوئی کمی نہیں واقع ہوگی کیونکہ بعثت اور پیغمبر موعود کے ظہور کی پیشین گوئیاں صرف اس مسئلہ میں منحصر نہیں ہیں لیکن جیساکہ متن میں کہا گیاہے کہ چونکہ مستشرقین نے اس واقعہ کو جو متون اسلامی میں آیاہے تاریخ اسلام کی تحریف کا دستاویز قرار دیاہے۔ لہٰذاہم نے بھی ان کی باتوں کو ذکر کرکے اس پر تنقید کی۔

---

1 محمدؐ پیامبری کہ از نو باید شناخت' ترجمہ: ذبیح اللہ منصوری' ص ۱۰۵' اس کتاب میں بے شمار غلطیاں اور تحریفات ہوئی ہیں جس نے کتاب کی علمی اہمیت کو کم کر دیاہے۔ مترجم: کے طریقۂ کار کی بھی ایک الگ داستان ہے جو اہل فضل و شرف پر مخفی نہیں ہے' رجوع کریں: مجلّہ نشر دانش' سال ۸' نمبر ۲' ص ۵۲' مقالہ پدیدہ ای بہ نام ذبیح اللہ منصوری' کریم امالی کے قلم سے۔

2 محمد خاتم پیامبران' ج۱' ص ۱۸۸؛ مقالہ سید جعفر شہیدی۔ بعض معاصر ایرانی محققین نے بحیرا کے ساتھ حضرت محمدؐ کی ملاقات میں شک وتردید پیدا کی ہے اور اصل واقعہ کی صحت کے بارے میں بحث کی ہے جو تاریخی لحاظ سے قابل بحث و تحقیق ہے۔ رجوع کریں: نقد وبررسی منابع سیرۂ نبوی (مجموعۂ مقالات) پژوہشکدۂ حوزہ و دانشگاہ ۱۳۷۸؛ رمضان محمدی' نقد وبررسی سفر پیامبر اکرم بہ شام' ص ۳۳۰۔۳۲۱.

تیسری فصل

حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی

حلف الفضول [1]

”حلف الفضول “ قریش کے بہترین اوراہم ترین عہد و پیمان میں سے ہے .[2] جو قریش کے چند قبیلوں کے درمیان انجام پایا۔ یہ پیمان اس بنا پر انجام پایا کہ قبیلۂ بنی زبید کا ایک شخص مکہ آیا اور اس نے عاص بن وائل کا سامان، جو کہ بنی سہم کے قبیلہ سے تھا، فروخت کر دیا۔ عاص نے مال کو لیا لیکن اس کی قیمت نہیں دی زُبیدی نے بارہا اس سے مطالبہ کیا لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا۔

جیسا کہ یہ چیز پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ اس وقت جزیرۃالعرب میں قبیلہ جاتی نظام پایا جاتا تھا۔ اور ہر قبیلہ اپنے افراد کے منافع کی حمایت کرتا تھا۔ اگر کسی پردیسی پر ظلم ہوتا تھا تو اس کا کوئی ناصر و مددگار اور انصاف کرنے والا نہیں ہوتا تھا۔ جب سرداران قریش، کعبہ کے پاس اکٹھا ہوئے تو زبیدی مجبور ہو کر ”ابوقبیس“ پہاڑی کے اوپر گیا اور رنج و مصیبت میں ڈوبے ہوئے اشعار پڑھ کر ان سے انصاف کی فریاد کی۔[3]

انصاف کی مانگ سن کر زبیر بن عبد المطلب کی سرکردگی اور پیش قدمی میں، بنی ہاشم، بنی عبد المطلب، بنی زہرہ، بنی تمیم، اور بنی حارث (جو کہ قریش کے نامور قبیلہ سے تھا) عبداللہ بن جدعان تیمی کے گھر میں جمع ہوئے اور عہد و پیمان کیا کہ ہر مظلوم اور ستم دیدہ کی فریاد پر حق وانصاف دلانے کے لئے ایک ہو جائیں اور شہر مکہ میں کسی پر ظلم نہ ہونے دیں، چاہے وہ ان لوگوں سے وابستہ ہو یا کوئی پردیسی ہو، چاہے وہ

---

1 جس واقعہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت محمدؐ نے جوانی کے عالم میں اس میں شرکت کی ”جنگ فجار“ ہے اس واقعہ کو حلف الفضول سے پہلے جب آپ کی عمر ۱۴ سے ۲۰ سال کی تھی، نقل کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ اس جنگ کے سلسلہ میں آپ کی شرکت میں شک پایا جاتا ہے بلکہ ایسے شواہد ملتے ہیں جو اس کی نفی کرتے ہیں لہٰذا ہم نے اس کو بیان نہیں کیا ہے۔ (الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۱، ص ۹۷۔ ۹۵؛ درس ہایی تحلیلی از تاریخ اسلام، ج۱، ص ۳۰۳۔ ۳۰۳

2 ابن سعد، طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ج۱، ص ۱۲۸؛ محمد بن حبیب، المنمق فی اخبار قریش، تحقیق خورشید احمد فارق (بیروت: عالم الکتب، ط۱، ۱۴۰۵ھ.ق)، ص ۵۲۔

۳ یا آل فہر [یاللرجال خ ل] لمظلوم بضاعتہ ببطن مکۃ نائی الأہل و النفر و محرم اشعث [شعث خ ل] لم یقض عمرتہ یا آل فہر و بین الحجر

والحجر ہل مخفر من بنی سہم بخفرتہ ام ذاہب فی ضلالح مال معتمر ان الحرام لمن تمت حرامتہ و لا حرام لثوب الفاجر الغدر

فقیر اور معمولی انسان ہو یا ثروتمند اور باعزت۔ اس کے بعد عاص کے پاس جاکر زبیدی کا حق لے کر اسے دیدیا۔[1] حضرت محمدؐ کی عمر اس وقت ۲۰ سال تھی جب آپ اس عہد کے ممبران میں سے تھے۔[2]

اس عہد و پیمان میں پیغمبر اسلامؐ کی شرکت میں ایک بہادرانہ قدم اور اس جاہل سماج میں ایک طرح سے ''حقوق بشر'' کی حمایت تھی۔ اور اس لحاظ سے یہ اقدام بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ آپ کے ہم سن و سال جوان، مکہ میں عیش و عشرت اور خوشگزرانی میں سرگرم تھے۔ اور انسانی اقدار جیسے مظلوم کی حمایت، سماج کی تطہیر اور عدالت کا نفاذ ان کے لئے معنی و مفہوم نہیں رکھتا تھا۔ اور آپ قریش کے بزرگوں کے بغل میں کھڑے ہوکر اس طرح کے عہد و پیمان میں شرکت فرماتے تھے۔ اور بعثت کے بعد اپنی اس شرکت کو نیک اور اچھا کہتے تھے اور فرماتے تھے۔

''میں نے عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ایک پیمان میں شرکت کی کہ اگر اس کے بدلے مجھے سرخ بالوں کا اونٹ دیدیا جاتا تو پھر بھی میں اتنا خوش نہ ہوتا۔ اور اگر دور اسلام میں بھی ہمیں اس طرح کے عہد و پیمان کی دعوت دیں تو ہم اسکو قبول کریں گے''۔[3]

یہ عہد اس لحاظ سے موجود عہدوں میں سب سے اہم اور برتر تھا اور اسے ''حلف الفضول'' کہا گیاہے۔[4] یہ عہد ہمیشہ مظلوموں اور بے پناہوں کی پناہ گاہ تھا اور بعد میں بھی کئی مرتبہ مظلوموں اور پردیسیوں کو اس پیمان کی مدد سے مکہ کے بدمعاشوں اور سرغنہ لوگوں کے چنگل سے رہائی ملی۔[5] و[6]

---

1 محمد بن حبیب، گزشتہ حوالہ، ص ۵۳۔ ۵۲؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۲۸؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۳؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۱۴۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: الشیخ محمد باقر المحمودی (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ط ۱، ۱۳۹۴ھ.ق)، ج ۲، ص ۱۲۔

2 محمد بن سعد، گزشتہ حوالہ، حضرت محمدؐ کا سن اس وقت اس سے بھی زیادہ نقل ہوا ہے؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۳، المنمق، ص ۵۳؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۲م)، ج ۱۵، ص ۲۲۵

3 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۱۴۲؛ یعقوبی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۶؛ محمد بن حبیب، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸۸۔

4 محمد ابن حبیب، گزشتہ حوالہ، ص ۵۵۔ ۵۴۔

5 گزشتہ حوالہ، بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۱۳

6 عصر اسلام میں اس عہد و پیمان کی یاد بھی باقی ہے جیسا کہ امام حسینؑ نے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان سے جو معاویہ کا بھتیجا اور مدینہ کا حاکم تھا ایک زمین کے سلسلہ میں اختلاف کی صورت میں اسے دھمکی دی کہ اگر طاقت کا استعمال کیا تو تلوار لیکر مسجد پیغمبر میں (قریش) کو ایسے عہد و پیمان کی دعوت دوں گا۔ یہ بات سن کر قریش کی کچھ شخصیتوں نے آپ سے نصرت کا وعدہ کیا جب ولید کو اس کی اطلاع ملی تو وہ اپنے ارادہ سے پیچھے ہٹ گیا! (ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۱۴۲؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۱۴؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۲۱۵؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۵، ص ۲۲۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ج ۲، ص ۴۲۔

شام کی طرف دوسرا سفر

جناب خدیجہ (دختر خویلد) ایک تجارت پیشہ، شریف اور ثروتمند خاتون تھیں۔ تجارت کے لئے لوگوں کو ملازمت پر رکھتی تھیں اور انھیں اپنا مال دے کر تجارت کے لئے بھیجتی تھیں اور انھیں ان کی مزدوری دیتی تھیں۔[1]

جب حضرت محمدؐ ۲۵ سال کے ہوئے[2] تو جناب ابوطالب نے آپ سے کہا: میں تہی دست ہو گیا ہوں اور مشکلات و دشواریوں میں گرفتار ہوں اس وقت قریش کا ایک قافلہ تجارت کے لئے شام جا رہا ہے۔ کاش تم بھی خدیجہ کے پاس جاتے اور ان سے تجارت کا کام لیتے، وہ لوگوں کو تجارت کے لئے بھیجتی ہیں۔

دوسری طرف سے جناب خدیجہ جو حضرت محمدؐ کے پسندیدہ اخلاق، صداقت و راست گوئی اور امانتداری سے آگاہ ہو گئی تھیں آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر ہمارے تجارت کے کام کو قبول کریں تو دوسروں سے زیادہ انھیں اجرت دوں گی۔ اور اپنے غلام میسرہ کو بھی ان کا ہاتھ بٹانے کے لئے بھیجوں گی۔

حضرت محمدؐ نے ان کی اس پیشکش کو قبول کر لیا۔[3] اور میسرہ کے ہمراہ قریش کے کاروان کے ساتھ شام کے لئے روانہ ہو گئے[4] اس سفر میں انھیں گزشتہ سے زیادہ فائدہ ملا۔[5]

میسرہ نے اس سفر میں حضرت محمدؐ کے ذریعہ ایسی کرامتیں دیکھیں کہ وہ حیرت و استعجاب میں پڑ گیا۔ اس سفر میں "نسطور راہب" نے آپ کے آئندہ رسالت کی بشارت دی۔ اسی طرح میسرہ نے دیکھا کہ حضرت محمدؐ سے ایک شخص کا، تجارت کے معاملہ میں اختلاف ہو گیا ہے وہ شخص کہتا تھا کہ لات و عزیٰ کی قسم کھاؤ تا کہ میں تمہاری بات کو قبول کروں۔

آپ نے جواب دیا: میں نے ابھی تک کبھی لات و عزیٰ کی قسم نہیں کھائی ہے۔[6]

میسرہ نے سفر سے پلٹتے وقت محمدؐ کی کرامتوں اور جو کچھ اس نے دیکھا تھا۔ جناب خدیجہ سے آکر بتایا۔[7]

---

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۹۹؛ ابن اسحاق، السیر والمغازی، تحقیق: سہیل زکار (بیروت: دار الفکر، ط۱، ۱۳۹۸ھ.ق)، ص۸۱؛ سبط ابنالجوزی، تذکرۃالخواص، ص۳۰۱، میں کہتا ہے کہ "جناب خدیجہ نے ان کو ٹھیکہ پر کام دیا تھا" اور ابن اثیر اسدالغابہ میں، ج۱، ص۱۶۔ پر لکھتا ہے: " ان کو مزدوری یا ٹھیکہ پر کام دیا تھا"۔

2 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۲۹۔

3 ایسے ثبوت ملتے ہیں کہ محمدؐ کا کام مضاربہ کی شکل میں تھا آپ مزدوری پر کام نہیں کرتے تھے (الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۱، ص ۱۱۲)

4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص۱۹۹؛ ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص۸۱

5 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱۳۰

6 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱۳۰۔

7 ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص۸۲؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱۳۱؛ ابناثیر، الکامل، فی التاریخ الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ج۲، ص۳۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دارالقاموس الحدیث)، ج۲، ص۱۹۶؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ترجمۂ محمود مہدوی دامغانی (تہران: مرکز انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۶۱)، ج۱، ص۲۱۵؛ ابن اثیر، اسد الغابہ (تہران: المکتبۃ الاسلامیہ)، ج۵، ص ۴۳۵؛ ابی بشر، محمد بن احمد الرازی الدولابی، الذریۃ الطاہرۃ، تحقیق: السید محمد جواد الحسینی الجلالی (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ط۲، ۱۴۰۸ھ.ق)، ص۴۶۔۴۵۔

جناب خدیجہ کے ساتھ شادی

جناب خدیجہ ایک باشعور، دور اندیش اور شریف خاتون تھیں اور نسب کے لحاظ سے قریش کی عورتوں سے افضل و برتر تھیں۔[1] وہ متعدد اخلاقی اور اجتماعی خوبیوں کی بناپر زمانۂ جاہلیت میں "طاہرہ"[2] اور "سیدۂ قریش"[3] کے نام سے پکاری جاتی تھیں۔ مشہور یہ ہے کہ اس سے قبل آپ نے دو بار شادی کی تھی اور آپ کے دونوں شوہروں کا انتقال ہو گیا تھا۔[4]

تمام بزرگان قریش آپ سے شادی کرنا چاہتے تھے[5] قریش کی معروف ہستیاں، جیسے عقبہ بن ابی معیط، ابو جہل اور ابوسفیان نے آپ کے ساتھ شادی کا پیغام بھیجا لیکن آپ، کسی سے شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئیں۔[6]

دوسری طرف خدیجہ، حضرت محمدؐ کی رشتہ دار تھیں اور دونوں کا نسب قصی سے ملتا تھا آپ حضرت محمدؐ کے روشن مستقبل سے بھی باخبر تھیں[7] اور ان سے شادی کی خواہش مند تھیں۔[8]

جناب خدیجہ نے حضرت محمدؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجوایا اور محمدؐ نے اپنے چچا کی مرضی سے اس پیغام کو قبول کر لیا اور یہ شادی انجام پائی۔[9]

---

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۰۱۔ ۲۰۰؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۳۱؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۱۵؛ رازی دولابی، گزشتہ حوالہ، ص۴۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۳۹۔

2 ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۵، ص۴۳۴؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۲۴؛ عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ (بیروت: دار احیاء التراث العربی) ج۴، ص۲۸۱؛ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (الاصابہ کے حاشیہ پر) ج۴، ص۲۷۹۔

3 حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۲۴۔

4 ان کے گزشتہ شوہر عتیق بن عائذ (عابد نسخہ بدل) اور ابوہالہ ہند بن نباش تھے۔ (ابن کثیر، اسد الغابہ، ج۵، ص۴۳۴؛ ابن حجر، گزشتہ حوالہ، ص۲۸۱؛ ابن عبد البر، گزشتہ حوالہ، ص۲۸۰؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۲۹؛ ابو سعید خرگوشی، شرف النبی، ترجمہ: نجم الدین محمود راوندی (تہران: انشارات بابک، ۱۳۶۱)، ص۲۰۱؛ شیخ عبد القادر بدران، تہذیب دمشق (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط۳، ۱۴۰۷ھ۔ق)، ج۱، ص۳۰۲)، لیکن کچھ اسناد و شواہد اس بات کی حکایت کرتے ہیں کہ جناب خدیجہ نے اس سے قبل شادی نہیں کی تھی اور حضرت محمدؐ آپ کے پہلے شوہر تھے۔ بعض معاصر محققین بھی اس بات کی تاکید کرتے ہیں (مرتضی العاملی، جعفر، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۱، ص۱۲۱)۔

5 ابن سعد، گزشتہ حوالہ؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ص۲۱۵؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۱۹۷؛ حلبی، گزشتہ حوالہ؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۴۰.

6 مجلسی، بحار الانوار (تہران: دار الکتب الاسلامیہ)، ج۱۶، ص۲۲۔

7 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص۲۱۔ ۲۰؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۰۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعۃ العلمیہ)، ج۱، ص۴۱۔

8 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص۲۳۔۲۱۔

9 ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص۸۲؛ بلاذری، انساب الاشراف، محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف)، ج۱، ص۹۸؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۴۰؛ رازی دولابی، گزشتہ حوالہ، ص۴۶؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ص۲۲۷؛ ابن شہر آشوب، ج۱، ص۴۲؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۱۶، ص۱۹۔

مشہور قول کے مطابق خدیجہ اس وقت ۴۰ برس کی تھیں اور محمدؐ ۲۵ سال کے تھے۔[1] جناب خدیجہ پہلی خاتون تھیں جنھوں نے حضرت محمدؐ کے ساتھ شادی کی۔[2]

حجر اسود کا نصب کرنا

حضرت محمدؐ کے نیک اخلاق و کردار' امانت و صداقت اور اچھے اعمال نے اہل مکہ کو ان کا گرویدہ بنادیا تھا۔ سب آپ کو "امین" کہتے تھے[3] آپ لوگوں کے دلوں میں اس طرح سے بس گئے تھے۔ کہ حجر اسود[4] کے نصب کے سلسلہ میں لوگوں نے آپ کے فیصلہ کا استقبال کیا اور آپ نے اپنی خاص تدبیر اور حکمت عملی کے ذریعہ ان کے درمیان موجود اختلاف کو حل کر دیا۔ جس کی توضیح یہ ہے۔

جس وقت حضرت محمدؐ ۳۵ برس کے ہوئے تو مکہ کے پہاڑوں سے چشمہ کے جاری ہونے کی وجہ سے خانہ کعبہ کی دیواریں کئی جگہ سے منہدم ہو گئیں کعبہ میں اس وقت تک چھت نہیں تھی اور اس کی دیواریں چھوٹی تھیں اس اعتبار سے اس کے اندر موجود چیزیں محفوظ نہیں تھیں۔

قریش نے چاہا کہ کعبہ کی چھت کو بنائیں لیکن وہ یہ کام نہیں انجام دے سکے۔ اس کے بعد مکہ کے بزرگوں نے چاہا کہ کعبہ کی دیوار کو توڑ کر پھر سے از نو تعمیر کریں اور اس پر چھت بھی ڈالیں۔

لہٰذا کعبہ کی تعمیر نو کے بعد' قریش کے قبیلوں کے درمیان حجر اسود کے نصب کرنے کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہو گیا اور قبیلہ جاتی رسّہ کشی اور فخر و مباہات دوبارہ زندہ ہو گئیں' ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ اس پتھر کے نصب کرنے کا شرف اس کو حاصل ہو بعض قبیلوں نے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو خون سے لبریز طشت میں ڈال کر یہ عہد کیا کہ یہ افتخار دوسرے قبیلہ کے پاس نہیں جانے دیں گے۔

آخر کار قریش کے ایک بزرگ اور سن رسیدہ شخص کے مشورہ پر یہ طے پایا کہ کل جو شخص سب سے پہلے باب بنی شیبہ (یا باب صفا) سے مسجد الحرام میں داخل ہو گا۔ وہی قبائل کے درمیان حجر اسود کے نصب کرنے کا فیصلہ کرے گا۔

اچانک حضرت محمدؐ اس دروازہ سے داخل ہوئے سب نے ملکر کہا: یہ محمدؐ امین ہیں ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہیں لہٰذا آنحضرت کے حکم سے ایک چادر منگائی گئی اور چادر کو پھیلا کر اس میں حجر اسود کو رکھا گیا اور قبائل کے سرداروں سے کہا گیا کہ ہر ایک اس کا ایک گوشہ پکڑ لے

---

1 بلاذری' گزشتہ حوالہ' ص ۹۸؛ ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۱۳۲؛ طبری' گزشتہ حوالہ' ج۲' ۱۹۶؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ۲۲۸؛ ابن عبد البر' الاستیعاب' ج۴' ص ۲۸۰؛ ابن اثیر' اسد الغابہ' ج۵' ص ۴۳۵؛ الکامل فی التاریخ' ج۲' ص ۳۹۔ جناب خدیجہ کی شادی کے وقت ان کی عمر کے بارے میں دوسرے اقوال بھی موجود ہیں۔ رجوع کریں: امیر مھیا الخیامی' زوجات النبیؐ واولادہ (بیروت: مؤسسۃ عز الدین' ط۱' ۱۴۱۱ھ.ق) ' ص ۵۴۔ ۵۳۔
2 ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۲۰۱؛ رازی دولابی' گزشتہ حوالہ' ص ۴۹؛ بیہقی' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۲۱۶؛ ابو سعید خرگوشی' گزشتہ حوالہ' ص ۲۰۱؛ شیخ عبد القادر بدران' تہذیب تاریخ دمشق' ج۱' ص ۳۰۲؛ ابن اثیر' اسد الغابہ' ج۵' ص ۴۳۴۔

3 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۱۲۱؛ ابن ہشام' ج۱' ص ۲۱۰؛ بیہقی' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۲۱۱؛ مجلسی' گزشتہ حوالہ' ج۱۵' ص ۳۶۹۔
4 یہ پتھر کعبہ کے مقدس ترین اجزاء میں سے ہے۔ روایات میں نقل ہوا ہے کہ یہ بہشتی اور آسمانی پتھر ہے جس کو جناب ابراہیم نے حکم خدا سے کعبہ کا جزء قرار دیا ہے (مجلسی' گزشتہ حوالہ' ج۲' ص ۹۹۔ ۸۴) ' ازرقی' تاریخ مکہ' تحقیق: رشدی الصالح ملحس' (بیروت: دار الاندلس' ط۳' ۱۴۰۳ھ.ق) ' ج۱' ص ۶۳۔ ۶۲؛ حجر اسود ابھی تک باقی ہے جو انڈہ کے شکل' سیاہ رنگ' مائل بہ سرخی ہے اور کعبہ کے رکن شرقی میں زمین سے ڈیڑھ میٹر کی بلندی پر نصب ہے اور طواف کا آغاز وہیں سے ہوتا ہے۔

اور سب ملکر پتھر کو دیوار تک لائیں جب پتھر دیوار کے پاس آگیاتو آنحضرتؐ نے اس کو اپنے دست مبارک سے اٹھاکر اپنی قدیمی جگہ پر رکھ دیا۔[1] اور اس طرح آپ نے اپنے حکیمانہ اور مدبرانہ عمل کے ذریعہ قبائل کے درمیان موجود اختلاف کو حل فرمایا اور انھیں ایک خون ریز جنگ سے بچالیا۔

علیؑ مکتب پیغمبرؐ میں

کعبہ کی تعمیر نو کے چند سال بعد اور بعثت پیغمبرؐ سے چند سال قبل مکہ میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا۔ اس وقت پیغمبرؐ کے چچا جناب ابوطالب تہی دست اور کثیر العیال تھے۔ حضرت محمدؐ نے اپنے دوسرے چچا عباس کو (جو کہ بنی ہاشم کے ثروتمند ترین افراد میں سے تھے) مشورہ دیا کہ ہم میں سے ہر ایک ابوطالب کے ایک فرزند کو اپنے گھرلے جائے تاکہ ان کا مالی بوجھ کم ہو جائے۔

عباس اس بات پر راضی ہوگئے اور دونوں ابوطالب کے پاس گئے اور اپنی بات ان سے کہی تو وہ بھی راضی ہوگئے اور پھر جعفر کو عباس نے اور حضرت علی کو حضرت محمدؐ نے اپنی تربیت اور کفالت میں لے لیا اور حضرت علیؑ آنحضرتؐ کے گھر میں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ خداوند عالم نے ان کو مبعوث بہ رسالت کیا اور علیؑ نے آپ کی تصدیق اور پیروی کی۔[2]

حضرت علیؑ اس وقت چھ سال کے تھے۔[3] یہ ان کی شخصیت سازی اور تربیت پذیری کا حساس دور تھا گویا حضرت محمدؐ چاہتے تھے کہ ابوطالب کے کسی ایک لڑکے کی تربیت کر کے ان کی اور ان کے شریک حیات کی زحمتوں کا بدلا چکا دیں۔ لہٰذا ابوطالب کی اولاد میں سے علیؑ کو اس معاملہ میں مستعد تر پایا۔ جیسا کہ آپ نے علیؑ کی کفالت قبول کرنے کے بعد فرمایا ہے:

میں نے اس کو منتخب کیا جس کو خدا نے منتخب کیا ہے۔[4]

حضرت محمدؐ علیؑ سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی تربیت میں کسی قسم کی کوشش سے پیچھے نہیں ہٹے۔ فضل بن عباس (علیؑ کا چچا زاد بھائی) کہتا ہے کہ: میں نے اپنے والد محترم (عباس بن عبد المطلب) سے پوچھا کہ پیغمبرؐ اپنے فرزندوں میں سے کس کو سب سے زیادہ چاہتے ہیں؟ کہا: علی ابن ابی طالب کو۔

---

1 ابن سعد، گزشتہ، ج۱، ص ۱۴۶۔ ۱۴۵؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۱۵۔ ۱۴؛ مجلسی، گزشتہ، ج۱۵، ص ۳۳۸۔ ۳۳۷؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۰۰۔ ۹۹؛ مسعودی، مروج الذہب، (بیروت: دار الاندلس، ط۱، ۱۹۶۵.)، ج۲، ص ۲۷۲۔ ۲۷۱؛ بعض مورخین نے کعبے کی خرابی اور اس کی تعمیر نو کا سبب ایک دوسرا واقعہ نقل کیا ہے لیکن سب نے حجر اسود کے نصب کے سلسلے میں آپ کے فیصلہ کو نقل کیا ہے۔ رجوع کریں: ابن اسحاق، السیر والمغازی، ص ۱۰۳؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۰۵؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ترجمہ: محمود مہدوی دامغانی، ج۱، ص ۲۱۰۔

2 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، (قاہرہ: مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی)، ۱۳۵۱ھ.ق)، ج۱، ص ۲۶۲؛ طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج۲، ص ۲۱۳؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ۱۳۹۹ھ.ق)، ج۲، ص ۵۸؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: الشیخ محمد باقر المحمودی (بیروت: مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات، ط۱)، ۱۳۹۴ھ.ق، ج۲، ص ۹۰؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۲ء)، ج۱۳، ص ۱۹ اور ج۱، ص ۱۵۔

3 ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۵؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعۃ العلمیہ)، ج۲، ص ۱۸۰۔

4 ابو الفرج اصفہانی، مقاتل الطالبین (نجف اشرف: منشورات المکتبۃ الحیدریہ)، ص ۱۵۔

میں نے کہا: میں نے رسول خداؐ کے لڑکوں کے بارے میں پوچھا ہے۔ کہا: رسول خداؐ اپنے تمام لڑکوں میں علیؑ کو زیادہ چاہتے ہیں اور سب سے زیادہ ان پر مہربان ہیں میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے علیؑ کو زمانۂ کمسنی سے اپنے سے الگ کیا ہو؟ مگر ایک سفر میں جو آپ نے جناب خدیجہ کے لئے کیا تھا۔ ہم نے کسی پدر کو اپنی اولاد کے بارے میں رسول خداؐ سے زیادہ مہربان نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی علیؑ سے زیادہ فرمانبردار کوئی لڑکا دیکھا ہے جو اپنے باپ کی فرمانبرداری کرے۔[1]

بعثت کے بعد حضرت محمدؐ نے علیؑ کو اس طرح سے تعلیمات اسلام سے آگاہ کیا کہ اگر رات میں وحی نازل ہوتی تھی تو صبح ہونے سے قبل علیؑ کو بتادیتے تھے اور اگر دن میں وحی نازل ہوتی تھی تو رات ہونے سے قبل علیؑ کو اس سے آگاہ کر دیتے تھے۔[2]

علیؑ سے پوچھا گیا: کس طرح آپ نے دوسرے اصحاب سے پہلے آنحضرتؐ سے حدیث سیکھی؟ تو آپ نے جواب دیا: جب میں پیغمبرؐ سے پوچھتا تھا تو وہ جواب دیتے تھے اور جب میں خاموش رہتا تھا تو وہ خود مجھے حدیث بتاتے تھے۔[3]

حضرت علیؑ نے اپنے دور خلافت میں اپنی تربیت کے زمانہ کو یاد کر کے اس طرح سے فرمایا ہے:

''اور تم رسول خداؐ کی قریبی قرابت کے حوالے سے میرا مقام اور بالخصوص قدر و منزلت جانتے ہی ہو میں بچہ تھا کہ رسولؐ نے مجھے گود میں لے لیا تھا مجھے اپنے سینہ سے چمٹائے رکھتے تھے اور بستر میں اپنے پہلو میں جگہ دیتے اور جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ وہ کوئی چیز خود چباتے پھر اس کے لقمے میرے منھ میں دیتے تھے اور میں ان کے پیچھے پیچھے اس طرح لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے پیچھے رہتا ہے وہ ہر روز مجھے اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے تھے اور مجھے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے۔ وہ ہمیشہ (کوہ) حرا میں مجھے ساتھ رکھتے تھے اور وہاں انھیں میرے سوا کوئی نہیں دیکھتا تھا... اور جب حضور پر پہلے پہل وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ آواز کیسی ہے؟

فرمایا: یہ شیطان ہے جو اپنی عبادت سے محروم ہو گیا ہے جو کچھ میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو فرق صرف یہ ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ تم میرے وزیر ہو اور یقیناً خیر پر ہو۔[4]

اگرچہ یہ بات بعثت کے بعد پیغمبرؐ کی عبادت سے مربوط ہو سکتی ہے جو آپ نے غار حرا میں انجام دی ہے لیکن یہ بات پیش نظر رہے کہ پیغمبرؐ کی عبادت غار حرا میں غالباً رسالت سے قبل رہی ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ موضوع، حضرت محمدؐ کی رسالت سے قبل کا تھا اور شیطان کے نالہ و فریاد کا سننا آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت، جب قرآن کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں تھیں۔ اس وقت سے مربوط ہے۔ بہر حال علیؑ کی پاکیزہ نفسی اور پیغمبر اسلامؐ کی مسلسل تربیت کی وجہ سے وہ بچپنے ہی سے اپنی چشم بصیرت و بصارت اور گوش سماعت اور قلبی ادراک کے ذریعہ ایسی چیزوں کو دیکھتے اور سنتے تھے جو عام انسانوں کے لئے ممکن نہیں تھا۔

---

1 ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۳، ص ۲۰۰۔

2 شیخ طوسی، الامالی (قم: دار الثقافہ للطباعۃ والنشر والتوزیع، ط ۱، ۱۴۱۴ھ.ق)، ص ۶۲۴۔

3 سیوطی، تاریخ الخلفاء (قاہرہ: ط ۳، ۱۳۸۳ھ.ق)، ص ۱۷۰۔

4 نہج البلاغہ، صبحی صالح، خطبہ ۱۹۲

تیسرا حصہ

- بعثت سے ہجرت تک
- پہلی فصل: بعثت اور تبلیغ
- دوسری فصل: علی الاعلان تبلیغ اور مخالفتوں کا آغاز
- تیسری فصل: قریش کی مخالفتوں کے نتائج اور ان کے اقدامات

پہلی فصل

بعثت اور تبلیغ

رسالت کے استقبال میں

جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ حضرت محمدؐ کے آباء واجداد موحد تھے اور ان کا خاندان طیب وطاہر تھا اور خدا نے انھیں حسب ونسب کی طہارت کے علاوہ بہترین تربیت سے نوازا تھا وہ بچپنے سے ہی اہل مکہ کے برے اخلاق اور بت پرستی میں ملوث نہیں تھے۔[1] وہ بچپنے سے ہی خداوند عالم کی عنایت اور اس کی خاص تربیت کے زیر نظر تھے اور آپ کے زمانۂ تربیت کو حضرت علیؑ نے اس طرح سے بیان فرمایا ہے:

"اور خدا نے آنحضرتؐ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے اپنے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک کو آپ کے ساتھ کر دیا تھا جو شب و روز بزرگوں کی راہ اور حسن اخلاق کی طرف لے چلتا تھا۔[2]

حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے: جس وقت سے آنحضرتؐ کا دودھ چھوڑایا گیا خداوند عالم نے آپ کے ساتھ ایک بڑے فرشتہ کو کر دیا تاکہ وہ آپ کو نیکیوں اور اچھے اخلاق کی تعلیم دے اور برائیوں اور برے اخلاق سے روکے یہ وہی فرشتہ تھا جس نے جوانی میں آپ کو مبعوث بہ رسالت ہونے سے قبل آواز دی تھی اور کہا تھا: "السلام علیک یا محمد رسول اللہ" لیکن آپ نے سوچا کیا کہ یہ آواز پتھر اور زمین سے آرہی ہے کافی غور کیا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔[3]

بعثت سے قبل حضرت محمدؐ کی عقل وفکر کامل ہوچکی تھی اور آپ کو اپنے یہاں کے آلودہ ماحول سے تکلیف اور کوفت ہوتی تھی لہٰذا آپ لوگوں سے بچتے تھے۔[4] اور ۳۷ سال کی عمر میں آپ کے اندر معنویت پیدا ہوگئی تھی اور آپ محسوس کرتے تھے کہ غیب کے دریچے آپ کے لئے کھلے ہوئے ہیں آپ کے بارے میں جو باتیں اکثر آپ کے رشتہ داروں اور اہل کتاب کے دانشوروں جیسے بحیرا، نسطور وغیرہ کے ذریعہ سنی

---

1 علی بن برہان الدین الحلبی، السیرة الحلبیہ (انسان العیون) ، (بیروت: دار المعرفہ)، ج۱، ص ۲۰۴-۱۹۹؛ ابی الفداء اسماعیل بن کثیر، السیرة النبویہ، تحقیق: مصطفیٰ عبد الواحد (قاہرہ: مطبعہ عیسی البابی الحلبی)، ج۱، ص ۲۵

2 ولقد قرن اللہ بہ من لدن ان کان فطیماً اعظم ملک من ملائکتہ، یسلک بہ طریق المکارم و محاسن اخلاق العالم لیلہ و نہارہ... ، نہج البلاغہ، حطبہ ۱۹۲.

3 ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابو الفضل ابراہیم (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۱ء)، ج۱، ص ۲۰۷

4 ابن کثیر، سابق، ج۱، ص ۳۸۹.

گئی تھیں، وہ عنقریب رونما ہونے والی تھیں کیونکہ آپ ایک خاص نور دیکھنے لگے تھے اور آپ کے اوپر اسرار فاش ہونے لگے تھے اور اکثر آپ کے کانوں سے غیب کی صدا ٹکراتی تھی لیکن کسی کو آپ دیکھتے نہیں تھے۔[1]

کچھ دنوں تک خواب کی حالت میں آواز سنائی پڑتی تھی کہ کوئی انھیں پیغمبرؐ کہہ رہا ہے ایک دن مکہ کے اطراف کے بیابانوں میں ایک شخص نے آپ کو رسول اللہ کہہ کر پکارا آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "میں جبرئیل ہوں۔

خداوند عالم نے مجھے بھیجا ہے تاکہ تمہیں پیغمبری کے منصب پر مبعوث کروں حضرت محمدؐ نے جس وقت یہ خبر اپنی زوجہ کو سنائی تو وہ خوش ہو کر بولیں "امید کرتی ہوں کہ ایسا ہی ہو"۔[2]

اس وقت حضرت محمدؐ سال میں کچھ دن "غار حرا"[3] میں رہا کرتے تھے اور دعا و عبادت کیا کرتے تھے[4] اور اس طرح کی گوشہ نشینی اور غار حرا میں عبادت، قریش کے خدا پرستوں میں سابقہ نہیں رکھتی تھی۔[5] پہلا شخص جس نے اس سنت کو قائم کیا حضرت محمدؐ کے جد حضرت عبد المطلب تھے کہ جب ماہ رمضان آتا تھا تو غار حرا میں چلے جاتے تھے اور فقیروں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔[6]

---

1 حلبی، سابق، ج۱، ص۳۸۱۔۳۸۰؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، تحقیق: مصطفیٰ السقاء اور دوسرے افراد (قاہرہ: مطبعہ مصطفیٰ البابی الحبی، ۱۳۵۵ھ) ، ج۱، ص۱۵۰؛ طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث) ، ج۲، ص۲۰۴۔۲۰۳؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعہ العلمیہ) ، ج۱، ص۴۳؛ مجلسی، بحار الانوار، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ج۱۸، ص۱۸۴ اور ۱۹۳؛ مراجعہ: تاریخ یعقوبی (نجف: المکتبہ الحیدریہ، ۱۳۸۴ھ) ، ج۲، ص۱۷.

2 ابن شہر آشوب، سابق، ج۱، ص۴۴؛ مجلسی، سابق، ج۱۸، ص۱۹۴؛ طبرسی، اعلام الوریٰ باعلام الہدی (تہران: دار الکتب السامیہ، ط۳) ، ص۳۶؛ ان دلائل و شواہد کو دیکھتے ہوئے جیسا کہ مرحوم کلینی نے روایت کی ہے حضرت محمدؐ اس وقت "نبی" تھے لیکن ابھی مرتبۂ رسالت پر نہیں پہنچے تھے (الاصول من الکافی، تہران: مکتبہ الصدوق، ۱۳۸۱ھ) ، ج۱، ص۱۷۶۔

3 غار حرا مکہ کے شمال مشرقی حصے میں واقع ہے اور اس لحاظ کہ خورشید وحی کے طلوع کی جگہ قرار پائی "جبل النور" (کوہ نور) کہا جاتا ہے کچھ سال پہلے شہر مکہ سے اس پہاڑ تک تھوڑا فاصلہ پایا جاتا تھا لیکن اب، شہر مکہ کی توسیع کی بنا پر پہاڑ کے کنارے تک گھر بن گئے ہیں، حرا پہاڑ جو کئی پہاڑ کے بیچ میں ہے سب سے بلند اور اونچا ہے غار حرا جو پہاڑ کی چوٹی میں واقع ہے "دراصل وہ غار نہیں ہے بلکہ پتھر کی ایک عظیم پٹیہ جو پتھر کے دو بڑے ٹکڑوں کے اوپر چپکی ہوئی اس سے ایک چھوٹا سا غار تقریباً ڈیڑھ میٹر کا بن گیا تھا، غار کا منھ پھیلا ہوا ہے ہر شخص آسانی سے اس میں آجا سکتا ہے لیکن آدھا حصہ اس کا بعد والا تنگ اور اس کی چھت چھوٹی ہے اور سورج کی روشنی غار کے آدھے حصہ سے زیادہ نہیں پہنچ پاتی ہے۔

4 نہج البلاغہ، تحقیق صبحی صالح، خطبہ ۱۹۲ (قاصعہ) ؛ ابن ہشام، سابق، ج۱، ص۲۵۱.

5 ابن ہشام، سابق، ج۱، ص۲۵۱؛ سابق، ج۲، ص۲۰۶؛ ابن کثیر، سابق، ج۱، ص۳۹۰؛ بلاذری۔

6 حلبی، سابق، ص۳۸۲.

رسالت کا آغاز

حضرت محمدؐ جب چالیس برس کے ہوئے [1] تو اس وقت بھی آپ اپنے قدیمی دستور کے مطابق کچھ دن کے لئے غار حرا میں چلے گئے تو وہاں وحی کا نمائندہ نازل ہوا اور خدا کی بارگاہ سے قرآن مجید کی ابتدائی آیات آپ کے سینہ پر نازل ہوئیں۔ [2]

(بسم الرحمٰن الرحیم . اقرأ باسم ربک الذی خلق . خلق الانسان من علق . اقرأ و ربک الاکرم . الذی علّم بالقلم . علم الانسان مالم یعلم" [3]

اس خدا کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا ہے

اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے

پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے

جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ہے

اور انسان کو وہ سب کچھ بتادیا ہے جو اسے نہیں معلوم تھا۔

خداوند عالم نے حضرت محمدؐ کے ساتھ فرشتۂ وحی (جناب جبرئیل) کا دیدار اور اس کے پیغام پہنچانے کو قرآن مجید میں دو مقام پر ذکر فرمایا ہے:

قسم ہے ستارہ کی جب وہ ٹوٹا

تمہارا ساتھی (محمدؐ) نہ گمراہ ہوا ہے اور نہ بہکا

اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے

اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے

اسے (فرشتہ) نہایت طاقت والے (جبرئیل) نے تعلیم دی ہے

وہ صاحب حسن و جمال جو سیدھا کھڑا ہوا

جبکہ وہ بلند ترین افق پر تھا

---

1 ابن ہشام، سابق، ص ۲۴۹؛ طبری، سابق، ص ۲۰۹؛ بلاذری، ص ۱۱۵۔ ۱۱۴؛ ابن، الطبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ج۱، ص ۱۹۰؛ مسعودی، التنبیہ و الاشراف، (قاہرہ: دار الصاوی للطبع والنشر)، ص ۱۹۸؛ حلبی، سابق، ص ۳۶۳؛ مجلسی، سابق، ص ۲۰۴۔

2 طبرسی، مجمع البیان (تہران: شرکۃ المعارف الاسلامیہ، ۱۳۷۹ھ)، ج۱۰، ص ۵۱۴؛ مسعودی، مروج الذہب، (بیروت: دار الاندلس، ط۱، ۱۹۶۵ء)، ج۲، ص ۱۲۹ و ۲۷۶۔

3 سورۂ علق، آیت ۵۔۱۔

پھر وہ قریب ہوا اور آگے بڑھا

یہاں تک کہ دو کمان یا اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا

پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف جس راز کی بات کرنا چاہی وحی کر دی

دل نے اس بات کو جھٹلایا نہیں جس کو آنکھوں نے دیکھا

کیا تم اس سے اس بات کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہو جو وہ دیکھ رہا ہے۔[1]

تو میں ان ستاروں کی قسم کھاتا ہوں جو پلٹ جانے والے ہیں

چلنے والے اور چھپ جانے والے ہیں

اور رات کی قسم جب ختم ہونے کو آئے

اور صبح کی قسم جب سانس لینے لگے

بیشک یہ ایک معزز فرشتے کا بیان ہے

وہ صاحب قوت ہے اور صاحب عرش کی بارگاہ کا مکین ہے

وہ وہاں قابل اطاعت اور پھر امانت دار ہے

اور تمہارا ساتھی پیغمبر دیوانہ نہیں ہے

اور اس نے فرشتہ کو بلند افق پر دیکھا ہے

اور وہ غیب کے بارے میں بخیل نہیں ہے

اور یہ قرآن کسی شیطان رجیم کا قول نہیں ہے

تو تم کدھر چلے جا رہے ہو۔[2]

1 سورۂ نجم، آیت ۱۲۔۱؛ اسلامی دانشوروں نے ان آیات کو پیغمبر اسلاؐم کی بعثت سے مربوط قرار دیا ہے قرائن اور شواہد بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں (مراجعہ کریں : مجلسی، بحار الانوار، ج۱۸، ص ۲۴۷؛ محمد ہادی معرفت، التمہید فی علوم القرآن، ج۱، ص ۳۵؛ احمد بن محمد القسطلانی، المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ، تحقیق : صالح احمد الشامی (بیروت : المکتب الاسلامی، ط۱، ۱۴۱۲ھ) ج۳، ص ۸۹۔۸۸؛ لیکن دوسری تفسیر کی بنیاد پر معراج سے مربوط ہے۔

2 سورۂ تکویر، آیت ۲۶۔۱۵.

طلوع وحی کی غلط عکاسی

بعض تاریخ اور حدیث کی کتابوں میں پیغمبر اسلاؐم کی بعثت کو غلط اور افسانوی شکل میں نقل کیا گیا ہے جو کسی طرح سے حدیث اور تاریخی معیاروں کے مطابق، قابل قبول نہیں ہے اور اس اعتبار سے کہ یہ خبر، مشہور ہے۔ فارسی کی درسی کتابوں میں بھی نقل ہوئی ہے۔ للذا مناسب ہے ہم اس کو نقل کریں اور اس پر تنقید کریں۔

عائشہ کہتی ہیں کہ پہلی بار جب رسول خداؐ پر وحی نازل ہوئی تو وہ سچا خواب تھا وہ جو بھی خواب دیکھتے تھے وہ صبح روشن کے مانند ہوا کرتا تھا اس کے بعد وہ چاہتے کہ گوشہ نشین ہو جائیں اور پھر غار حرا میں گوشہ نشین ہو جاتے تھے اور وہاں کچھ راتیں عبادت میں بسر کرتے اور پھر اپنے اہل خانہ کے پاس واپس چلے آتے تھے اور خدیجہ سے آذوقہ لیتے تھے (اور پھر غار حرا میں واپس چلے جاتے تھے) یہاں تک کہ حق آپ کے پاس آیا اور آپ اس وقت غار میں تھے۔ فرشتہ وحی آپ کے پاس آیا اور کہا: پڑھو۔ کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا ہوں۔

پیغمبرؐ نے فرمایا کہ فرشتے نے مجھے پکڑا اور زور سے دبایا یہاں تک کہ میں بے دم ہو گیا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ میں نے کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا ہوں دوبارہ ہم کو پکڑا اور اتنی زور سے دبایا کہ میری ساری طاقت چلی گئی۔ اس وقت مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو میں نے کہا: میں پڑھنا نہیں جانتا ہوں تیسری بار پھر مجھے پکڑا اور اتنی زور سے دبایا کہ میری ساری طاقت ختم ہو گئی پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جو خالق ہے... (پانچویں آیت تک)

اس وقت رسول خداؐ لرزتے ہوئے دل کے ساتھ پلٹے اور جناب خدیجہ کے پاس پہنچے اور فرمایا:

مجھے اڑھادو! مجھے اڑھادو! تو انھوں نے اڑھا دیا تاکہ آپ کا اضطراب اور خوف ختم ہو جائے[!] رسول خداؐ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا اسے آپ نے خدیجہ سے بتایا اور فرمایا کہ میں اپنے بارے میں خوف زدہ ہوں[!] خدیجہ نے کہا: قسم خدا کی! خدا آپ کو ہرگز رسوانہ فرمائے گا؛ کیونکہ آپ اپنے رشتہ داروں اور گھر والوں کے ساتھ نیکی اور غیروں کے ساتھ بخشش و خیرات کرتے ہیں۔ فقیروں اور تہی دستوں کی دلجوئی اور مہمانوں کی ضیافت اور حق والوں کی مدد فرماتے ہیں۔

پھر جناب خدیجہ آپ کے ساتھ، اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں وہ ایک سن رسیدہ اور نابینا شخص تھے اور زمانۂ جاہلیت میں عیسائیت کے گرویدہ ہو گئے تھے وہ عبرانی زبان سے واقف تھے اور انجیل کو اسی زبان میں لکھتے تھے۔

خدیجہ نے ان سے کہا: عموزادہ! اپنے بھائی کی بات سنیئے (کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟) ورقہ نے کہا: "بھائی تم نے کیا دیکھا؟" رسول خداؐ نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بتایا۔ ورقہ نے کہا: "یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا کاش آج میں جوان ہوتا۔ کاش میں اس دن زندہ رہوں؟ جب تمہاری قوم والے تم کو شہر سے باہر کردیں گے"۔

رسول خدا نے فرمایا: "کیا یہ لوگ مجھے شہر سے باہر کردیں گے۔ کہا: ہاں..."[1]

---

1 صحیح بخاری، شرح و تحقیق: الشیخ قاسم الشماعی الرفاعی (بیروت: دار القلم، ط۱، ۱۴۰۷ھ.ق)، ج۱، ص۶۰۔ ۵۹، کتاب بدء الوحی؛ صحیح مسلم، بشرح امام النووی (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۳ھ.ق)، ج۲، ص۲۰۴۔ ۱۹۷، باب بدء الوحی الی رسول اللہؐ؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۰۶۔ ۲۰۵۔

تنقید و تحلیل

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ یہ روایت اس شکل میں قابل قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ مندرجہ ذیل دلائل کی بنیاد پر سند اور متن دونوں لحاظ سے نا قابل اعتبار ہے۔

۱۔ اس واقعہ کی ناقل عائشہ ہیں اور وہ بعثت کے چوتھے یا پانچویں سال پیدا ہوئیں۔[1] لہٰذا وہ واقعہ کے وقت موجود ہی نہیں تھیں کہ واقعہ کی عینی گواہ بن سکیں اور چونکہ وہ اصلی راوی کا نام کہ شاید جس سے یہ واقعہ سنا ہے ذکر نہیں کرتیں لہٰذا ان کی نقل، فاقد سند اور علوم حدیث کی اصطلاح میں ''مرسل'' ہے اور روایت مرسل قابل اعتبار نہیں ہے۔

۲۔ اس روایت کی بنیاد پر فرشتۂ وحی نے متعدد بار حضرت محمدؐ کو پڑھنے کے لئے کہا اور آپ نے اظہار ناتوانی فرمایا۔ اگر مقصد یہ تھا کہ آنحضرت کلام خدا کو لوح سے دیکھ کر پڑھیں تو ایسی چیز معقول نہ تھی؛ کیونکہ خدا اور اس کا فرشتہ جانتا تھا کہ آپ امی ہیں اور پڑھنا نہیں جانتے ہیں اور اگر مقصد یہ تھا کہ فرشتہ کے کہنے پر آپ پڑھیں تو یہ کام کوئی مشکل نہیں تھا۔

جس سے حضرت محمدؐ (جو کہ ذہانت اور دقت میں معروف تھے) کمال عقل و فکر کے باوجود عاجز رہے ہوں !

۳۔ فرشتۂ وحی کے ذریعہ مسلسل دباؤ کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ جبکہ ہم جانتے ہیں کہ یاد کرنا ایک ذھنی کام ہے جس میں دباؤ کارگر نہیں ہوتا ہے اگر خیال کریں کہ یہ کام اس لئے تھا کہ حضرت، قدرت خدا سے اچانک پڑھنا سیکھ جائیں تو صرف ارادۂ الٰہی اس کام کے لئے کافی تھا ان مقدمات کی ضرورت نہیں تھی اور اگر دباؤ کے مسئلہ کو رسول خداؐ، پروردگار عالم اور عالم غیب سے مربوط سمجھیں پھر بھی قابل تاویل نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ خداوند عالم نے صراحت کے ساتھ قرآن میں بیان کر دیا ہے کہ پیغمبروں کا رابطہ عالم غیب سے ان تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ رہا ہے۔

۱۔ ڈائرکٹ رابطہ اور بغیر کسی واسطہ کے پیغام الٰہی کو دریافت کرنا؛

۲۔ آواز کے ذریعہ، بغیر کسی کو دیکھے ہوئے؛

۳۔ فرشتۂ وحی کے ذریعہ۔[2]

صرف وحی کے بغیر کسی واسطے کے دریافت کرنے پر پیغمبر اسلام نے دباؤ اور سختی کو برداشت کیا اور بعض روایتوں کی بنیاد پر آپ کا چہرہ متغیر ہو جایا کرتا تھا اور عرق کے قطرات موتی کی شکل میں آپ کے چہرے سے گرنے لگتے تھے۔[3]

---

1 عسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط۱، ۱۳۲۸ھ) ج۴، ص۳۵۹۔

2 وماکان لبشر ان یکلمہ اللّٰہ الا وحیا او من ورآی حجاب اویرسل رسولاً فیوحی باذنہ مایشاء انہ علیٌّ حکیمٌ'' (سورۂ شوریٰ، آیت ۵۱) اس بارے میں مزید آگاہی کے لئے مراجعہ کریں: (بحار الانوار، ج۱۸، ص۲۴۶، ۲۵۴، ۲۵۷

3 ابن سعد، سابق، ج۱، ص۱۹۷؛ ابن شہر آشوب، سابق، ج۱، ص۴۳؛ مجلسی، گزشتہ، ج۱۸، ص۲۷۱۔

لیکن اگر پیغام الٰہی فرشتہ کے ذریعہ بھیجا جاتا تھا تو حضرت پر کوئی خاص کیفیت طاری نہیں ہوا کرتی تھی جیسا کہ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں : ''جس وقت وحی جبرئیل لے آکر آتے تھے تو پیغمبرؐ عام حالت میں فرماتے تھے۔ یہ جبرئیل ہیں یا جبرئیل نے مجھ سے اس طرح یہ کہا ہے لیکن اگر وحی آپ پر براہ راست نازل ہوتی تھی تو گرانی اور بوجھ کا احساس کرتے تھے اور بے ہوشی جیسی کیفیت آپ پر طاری ہو جایا کرتی تھی''[1] جب جبرئیل حامل وحی ہوا کرتے تھے تو آنحضرتؐ ان کو دیکھ کر نہ تنہا کوئی خاص احساس نہ کرتے تھے بلکہ جب بھی آپ کی خدمت میں وہ حاضر ہوتے تھے 'بغیر آپ کی اجازت کے آپ کی خدمت میں قدم نہیں رکھتے تھے اور پیغمبرؐ کی بارگاہ میں نہایت ہی ادب سے بیٹھتے تھے۔[2]

اس تشریح اور توضیح کے ساتھ چونکہ مورخین کا اتفاق ہے کہ قرآن کی ابتدائی آیات کو جبرئیل غار حرا میں لے کر آئے تھے لہٰذا کسی طرح کا بوجھ اور سنگینی نہیں پائی جاتی تھی۔ لیکن اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ آنحضرتؐکو ذمہ داری کی سنگینی کا احساس نہیں تھا اور آنحضرتؐ کو بت پرستوں کی مخالفت کی فکر نہیں تھی۔

۴۔ حضرت محمدؐ کی آمادگیوں اور تیاریوں کو دیکھتے ہوئے اور اس سے قبل، غیبی پیغاموں کے دریافت کو دیکھتے ہوئے 'کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا کہ حضرت گھبرائے ہوں اور خوف واضطراب آپ پر طاری ہوا ہو اس سے قطع نظر بعض کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ جناب جبرئیل شب شنبہ اور شب یکشنبہ کے ابتدائی حصہ میں پیغمبر اسلامؐ کے قریب آئے اور تیسری بار (یعنی دوشنبہ کے دن) تھا کہ منصب رسالت پر آپ کو فائز کر دیا گیا۔[3] لہٰذا غار حرا میں بھی آنحضرتؐ کا پہلا دیدار 'فرشتے سے نہیں ہوا کہ اس کو دیکھ کر آنحضرتؐ کو خوف واضطراب طاری ہوا۔ اصولی طور پر جب تک کوئی ہر لحاظ سے سرّ الٰہی (رسالت) کو لینے کے لئے تیار نہ ہو خدائے حکیم اتنا بڑا عہدہ اور منصب اس کو نہیں عطا کرتا ہے۔

۵۔ کس طرح یہ بات قابل قبول ہوسکتی ہے کہ جناب خدیجہ کی معلومات (جو کہ ایک عام فرد تھیں) پیغمبر اسلامؐ سے زیادہ تھیں اور وہ آنحضرتؐ کے خوف واضطراب کو دیکھ کر ان کی دلجوئی اور دلداری کرتی تھیں۔

۶۔ اور سب سے زیادہ قبیح بات یہ کہ ہم حضرت محمدؐ کے بارے میں تصور کریں جو کہ رسالت اور لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے کہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کیا چیز آئندہ رونما ہونے والی ہے اور جبرئیل امین کو نہیں پہچانتے تھے اور اس کے پیغام کو صحیح طرح سے تشخیص نہیں دے سکتے یہاں تک کہ ایک ضعیف اور نابینا مسیحی نے ان کی رسالت کے اوپر مہر تصدیق لگائی اور محمدؐ کو اس کے اظہارات کے ذریعہ اپنی رسالت کے بارے میں اطمینان حاصل ہوا اور ان کے دل کو سکون وقرار ملا۔ اس بات کا بے بنیاد ہونا اتنا واضح ہے کہ کسی دلیل یا برہان کی ضرورت نہیں ہے۔

۷۔ اس خبر میں حضرت محمدؐ کی طرف جس شک وتردید کی نسبت دی گئی ہے وہ قرآن کی آیت کے مطابق نہیں ہے قرآن فرماتا ہے کہ (قلب محمدؐ) نے جس چیز کو دیکھا اس کو جھٹلایا نہیں۔[4]

طبرسیؒ (مشہور شیعہ عالم دین اور مفسر) کہتے ہیں :

---

1 مجلسی، سابق، ص ۲۶۸ اور ۲۷۱؛ صدوق، التوحید (تہران : مکتبۃ الصدوق)، ص ۱۱۵؛ مراجعہ کریں : مہر تابان، (آیۃ اللہ سید محمد حسین حسینی طہرانی کا انٹریو مرحوم علامہ سید محمد حسین طباطبائی سے) ص ۲۱۱۔ ۲۰۷۔

2 صدوق، کمال الدین وتمام النعمہ (قم : موسسہ النشر الاسلامی، ۱۴۰۵ھ)، ج۱، ص ۸۵؛ علل الشرایع (نجف : المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۵ھ)، باب ۷، ص ۷۔

3 طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۲۰۷؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۰۵؛ مسعودی، مروج الذہب، ج ۲، ص ۲۷۶؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۷۔

4 ماکذب الفؤاد مارایٰ" سورۂ نجم، آیت ۱۱

”خداوند عالم اپنے رسولؐ کو وحی نہیں کرتا مگر یہ کہ اس کو روشن دلیلوں کے ہمراہ کرے اور اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ جو کچھ اس پر وحی ہوتی ہے وہ خدا کی جانب سے ہے اور اسے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں پڑتی اور اس پر خوف واضطراب طاری نہیں ہوتا۔[1]

حضرت امام صادقؑ نے اپنے ایک صحابی کے سوال کرنے پر کہ رسول خداؐ وحی کے وقت ٬اس بات سے کیوں نہیں ڈرے کہ یہ شیطان کا وسوسہ ہو سکتا ہے؛فرمایا: ”جس وقت خداوند عالم ٬اپنے کسی بندے کو رسالت کے درجہ پر فائز کرتا ہے تو اس کو ایسا اطمینان وسکون عطا کر دیتا ہے کہ جو کچھ خدا کی جانب سے اس پر نازل ہو وہ اس کے لئے ویسے ہی ہو جیسے کوئی اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہو۔[2]

کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم (جس میں عائشہ سے روایت نقل ہوئی ہے) کی شرح کرنے والے مشہور عالم ہونے کے باوجود٬ چونکہ اصل روایت کو مسلم جانتے تھے چونکہ اس کی صحیح تفسیر اور توضیح میں درماندہ اور حیران وپریشان ہوئے ٬ضعیف اور بے بنیاد توجیہات میں لگ گئے ٬جو باعث تعجب ہے۔[3]

پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے بارے میں اس کے مشابہ چند حدیثیں ٬ عبد اللہ بن شدّاد٬ عبید بن عُمیر٬ عبد اللہ بن عباس اور عروہ بن زبیر جیسے راویوں کے ذریعہ نقل ہوئی ہیں۔ جنکی ہم نے توضیحات پیش کی ہیں ان کے ذریعہ ٬ان کا جعلی ہونا واضح ہو جاتا ہے اور اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔[4] یہ غلط خبر مسیحیوں کی کتابوں میں بھی نقل ہونے لگی ہے اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اس کو زہر چھڑکنے اور پیغمبر اسلامؐ کے خلاف وسوسہ ڈالنے کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔[5]

اس تنقید کے ذریعہ ان کی ٬غلط فہمی کا بے بنیاد ہونا بھی واضح اور آشکار ہو جاتا ہے۔

---

1 جمع البیان ٬ج۱۰٬ص ۳۸۴٬ تفسیر آیہ ”یاایہاالمدثر “ . . .

2 مجلسی ٬بحار الانوار ٬ج۱۸٬ص ۲۶۲؛ محمد ہادی معرفت ٬التمہید فی علوم القرآن (مرکز مدیریت حوزہ علمیہ قم) ٬ج۱٬ص ۴۹.

3 جہاں تک ہمیں معلوم ہے کہ پہلا شخص جو اس روایت کے ضعیف اور بے اعتبار ہونے کی طرف متوجہ ہوا وہ مرحوم سید عبد الحسین شرف الدین موسوی (۱۲۹۰۔ ۱۳۷۷ھ.ق) جبل عامل کے مایہ ناز شیعہ عالم دین تھے جنھوں نے اپنی کتاب ”الی المجمع العلمی العربی بدمشق“ اور کتاب النص والاجتہاد ٬ص ۳۲۲۔ ۳۱۹ میں اس روایت پر تنقید اور تجزیہ کیا ہے پھر ہمارے محققین اور علماء نے خاص طور سے دانشمند معظم جناب علی دوانی نے مذکورہ کتاب میں اس کے ذیل میں تفصیلی بحث اور تحقیق فرمائی ہے اور مسئلہ کو مکمل حل کر دیا ہے اور ہم نے اس بحث میں ان کی تحقیقات سے استفادہ کیا ہے۔ شعاع وحی بر فراز کوہ حرا ٬ص ۱۰۸۔ ۷۰؛ تاریخ اسلام از آغاز تا ہجرت ٬ص ۱۱۰۔ ۹۸؛ نقشہ ائمہ در احیاء دین ٬ج۴٬ص ۴۴۔ ۶؛ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم ٬ج۱٬ص ۲۳۲۔ ۲۱۶؛ خیانت در گزارش تاریخ ٬ج۲٬ص ۲۳۔ ۱۳؛ التمہید ٬ج۱٬ص ۵۶۔ ۵۲؛ درسھایی تحلیلی از تاریخ اسلام ٬ج۲٬ص ۲۳۶۔ ۱۹۶۔

4 سید مرتضی عسکری ٬نقش عائشہ در احیائے دین ٬انتشارات مجمع علمی اسلامی ٬ج ۴٬ص ۱۲.

5 مراجعہ کریں : دائرۃ المعارف الاسلامیہ ٬ترجمہ عربی توسط محمد ثابت الفندی (اور دوسرے افراد) ٬ج ۳٬ ص ۳۹۸۔ (لفظ بحیرا)۔ مونٹگومری واٹ۔ ادینبورو یونیورسٹی کے عربی محکمہ کا چیرمین۔ ان لوگوں میں سے ہے جس نے اس سلسلہ میں زہر چھڑکا ہے اور بے بنیاد باتیں کہی ہیں۔ وہ کہتا ہے: ”... ایک ایسے شخص کے بارے میں جس نے آٹھویں صدی عیسوی میں مکہ جیسے دور دراز شہر میں زندگی بسر کی ٬یہ ایمان رکھنا کہ خدا کی جانب سے وہ پیغمبری کے لئے مبعوث ہوا ہے حیرت کی بات ہے لہذا تعجب کی بات نہیں ہے اگر ہم یہ سنیں کہ محمدؐ کو خوف اور شک لاحق ہوا تھا۔ اس سلسلے میں قرآن اور احادیث میں ایسے شواہد ملتے ہیں جو اس کی زندگی سے مربوط ہیں اور پتہ نہیں کب اسے ٬اطمینان حاصل ہوا کہ خدا نے اس کو فراموش نہیں کیا ہے ! !۔ دوسرا خوف ٬جنون کا خوف تھا کیونکہ اس زمانہ میں عرب عقیدہ رکھتے تھے کہ اس طرح کے افراد ٬روحوں یا جنات کے قبضہ میں ہیں۔ مکہ کے کچھ لوگ حضرت محمدؐ کے الہامات کو ایسا بتاتے تھے اور وہ خود بھی کبھی اس تردید کا شکار ہو جاتے تھے کہ حق ان لوگوں کے ساتھ ہے یا نہیں؟ ! ! (محمد پیامبر وسیاستمدار ٬ترجمہ اسماعیل والی زادہ (تہران : کتابفروشی اسلامی ٬۱۳۴۴) ٬ص ۲۷۔ ۲۶.

مخفی دعوت

حضرت محمدؐ نے تین سال تک خاموشی سے لوگوں کو تبلیغ کی[1] کیونکہ مکہ کے حالات ابھی ظاہری تبلیغ کے لئے ہموار نہیں ہوئے تھے۔ اس تین سال کے دوران آپ مخفی طور سے ایسے افراد سے ملے جن کے بارے میں آپ کو معلوم تھا کہ وہ اسلام قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

لہٰذا ان کو خدا کی وحدانیت اس کی عبادت اور اپنے نبوت کی طرف دعوت دی۔ اس عرصہ میں قریش آپ کے دعوے سے باخبر ہوگئے تھے۔ لہٰذا جب کہیں آپ کو راستے میں دیکھتے تھے تو کہتے تھے کہ نبی عبدالمطلب کا جوان آسمان سے باتیں کرتا ہے۔[2] لیکن چونکہ آپ عمومی جگہوں پر کلام نہیں کرتے تھے لہٰذا آپ کی دعوت کی باتوں سے کوئی باخبر نہیں تھا اور اسی بنا پر وہ لوگ کوئی عکس العمل نہیں دیکھاتے تھے۔

اس عرصہ میں کچھ لوگ مسلمان ہوئے اور انھیں ابتدائی مسلمانوں میں سے ایک شخص جس کا نام ارقم تھا اس نے اپنا گھر (جو صفا پہاڑی کے کنارے تھا) پیغمبرؐ کے حوالہ کردیا حضرت رسول خداؐ اور تمام مسلمان اسی گھر میں؛ جو تبلیغات کا سنٹر تھا ظاہری تبلیغ کے زمانہ تک جمع ہوتے تھے اور وہیں نماز پڑھا کرتے تھے۔[3]

پہلے مسلمان مرد اور عورت

تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ جناب خدیجہ وہ پہلی خاتون ہیں جو مسلمان ہوئیں اور مردوں میں حضرت علی۔ وہ پہلے شخص ہیں جو پیغمبرؐ کے گرویدہ ہوئے۔[4]-[5] کیونکہ یہ بات فطری ہے کہ پیغمبر اسلاؐم نے غار حرا سے پلٹنے کے بعد اپنے آئین کو سب سے پہلے اپنی شریک حیات جناب خدیجہ اور حضرت علیؑ جو اسی گھر کی ایک فرد اور آپ کی آغوش کے پروردہ تھے ان کے درمیان بیان کیا اور ان دونوں حضرات نے، جو کہ آپ کی نبوت کی نشانیوں اور صداقت و راستگوئی سے اچھی طرح واقف تھے، اس کی تصدیق کی۔

---

1 ابن ہاشم، سابق، ج۱، ص ۲۸۰؛ طبری، سابق، ج۲، ص ۲۱۶؛ مسعودی، مروج الذہب، ج۲، ص ۲۷۶۔ ۲۷۵؛ بلاذری، سابق، ج۱، ص ۱۱۶؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۱۹؛ حلبی، سابق، ج۱، ص ۴۵۶؛ طوسی، الغیبہ (تہران: مکتبہ نینوی الحدیثہ)، ص ۲۰۲؛ صدوق، کمال الدین و تمام النعمۃ، (قم: موسسہ النشر الاسلامی، ۱۳۶۳)، ج۲، ص ۳۴۴، ح ۲۹.

2 تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۱۹؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۱۹۹؛ بلاذری، سابق، ج۱، ص ۱۱۵

3 حلبی، سابق، ج۱، ص ۴۵۷۔ ۴۵۶.

4 ابن ہشام نے ابتدائی مسلمانوں کی تعداد ۸ افراد تک اس طرح سے نقل کی ہے "علی، زید بن حارثہ، ابو بکر، عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمان بن عوف، سعد بن وقاص اور طلحہ بن عبیداللہ" (السیرۃالنبویہ، ج۱، ص ۲۶۹۔ ۲۶۲.)

5 جیسا کہ ہم نے عرض کیا ہے کہ چونکہ علیؑ بچپنے سے موحد تھے اور کبھی بت پرستی میں آلودہ نہیں ہوئے ان کے مسلمان ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ پہلے (معاذ اللہ) بت پرست تھے اور پھر اسے ترک کردیا۔ (جبکہ پیغمبرؐ کے دوسرے اصحاب کے بارے میں ایسا ہی تھا) بلکہ انھوں نے حقیقت میں دین اسلام جو کہ اسی توحید پر استوار تھا بہ عنوان دین آسمانی قبول کیا۔ زینی دحلان لکھتے ہیں" علیؑ ہرگز سابقہ شرک نہیں رکھتے تھے؛ کیونکہ وہ رسول خداؐ کے ایک فرزند کی طرح آنحضرت کے ہمراہ اور ان کے زیر تربیت تھے اور تمام امور میں ان کی پیروی کرتے تھے حدیث میں آیا ہے کہ تین افراد نے ہرگز کفر نہیں اختیار کیا، مومن آل یاسین، علی بن ابی طالب، آسیہ فرعون کی بیوی (السیرۃالنبویہ، ج۱، ص ۹۲) ابن سعد علیؑ کے بارے میں نقل کرتا ہے کہ لم یعبد الاوثان قط لصغرہ۔ (الطبقات الکبریٰ، ج۳، ص ۲۱) اور ابن حجر ہیثمی مکی (۹۷۴ھ.ق) ابن سعد کے اس جملہ کو نقل کرنے کے بعد کہتا ہے: و من ثم یقال فیہ کرم اللّٰہ وجہہ۔ (الصواعق المحرقہ۔ الباب التاسع، ص ۱۲۰) قبول اسلام کے وقت علیؑ کے سن کے بارے میں مراجعہ کریں: شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید (ط مصر) ج۱۳، ص ۲۳۵۔ ۲۳۴۔

حضرت علیؑ کی سبقت کی دلیلیں

جو کچھ ذکر ہو چکا ہے اس کے اعتبار سے اگر کوئی حدیث یا تاریخی سند اس مطلب کی تائید نہ بھی کرے پھر بھی اس کا ثابت کرنا اتنا مشکل نہیں ہے جبکہ بے شمار دلیلیں اور شواہد ایسے موجود ہیں جو اس موضوع کی تائید کرتے ہیں، نمونہ کے طور پر ان میں سے کچھ یہ ہیں :

۱۔ حضرت علیؑ کے پہلے اسلام قبول کرنے کو پیغمبر اسلاؐم نے بیان کیا ہے اور مسلمانوں کے ایک گروہ کے درمیان فرمایا ہے : ''تم میں سے سب سے پہلا شخص، جو روز قیامت مجھ سے حوض (کوثر) پر ملاقات کرے گا وہ علی بن ابی طالب ہوں گے جنھوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ہے''۔[1]

۲۔ علمائے کرام اور محدثین نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلاؐم دوشنبہ کے دن مبعوث بہ نبوت ہوئے اور علی۔ نے اس کے دوسرے دن (سہ شنبہ) آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔[2]

۳۔ حضرت علیؑ نے خود فرمایا ہے :

اس روز اسلام، صرف پیغمبرؐ اور خدیجہ کے گھر میں داخل ہوا تھا اور میں ان میں سے تیسرا شخص تھا میں نے نور وحی اور رسالت کو دیکھا اور نبوت کی خوشبو کو محسوس کیا۔[3]

۴۔ امیر المومنین علیؑ ایک دوسری جگہ اسلام میں اپنی سبقت کے بارے میں اس طرح سے بیان فرماتے ہیں :

اے خدا! میں وہ پہلا شخص ہوں جو تیری طرف آیا ہوں اور تیرے پیغام کو سنا اور پیغمبرؐ کی دعوت پر لبیک کہی ہے مجھ سے پہلے پیغمبرؐ کے علاوہ کسی نے نماز نہیں پڑھی ہے۔[4]

---

1 اولکم ورودا علی الحوض، اولکم اسلاماً علی بن ابی طالب۔ (ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، حاشیۃ الاصابہ میں، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط ۱، ۱۳۲۸ھ)، ج ۳، ص ۲۸؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۳، ص ۲۲۹؛ مراجعہ کریں : الحاکم النیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: عبد الرحمٰن المرعشی (بیروت: دار المعرفہ، ط ۱، ۱۴۰۶ھ)، ج ۳، ص ۱۷؛ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد (بیروت: دار الکتاب العربی)، ج ۲، ص ۸۱؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۴۳۲؛ بعض روایات میں اس طرح نقل ہوا ہے : اول ہذہ الامۃ ورودا علی الحوض اولہا اسلاماً علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ۔ (حلبی، گزشتہ حوالہ، ص ۴۳۲.)

2 استنبیء النبی یوم الاثنین و صلی علی یوم الثلاثاء۔ (ابن عبد البر، گزشتہ حوالہ، ص ۳۲؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر، ۱۳۹۹)، ج ۲، ص ۵۷.) حاکم نیشاپوری، اس حدیث کو دو طریقہ سے ''نبیء رسول اللہ...'' اور ''وحی رسول اللہ یوم الاثنین...'' نقل کیا ہے (گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۱۱۲.) بعض روایات میں اس طرح نقل ہوا ہے : استنبیء النبیؐ یوم الاثنین واسلم علی یوم الثلاثاء۔ (ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ص ۲۲۹؛ جوینی خراسانی، فرائد السمطین (بیروت: مؤسسۃ المحمودی للطباعۃ و النشر، ط ۱ ج ۱، ص ۲۴۴)۔ علیؑ خود بھی اس بات پر تاکید کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ بعث رسول اللہ یوم الاثنین و اسلمت یوم الثلاثاء۔ (سیوطی، تاریخ الخلفاء (قاہرہ: المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، ط ۳، ۱۳۸۳ھ)، ص ۱۶۶؛ الشیخ محمد الصبان، اسعاف الراغبین، درحاشیہ نور الابصار، ص ۱۴۸؛ احمد بن حجر الھیثمی المکی، الصواعق المحرقہ (قاہرہ: ط ۲، ۱۳۸۵ھ ۱۲۰)

3 لم یجمع بیت واحد یومئذ فی الاسلام غیر رسول اللہ وخدیجہ وانا ثالثہما، اریٰ نور الوحی والرسالۃ واشم ریح النبوۃ۔ (نہج البلاغہ، تحقیق: صبحی صالح، خطبہ ۱۹۲ (قاصعہ)

4 اللّٰہم انی اول من اناب، و سمع واجاب، لم یسبقنی الا رسول اللہ بالصلاۃ۔ (گزشتہ حوالہ، خطبہ ۱۳۱)

۵۔ اور ایک جگہ آپ نے اس طرح سے فرمایا: میں خدا کا بندہ، پیغمبرؐ کا بھائی اور صدیق اکبر ہوں میرے بعد اس کلام کو، سوائے جھوٹے، افتراء پرداز کے کوئی نہیں کہے گا۔ میں نے سات سال کی عمر میں، لوگوں سے پہلے رسول خدا کے ساتھ نماز پڑھی ہے۔[1]

۶۔ عفیف بن قیس کندی کہتا ہے: میں دور جاہلیت میں عطر کا تاجر تھا۔ ایک تجارتی سفر کی غرض سے مکہ گیا جب مکہ میں داخل ہوا تو عباس (جو کہ مکہ کے ایک تاجر اور پیغمبرؐ کے چچا تھے) کا مہمان ہوا، ایک دن میں مسجد الحرام میں عباس کے بغل میں بیٹھا ہوا تھا اور سورج نصف النہار کو پہنچ چکا تھا اس عالم میں ایک جوان مسجد میں داخل ہوا جس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا اس نے ایک نظر آسمان پر ڈالی اور پھر کعبے کی طرف رخ کر کے کھڑا ہوا اور نماز پڑھنے میں مشغول ہو گیا کچھ دیر گزری تھی کہ ایک خوبصورت نوجوان آیا اور اس کے داھنی طرف کھڑا ہو گیا پھر ایک نقاب پوش خاتون آئی اور ان دونوں کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور تینوں ایک ساتھ نماز میں مشغول ہو گئے اور رکوع و سجود بجالانے لگے۔

میں (بت پرستوں کے بیچ یہ منظر دیکھ کر کہ تین افراد آئین بت پرستی سے ہٹ کر ایک دوسرے آئین کو اپنائے ہوئے ہیں) حیرت میں پڑ گیا اور عباس کی طرف رخ کر کے کہا: یہ بہت بڑا واقعہ ہے! اس نے بھی اسی جملہ کو دہرایا اور مزید کہا: کیا تم ان تینوں کو پہچانتے ہو؟ میں نے کہا نہیں: اس نے کہا: پہلا شخص جو دونوں سے پہلے داخل ہوا وہ میرا بھتیجا محمد بن عبد اللہ ہے اور دوسرا شخص میرا دوسرا بھتیجا علی بن ابی طالب ہے اور تیسرے محمدؐ کی زوجہ ہیں۔ محمدؐ کا دعوا ہے کہ اس کا دین خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اور ابھی روئے زمین پر ان تینوں کے علاوہ کسی نے اس دین کی پیروی نہیں کی ہے۔[2]

اس واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی دعوت کے آغاز میں آپ کی زوجہ جناب خدیجہ کے علاوہ صرف حضرت علیؑ نے آپ کے آئین کو قبول کیا تھا۔

اسلام کے قبول کرنے میں پیش قدمی کرنا ایک ایسی فضیلت ہے جس پر قرآن نے تکیہ کر کے فرمایا ہے: ''جو لوگ اسلام لانے میں پیش قدم تھے خدا کی بارگاہ میں بلند درجہ رکھتے ہیں اور وہی اللہ کی بارگاہ میں مقرب ہیں''۔[3]

---

1 انا عبد اللّٰہ واخو رسولہ وانا الصدیق الاکبر لایقولہا بعدی الا کاذب مفتر. صلیت مع رسول اللّٰہ قبل الناس سبع سنین. (طبریؒ گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۱۲؛ ابن اثیر، کامل فی التاریخ، ج۲، ص۵۷.) اور اسی مضمون پر کتاب ''مستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص ۱۱۲؛ میں جمع آوری ہوئی ہے۔ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۳، ص ۲۰۰، و ۲۲۸؛ مراجعہ کریں: مناقب علی بن ابی طالب، ابو بکر احمد بن موسی مردویہ اصفہانی، اور مقدمہ عبد الرزاق محمد حسین حرز الدین (قم: دار الحدیث، ط۱، ۱۴۲۲ھ)، ص ۴۸۔۴۷.

2 طبری، سابق، ج۲، ص ۲۱۲؛ ابن ابی الحدید، سابق، ج ۱۳، ص ۲۲۶۔ ابن ابی الحدید نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعود سے بھی نقل کیا ہے: وہ مکہ کے سفر میں اس واقعہ کے گواہ تھے۔

حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج۱، ص ۴۳۶۔ اسی طرح مراجعہ کریں: ابن عبد البر، الاستیعاب (الاصابہ کے حاشیہ میں) ج۳، ص ۱۶۵؛ عفیف بن قیس کندی کے حالات زندگی کی تشریح میں، ص ۳۳؛ پر علیؑ کے حالات زندگی میں تھوڑا لفظ کے اختلاف کے ساتھ؛ محمد بن اسحاق، السیر والمغازی، تحقیق: ڈاکٹر سہیل زکار، (بیروت، دار المعرفہ، ط۱، ۱۳۹۸ھ) ص ۱۳۸۔۱۳۷؛ ابو الفتح کراجکی، کنز الفوائد (قم: دار الذخائر، ط۱، ۱۴۱۰ھ)، ج۱، ص ۲۶۲۔ اور اسلام قبول کرنے میں علیؑ کی پیش قدمی کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے الغدیر کی طرف رجوع کریں۔ ج۲، ص ۳۱۴؛ ج۳، ص ۲۲۴۔۲۲۰

3 والسابقون السابقون. اولئک المقربون. '' سورۂ واقعہ، آیت ۱۱۔۱۰.

دین اسلام، قبول کرنے میں سبقت کے موضوع پر قرآن کی خاص توجہ اس حد تک ہے کہ جو لوگ فتح مکہ سے قبل ایمان لائے اور خدا کی راہ میں اپنی جان اور مال سے دریغ نہیں کیا، یہ لوگ ان لوگوں سے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور جہاد کیا، بنص قرآن ان سے افضل اور برتر ہیں۔

''اور تم میں فتح مکہ سے پہلے انفاق اور جہاد کرنے والا اس کے جیسا نہیں ہو سکتا ہے جو فتح کے بعد انفاق اور جہاد کرے۔ پہلے جہاد کرنے والے کا درجہ بہت بلند ہے اگرچہ خدانے سب سے نیکی کا وعدہ کیا ہے اور وہ تمہارے جملہ اعمال سے باخبر ہے''۔[1]

مسلمانوں کے ایمان کی برتری کی وجہ فتح مکہ (جو کہ ۸ھ میں رخ پایا) سے پہلے یہ تھی کہ وہ لوگ ایسے وقت میں ایمان لائے کہ جب اسلام، جزیرۃالعرب میں پورے طور سے قدم نہیں جما سکا تھا اور ابھی بت پرستوں کا اڈہ، یعنی شہر مکہ شکست ناپذیر قلعہ کے مانند باقی رہ گیا تھا اور ہر طرف سے خطرات مسلمانوں کی جان و مال کو خوف زدہ کئے ہوئے تھے. البتہ مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت کے بعد اور دو قبیلے، اوس و خزرج اور مدینہ کے اطراف میں موجودہ قبائل کا، اسلام کی طرف رجحان پیدا ہونے سے وہاں ترقی اور کچھ امنیت پائی جانے لگی تھی اور بہت ساری لڑائیوں میں انھیں کامیابی بھی ملی۔ لیکن چونکہ خطرات ابھی پورے طور سے برطرف نہیں ہوئے تھے۔ لہٰذا ایسی صورت میں اسلام کی طرف رجحان اور جان و مال کی قربانی خاص اہمیت رکھتی تھی۔ یقیناً ایسا کام، پیغمبرؐ کی تبلیغ کے آغاز میں جبکہ قریش کی قدرت کے علاوہ اور کوئی قدرت اور بت پرستوں کی طاقت کے علاوہ اور کوئی طاقت نہ تھی، بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

اسی وجہ سے پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب کے درمیان اسلام میں سبقت کو ایک بہت بڑا افتخار سمجھا جاتا تھا اور اس توضیح کے ذریعہ اسلام کے سلسلہ میں حضرت علیؑ کی سبقت کی اہمیت اور آپ کے معیار کا اچھی طرح سے اندازہ ہو جاتا ہے۔

اسلام قبول کرنے میں سبقت کرنے والے گروہ

اس زمانہ کے اجتماعی گروہوں اور طبقوں میں سے دو طبقہ اسلام قبول کرنے میں پیش قدم تھا۔

الف: جوانوں کا طبقہ: ابتدائی مسلمانوں کی فہرست کا تجزیہ کرنے اور دوسرے شواہد سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر ابتدائی مسلمان جوان تھے۔ بزرگ اور سن رسیدہ افراد مخالف تھے اور بت پرستی کا رواج ان کے افکار میں رچ بس گیا تھا۔ لیکن جوان نسل کے اذہان اور افکار، جوانی کی بناپر نئے عقائد اور افکار کو قبول کرنے کے لئے آمادہ اور تیار تھے۔

ایک تاریخی رپورٹ کی بنیاد پر پیغمبر اسلامؐ کے مخفی دعوت کے زمانہ میں جوانوں اور ضعیفوں کا ایک گروہ اسلام کا گرویدہ ہو گیا تھا۔[2]

جس وقت پیغمبر اسلامؐ نے ظاہری تبلیغ کا آغاز کیا اور آپ کی اتباع اور پیروی کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا تو قریش کے سردار کئی مرتبہ ابوطالب سے شکایت کرنے کے بعد، آخری بار ان کے پاس آئے اور ان سے کہا: ہم کئی بار تمہارے پاس آچکے ہیں تاکہ تمہارے بھتیجے

---

1 لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد و قاتلوا وکلّاً وعد اللہ الحسنٰی...'' (سورۂ حدید، آیت ۱۰)
2 ابن سعد، طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ج۱، ص ۱۹۹.

کے بارے میں تم سے بات کریں کہ ہمارے آباؤ و اجداد اور خداؤوں کو برا بھلا نہ کہیں اور ہمارے بچوں، جوانوں، غلاموں اور کیزوں کو ہمارے راستے سے نہ ہٹائیں ...."۔[1]

پیغمبر اسلاؐم نے جب طائف کا تبلیغی سفر کیا تو اس شہر کی اہم شخصیتوں نے اس ڈر سے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ کہیں ان کے جوان آنخضرتؐ کی پیروی نہ کرنے لگیں۔[2]

مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کرنے کے بعد جب قریش کے نمائندے مہاجرین کو پلٹانے کے لئے نجاشی کے دربار میں گئے تو درباریوں سے گفتگو کے دوران اسلام کی طرف مکہ کے جوانوں کے رجحانات کی شکایت کی۔[3]

ایک شخص قبیلۂ "ہذیل" سے مکے میں آیا تو پیغمبر اسلاؐم نے اسے اسلام کی طرف دعوت دی۔

ابو جہل نے اس ہذلی سے کہا: "کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اس کی بات کو قبول کرلو؛ اس لئے کہ وہ ہم کو بے وقوف اور ہمارے گزشتہ آبا و اجداد کو جہنمی کہتا ہے اور دوسری عجیب و غریب باتیں کرتا ہے"!

ہذلی نے کہا: تم کیوں نہیں اس کو اپنے شہر سے باہر کر دیتے؟

ابو جہل نے جواب دیا: اگر وہ باہر چلا گیا اور جوانوں نے اس کی باتوں کو سن لیا اور اس کی شیریں بیانی کو دیکھ لیا تو وہ اس کے گرویدہ ہو جائیں گے اور اس کی پیروی کرنے لگیں گے اور ممکن ہے وہ ان کی مدد سے ہم پر حملہ کر دے۔[4]

عتبہ: (قریش کا ایک سردار) نے بھی اسعد بن زرارہ (جو کہ مدینہ میں قبیلۂ خزرج کے بزرگوں میں سے تھا) سے ملنے پر پیغمبر اسلاؐم سے جوانوں کے رجحانات اور لگاؤ کا شکوہ کیا۔[5]

ابتدائی مسلمانوں کی فہرست کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں زیادہ تر افراد کی عمر، اسلام قبول کرتے وقت ۳۰ سال سے کم تھی۔ مثلاً سعد بن وقاص ۱۷[6] یا ۱۹[7] سال، زبیر بن عوام ۱۵[8] یا ۱۶[9] اور عبد الرحمٰن بن عوف ۳۰ سال کے تھے کیونکہ وہ "عام الفیل" کے دس سال

1 بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف، ط ۳)، ج۱، ص ۲۲۹؛ مراجعہ کریں: بحار الانوار، ج۱۸، ص ۱۸۵ .

2 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۱۲۔

3 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۵۸؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ط ۳)، ص ۴۴؛ سبط ابن جوزی، تذکرة الخواص (نجف: المکتبہ الحیدریہ، ۱۳۸۳ھ)، ص ۱۸۶۔

4 بلاذری، سابق، ص ۱۲۸.

5 طبرسی، سابق، ص ۵۶.

6 ابن سعد، سابق، ج۳، ص ۱۳۹.

7 حلبی، سیرة الحلبیہ، (بیروت: دار المعرفہ)، ج۱، ص ۴۴۶.

8 حلبی، سابق، ج۱، ص ۴۳۴.

9 ابن سعد، سابق، ج۳، ص ۱۰۲.

بعد پیدا ہوئے تھے۔[1] مصعب ابن عمیر بھی تقریباً ۲۵ سال کے تھے۔ کیونکہ جنگ احد ۳ھ میں شہادت کے وقت تقریباً چالیس سال کے تھے۔[2] ارقم جن کا گھر پیغمبرؐ کے اختیار میں تھا وہ ۲۰ یا ۳۰ سال کے تھے کیونکہ مرتے وقت (۵۵ھ) میں وہ ۸۰ یا ۸۲ سال کے تھے۔[3]

ب: محروموں اور مظلوموں کا طبقہ: اس گروہ کا مطلب جو اسلامی کتابوں میں "ضعیفوں" اور "مستضعفین" کے نام سے ذکر ہوا ہے۔ غلام یا آزاد شدہ افراد تھے جو اپنی آزادی کے باوجود عربوں کی رسم کے مطابق ایک طرح سے اپنے آپ کو آقاؤں سے متعلق اور وابستہ سمجھتے تھے اور اصطلاح میں ان کو "مولیٰ" (آزاد شدہ) کہا جاتا تھا۔ مستضعفین کا دوسرا گروہ پردیسی اور مسافروں کا تھا جو دوسرے علاقوں سے آکر مکہ میں بس گئے تھے اور چونکہ وہاں کے کسی قبیلہ سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا لہٰذا وہ مجبوری کے تحت اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے کسی ایک طاقت ور قبیلہ کی پناہ میں رہتے تھے لیکن پھر بھی قریش کے لوگوں کے مساوی حقوق سے محروم تھے اور اجتماعی لحاظ سے انھیں ایک پست اور حقیر طبقہ سمجھا جاتا تھا۔

مکہ میں اس گروہ کا کوئی قبیلہ یا خاندان نہیں تھا اور نہ ہی اس کے پاس کوئی قدرت و طاقت تھی[4] لیکن اسلام قبول کرنے میں سب سے آگے تھے لہٰذا ان کا مسلمان ہو جانا مشرکوں پر بہت ہی تلخ اور گراں گزرا اور انھیں مسلمانوں کی تحقیر کا مناسب بہانہ مل گیا۔

ایک روایت کی بنا پر جب پیغمبر اسلاؐم مسجد الحرام میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کے ضعیف پیرو، جیسے عمار یاسر، خباب بن الارت، صُہَیب بن سنان، بلال بن رَباح، ابوفکَیہ اور عامر بن فُہیر، آپ کے پہلو میں بیٹھتے تھے تو قریش ان کا مذاق اڑاتے تھے اور طعنہ دے کر ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ دیکھو اس کے ہم نشین ایسے لوگ ہیں۔ خدا نے ہم سب لوگوں کے درمیان میں سے فقط ان پر احسان کیا ہے (کہ اسلام کو قبول کر کے ہدایت یافتہ ہوئے ہیں)۔[5]

ایک دن قریش کے سرداروں کا ایک گروہ پیغمبرؐ کی مجلس کے بغل سے گزرا تو اس وقت صہیب، خبّاب، بلال، عمار وغیرہ پیغمبرؐ کی بارگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان لوگوں نے یہ منظر دیکھ کر کہا: "اے محمدؐ! اپنی قوم والوں میں سے صرف ان پر تکیہ کیا ہے؟! کیا ہم ان کی پیروی کریں؟! کیا خدا نے صرف ان پر احسان کیا ہے (اور ان کی ہدایت کی ہے؟!) ان کو اپنے سے دور کر دو شاید ہم تمہاری پیروی کر لیں۔ اس وقت سورۂ "انعام" کی ۵۲ ویں اور ۵۳ ویں آیت نازل ہوئی۔[6]

"اور خبردار جو لوگ صبح و شام اپنے خدا کو پکارتے ہیں اور خدا ہی کو مقصود بنائے ہوئے ہیں انھیں اپنی بزم سے الگ نہ کیجئے گا۔ نہ آپ کے ذمہ ان کا حساب ہے اور نہ ان کے ذمہ آپ کا حساب ہے کہ آپ انھیں دھتکار دیں اور اس طرح ظالموں میں شمار ہو جائیں"۔

---

1 گزشتہ حوالہ، ص ۱۲۴.

2 ابن سعد، سابق، ج ۳، ص ۲۲۲.

3 ابن سعد، سابق، ج ۳، ص ۲۴۴۔ عبد المتعال مصری نے ایک کتاب "شباب قریش فی بدء الاسلام" کے نام سے تالیف کی ہے اور قریش کے جن چالیس جوان افراد نے دعوت اسلام کو قبول کیا تھا ان کو ترتیب کے ساتھ ذکر کیا ہے اور انھیں سنّی بتایا ہے، جن میں سب سے اول حضرت علیؑ ہیں۔ ص ۳۴۔ ۳۳.

4 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۱۵۶ اور ۱۸۱؛ رجوع کریں: طبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۲۴۸۔

5 گزشتہ حوالہ۔

6 طبرسی، مجمع البیان، ج ۲، ص ۳۰۵.

اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا ہے تاکہ وہ یہ کہیں کہ یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے ہمارے درمیان فضل و کرم کیا ہے اور کیا وہ اپنے شکر گزار بندوں کو بھی نہیں جانتا؟![1]

پیغمبرؐ کی رسالت کے ابتدائی سالوں میں قریش نے چند نمائندے مدینہ بھیجے تاکہ اس شہر کے یہودیوں سے آپ کے بارے میں تحقیق کریں۔ ان لوگوں نے یہودیوں سے کہا: "جو حادثہ ہمارے شہر میں رونما ہوا ہے اس کے لئے ہم تمہارے پاس آئے ہوئے ہیں ایک یتیم اور حقیر جوان بڑی بڑی باتیں کر رہا ہے اس کا خیال ہے کہ وہ "رحمان" کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور ہم، صرف ایک شخص کو اس نام سے جو "یمامہ" میں رہتا ہے جانتے ہیں"

یہودیوں نے پیغمبر اسلاؐم کی خصوصیات کے بارے میں چند سوالات کئے ان میں ایک سوال یہ تھا کہ کن لوگوں نے اس کی پیروی کی ہے؟

ان لوگوں نے کہا: ہم میں سے پست لوگوں نے۔

یہودیوں کا بڑا عالم ہنسا اور کہا: یہ وہی پیغمبرؐ ہے جس کی نشانیاں ہماری کتابوں میں موجود ہیں اور اس کی قوم اس کی شدید دشمن ہو جائے گی۔[2]

البتہ مفلوک الحال لوگوں کا تیزی کے ساتھ اسلام کی طرف رجحان ہرگز مصلحتی اسلام یا طبقاتی منافع کی خاطر نہیں تھا بلکہ انسانی تسلط اور حکمرانی کے نفی کا پہلو اور خدائی حکمرانی کے قبول کرنے کا مسئلہ تھا اور یہ مسئلہ سب سے زیادہ، مستکبرین اور تسلط خواہوں کے اجتماعی طاقت کے لئے خطرہ بن گیا تھا اور ان کی مخالفت کو اکسانے کا باعث بنا تھا جیسا کہ گزشتہ پیغمبروں کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

"تو ان کی قوم کے بڑے لوگ جنھوں نے کفر اختیار کر لیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھ رہے ہیں اور تمہارے اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے پست طبقہ کے سادہ لوح افراد ہیں۔ ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کسی فضیلت و برتری کے قائل نہیں ہیں بلکہ تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں"۔[3]

"تو ان کی قوم کے بڑے لوگوں نے کمزور بنادیئے جانے والے لوگوں میں سے جو ایمان لائے تھے ان سے کہنا شروع کیا کہ کیا تمھیں اس کا یقین ہے کہ صالح خدا کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ بیشک ہمیں ان کے پیغام کا ایمان اور ایقان حاصل ہے۔ تو بڑے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم تو ان باتوں کے منکر ہیں جن پر تم ایمان لائے ہو"۔[4]

دعوت ذوالعشیرہ

پیغمبر اسلاؐم کی رسالت کے تیسرے سال فرشتۂ وحی خدا کا حکم لیکر آپ کے پاس نازل ہوا کہ اپنے خاندان والوں اور رشتہ داروں کو ڈرائیں اور انھیں دعوت دیں:

---

1 سورۂ انعام، آیت ۵۳۔ ۵۲۔

2 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۱۶۵؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۴۹۹۔

3 سورۂ ہود، آیت ۲۷۔

4 سورۂ اعراف، آیت ۷۶۔ ۷۵۔

''اور پیغمبرؐ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے اور جو صاحبان ایمان آپ کا اتباع کرلیں ان کے لئے اپنے شانوں کو جھکا دیجئے پھر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجئے کہ میں تم لوگوں کے اعمال سے بیزار ہوں'' [1]

اس آیت کے نازل ہونے پر پیغمبر اسلاؐم نے علیؑ کو حکم دیا کہ کھانے کا انتظام کیا جائے اور عبد المطلب کی اولاد کو دعوت دی جائے تاکہ خدا کا حکم ان تک پہنچایا جاسکے۔ چنانچہ علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ تقریباً کم و بیش چالیس (۴۰) افراد جمع ہوئے جن میں ابوطالب، حمزہ اور ابولہب بھی تھے، کھانا کم تھا اور عام طور سے اتنا کم کھانا اتنے بڑے مجمع کے لئے ناکافی تھا۔ لیکن سب نے سیر ہو کر کھایا۔ ابولہب نے کہا: ''اس نے تم پر جادو کر دیا ہے'' یہ بات سن کر سارا مجمع پیغمبرؐ کی بات سننے سے کنارہ کش ہوگیا اور پیغمبرؐ نے بھی کوئی بات نہیں کہی اور مجلس کسی نتیجہ پر پہنچے بغیر تمام ہوگئی۔ پیغمبرؐ کے حکم سے دوسرے دن علیؑ نے پھر اسی طرح کھانے کا انتظام کیا اور ان لوگوں کو دعوت دی اس مرتبہ پیغمبرؐ نے مجمع سے کھانا کھانے کے فوراً بعد فرمایا: ''عرب کے درمیان کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھ سے بہتر چیز تمہارے لئے لے کر آیا ہو میں دنیا اور آخرت کی بھلائی اور نیکی تمہارے لئے لیکر آیا ہوں خدا نے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی جانب دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس وقت میری مدد کرنے کے لئے تیار ہے؟ تاکہ وہ میرا بھائی، وصی اور جانشین تمہارے درمیان قرار پائے ''

کسی نے جواب نہ دیا، علیؑ جو کہ سب سے کم سن تھے، کہا: اے خدا کے رسولؐ! میں آپ کی مدد کرنے کے لئے تیار ہوں'' پیغمبرؐ نے فرمایا: ''یہ تمہارے درمیان میرا بھائی، وصی اور جانشین ہے، اس کی باتوں کو سنو اور اس کی اطاعت کرو''۔[2]

یہ واقعہ ہم کو ایک بنیادی مطلب کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ ''نبوت'' اور ''امامت'' دو ایسے بنیادی اصول ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں کیونکہ پیغمبر اسلاؐم نے اپنی رسالت کے ابتدائی سالوں میں اپنی نبوت کے اعلان کے دن، مسلمانوں کی آئندہ رہبری اور امامت کو بھی بیان کیا۔

دوسری طرف سے یہ تصور نہ ہو کہ پیغمبرؐ نے صرف ایک بار وہ بھی ''غدیر خم'' میں (اپنی زندگی کے آخری مہینے میں) علیؑ کی امامت کو بیان کیا ہے۔ بلکہ دعوت ذوالعشیرہ کے علاوہ بھی دوسری مناسبتوں سے (جیسے حدیث منزلت میں) بھی اس موضوع کو ذکر فرمایا ہے: البتہ غدیر میں سب سے زیادہ واضح اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جہاں مجمع بھی بہت زیادہ تھا۔

---

1 سورۂ شعرا، آیت ۲۱۶۔ ۲۱۴۔

2 یہ واقعہ اسلامی دانشوروں کے درمیان ''بدء الدعوۃ'' ''یوم الدار'' اور ''یوم الانذار'' کے نام سے مشہور ہے، اکثر محدثین، مفسرین اور مورخین نے اس واقعہ کو تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے، ان میں سے محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، ج۲، ص ۲۱۷؛ ابن اثیر، الکامل فی تاریخ، ج۲، ص ۶۳؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۳، ص ۲۱۱؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ترجمہ محمود مہدی دامغانی، ج۱، ص ۴۲۸؛ طبرسی، مجمع البیان، ج۷، ص ۲۰۶؛ شیخ مفید، الارشاد، ص ۲۹؛ علی بن موسی بن طاوس، الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف، ج۱، ص۲۰؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، (انسان العیون) ج۱، ص ۴۶۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۸، ص ۱۷۸؛ ۱۸۱، ۱۹۱، ۲۱۴؛ علامہ امینی، الغدیر، ج۲، ص ۲۸۹۔ ۲۷۸؛ سید مرتضی عسکری، نقش ائمہ در احیاء دین، ج۲، ص ۸۶؛ ج۶، ص ۱۸۔ ۱۷؛ احمد حنبل، مسند، ج۱، ص ۱۵۹۔ قابل ذکر ہیں جیسا کہ مرحوم علامہ امینی نے توجہ دی ہے کہ مورخین کے درمیان طبری نے اپنی تاریخ میں اسی طرح سے نقل کیا ہے جیسا کہ ہم نے لکھا ہے۔ لیکن اپنی تفسیر (جامع البیان، ج۱۹، ص ۷۵) میں کلام پیغمبرؐ کو دو جگہ پر تحریف کر کے بجائے میرا وصی اور جانشین کے ''ایسا اور ویسا'' لفظ ذکر کیا ہے: فایّکم یوازرنی علی ہذا الامر علی ان یکون اخی وکذا وکذا ثم قال ان ہذا اخی وکذا وکذا فاسمعوا لہ واطیعوہ۔ اسماعیل بن کثیر شامی نے بھی اپنی تین کتابوں میں (تفسیر، ج۳، ص ۳۵۱، البدایہ والنہایہ، ج۳، ص ۴۰، السیرہ النبویہ، ج۱، ص ۴۵۹)، میں اس غلط روش میں اس کی پیروی کی ہے! البتہ ان دو افراد کے خاص نظریات کی بنا پر اس مسئلہ میں ان کے مقاصد کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

سوروں کی ترتیب نزول کے لحاظ سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ ' دعوت ظاہری سے کچھ دن پہلے پیش آیا ہے۔[1]

1 سورۂ ''شعراء'' جس میں آیات انذار موجود ہے سورۂ واقعہ کے بعد نازل ہوا ہے اور پھر ترتیب وار سورۂ ''نمل ' قصص ' اسراء ' یونس ' ھود ' یوسف'' اور ''سورۂ حجر'' جس میں علنی دعوت کا حکم ''فاصدع بما تؤمر'' موجود ہے نازل ہوا ہے (محمد ہادی معرفت ' التمہید فی علوم القرآن ' ج۱ ' ص۱۰۵)

دوسری فصل

علی الاعلان تبلیغ اور مخالفتوں کا آغاز

ظاہری تبلیغ کا آغاز

پیغمبر اسلاؐم ایک عرصہ سے مخفی دعوت کا آغاز کر چکے تھے اس کے بعد خداوند عالم کی طرف سے آپ کو حکم ملا کہ اپنی دعوت کو علی الاعلان پیش کیجئے اور مشرکین سے نہ ڈریئے۔

''پس آپ اس بات کا واضح اعلان کر دیں جس کا حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے کنارہ کش ہو جائیں ہم ان استہزاء کرنے والوں کے لئے کافی ہیں''۔[1]

یہ فرمان ملنے پر ایک دن پیغمبر اسلاؐم مقام ''ابطح''[2] میں کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''میں خدا کی جانب سے بھیجا گیا ہوں تم کو خدائے یکتا کی عبادت اور بتوں کی عبادت ترک کرنے کی دعوت دیتا ہوں جو کہ نہ تمہیں نفع پہنچاتے ہیں اور نہ نقصان' نہ تمہارے خالق ہیں اور نہ ہی رازق' اور نہ کسی کو زندہ کرتے ہیں اور نہ کسی کو مارتے ہیں''۔[3]

اس دن سے پیغمبرؐ کی دعوت ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو گئی اور آپ نے اجتماعی پروگراموں میں حج کے دوران' منیٰ اور اطراف مکہ میں رہنے والے قبائل کے درمیان دعوت و تبلیغ' شروع کر دی۔

قریش کی کوششیں

پیغمبر اسلاؐم کے ظاہری تبلیغ کے آغاز میں' قریش نے کوئی خاص عکس العمل (ریکشن) نہیں دکھایا؛ لیکن جس دن سے پیغمبرؐ نے ان کے بتوں کا کھلے الفاظ میں سختی سے انکار کیا اور بتوں کو ایک بے شعور اور بے اثر؛ موجود بتایا' ان کو طیش آگیا اور وہ پیغمبرؐ کی مخالفت اور ان کے خلاف

---

1 سورۂ حجر' آیت ۹۵ .

2 ابطح سے مراد' منیٰ کے نزدیک ایک درہ ہے (یاقوت حموی' معجم البلدان' ج۱' ص ۷۴) گویا حج کے وقت منی میں حاجیوں کے اجتماع کے موقع پر فرمایا ہے۔

3 تاریخ یعقوبی' ج۱' ص ۱۹۔ پیغمبر اسلاؐم کی پہلی ظاہری دعوت مختلف صورتوں میں نقل ہوئی ہے۔ اور شاید آنحضرتؐ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بت پرستوں کو اس طرح کے بیانات سے دعوت دی ہے۔ مراجعہ کریں: یعقوبی' سابق' ص ۱۹؛ طبری' سابق' ج ۲' ص ۲۱۶؛ بلاذری' انساب الاشراف' ج۱' ص ۱۲۱؛ بیہقی' سابق' ج۱' ص ۲۷۹؛ طبری' اعلام الوریٰ' (تہران: دار الکتب الاسلامیہ' ط ۳) ص ۳۹؛ مجلسی' بحار الانوار' ج۱۸' ص ۱۸۵؛ حلبی' سابق' ج۱' ص ۴۶۱.

گروپ بازی پر کمر بستہ ہو گئے۔[1] لیکن چونکہ مکہ میں قبیلہ جاتی نظام پایا جاتا تھا لہٰذا محمدؐ کو گزند پہنچانے پر انھیں قبیلۂ بنی ہاشم کے انتقام کا خطرہ لاحق تھا لہٰذا وہ قریش کے سرکردہ لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ محمدؐ کو دعوت سے روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ابو طالب پر جو کہ اس کے چچا ہیں اور ان کی نظر میں محمدؐ کا بڑا احترام ہے، دباؤ ڈالیں تا کہ وہ اپنے بھتیجے کو اس راہ پر چلنے سے منع کریں۔ لہٰذا وہ لوگ کئی بار جناب ابوطالب سے اس خیال سے ملے کہ وہ (ابوطالب) حسب و نسب اور سن کے لحاظ سے سماج میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں اور ان سے کہا کہ وہ اپنے بھتیجے کو منع کریں کہ وہ ان کے خداؤں کو برا بھلا" اور ان کے دین و آئین کو بیکار؛ اور ان کو بیوقوف اور ان کے آباء و اجداد کو گمراہ کہنے سے باز آ جائے۔

وہ لوگ ان ملاقاتوں میں کبھی دھمکی کے ذریعہ اور کبھی مال و ثروت اور ریاست کی لالچ دے کر ان سے مطالبہ کرتے تھے اور جب کسی نتیجہ پر نہ پہنچے تو ابوطالب سے پیش کش کی کہ اس کو (محمدؐ) عمارہ بن ولید بن مغیرہ سے جو کہ ایک خوبصورت اور طاقت ور جوان، اور قریش کا شاعر ہے بدل لیں۔ لیکن ابوطالب نے اسے بھی قبول نہیں کیا۔ ایک مرتبہ کفار قریش نے جناب ابوطالب اور پیغمبر اسلامؐ کو جنگ اور قتل کی سخت دھمکی دی تو آنحضرتؐ نے ان کی دھمکی کے جواب میں فرمایا: "چچا جان! اگر سورج کو ہمارے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیں پھر بھی میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا۔ یہاں تک کہ خداوند اس کام کو کامیابی سے ہمکنار کر دے یا میں اس راہ میں نابود ہو جاؤں۔[2]

ابوطالب کی طرف سے حمایت کا اعلان

قریش کی دھمکیوں پر جناب ابوطالب نے (رشتہ داری کے ناتے) پیغمبر اسلامؐ کی حمایت کا اعلان کیا اور قبیلۂ بنی ہاشم کے لوگوں کو خواہ وہ مسلمان رہے ہوں یا بت پرست سب کو اسی کام کے لئے آمادہ کیا اور قریش کو خبردار کیا کہ اگر ان کے بھتیجے کو گزند پہنچا تو بنی ہاشم کے انتقام سے وہ بچ نہیں سکتے ہیں۔[3] کیونکہ قبائلی جنگ ایک خطرناک کام تھا اور اس کے نتائج افسوس ناک اور غیر مشخص تھے اور قریش کے سردار

---

1 طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۱۸؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (قاہرہ: مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ.ق)، ج۱، ص۲۸۲؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۱، ص۱۹۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۶۳۔

2 طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۰۰۔۲۱۸؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص۲۸۷۔۲۸۲ اور ۳۱۳، ۳۱۶؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۸۲؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۰۳۔۲۰۲؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص۲۳۲۔۲۳۱؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۶۵۔۶۳؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۴۶۳۔۴۶۲؛ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ (قاہرہ: مطبعۃ عیسی البابی الحلبی، ۱۳۸۳ھ.ق)، ج۱، ص۴۷۴۔ اس نقل کے مطابق، پیغمبر اسلامؐ کا سورج اور چاند سے جواب دینا قریش کی دھمکی سے ظاہراً مناسبت نہیں رکھتا تھا اور اس کے سند میں بھی بحث ہوئی ہے لیکن جو جواب بعض کتابوں میں نقل ہوا ہے وہ قریش کی دھمکی سے مناسبت رکھتا ہے۔ اس نقل کی بنیاد پر رسول خداؐ نے اپنے چچا سے قریش کے دھمکی آمیز پیغام کو سننے کے بعد آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا: "میرے لئے تبلیغ اور رسالت کا چھوڑنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا تم میں سے کوئی ہاتھ پھیلائے اور چاہے کہ خورشید کا ایک شعلہ اپنے ہاتھ میں لے لے" اس وقت جناب ابوطالب نے قریش کے نمائندوں سے کہا: خدا کی قسم! میرے بھتیجے نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ تم لوگ یہاں سے پلٹ جاؤ!" (حافظ نور الدین ھیثمی، مجمع الزوائد، بیروت: دار الکتاب، ج۶، ص۱۵؛ معجم اوسط، کبیر طبرانی اور مسند ابی یعلی کے نقل کے مطابق) ھیثمی نے روایت ابویعلی کی سند کو صحیح بتایا ہے اور مزید رجوع کریں۔ فقہ السیرۃ کی طرف۔ محمد غزالی، عالم المعرفہ، ص۱۱۵۔۱۱۴.

3 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص۲۸۷؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص۲۲۰؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعۃ العلمیہ)، ج۱، ص۵۹؛ ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ص۶۵؛ ابن کثیر، گزشتہ حوالہ، ص۴۷۷؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ص۴۶۳۔

ابھی اس قسم کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لہٰذا وہ اپنی اس دھمکی کو پورا نہیں کر سکے اور ناکام رہے۔ بنی ہاشم میں سے صرف ابولہب، دشمنوں کی صف میں تھا۔

قریش کی طرف سے مخالفت کے اسباب

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قریش نے پیغمبر اسلاؐم کی ظاہری دعوت کے ابتدائی سالوں میں جبکہ اس وقت اسلام کی تعلیمات اور قرآن کے احکام ابھی تھوڑے سے نازل ہوئے تھے، کن خطرات کا احساس کر لیا تھا کہ مخالفت کے لئے کمر بستہ ہو گئے تھے؟

کیا ان کی مخالفت فقط اس بنا پر تھی کہ وہ بت پرست تھے یا دوسرے اسباب و علل بھی پائے جاتے تھے۔ (البتہ یہ گفتگو قریش کے سرداروں اوران کے بزرگوں کے جذبات کے بارے میں ہے، لیکن عوام الناس اپنے قبائل کے سرداروں کی پیروی میں تھے۔ ان کے احساسات اور جذبات کو ابھارنا اور ان کو ایک نئے دین کے خلاف ورغلانا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں تھا۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے عقائد و آداب و رسوم کے اس قدر پابند تھے کہ کسی بھی جدید دین کے مقابلہ میں عکس العمل دکھا سکتے تھے۔ [1]

مکہ میں قریش کی قدرت، نفوذ اوران کے اعلیٰ مقام کو دیکھتے ہوئے شاید ان کی مخالفت کو سمجھنا دشوار نہ تھا اس لئے کہ تجارت اور خانہ کعبہ کی کنجی کی ذمہ داری کی بحث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے کہ یہ قبیلہ مکہ کی اجتماعی اور اقتصادی قدرت کو اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اور اپنے کسی رقیب کو برداشت نہیں کرتا تھا اور کسی کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ بغیر اس کی یا اس کے قبیلہ کی مرضی کے کوئی قدم اٹھا سکے۔ قریش دوسرے قبائل سیحزاحلیتے تھے اوران کے ساتھ دوگانہ سلوک کرتے تھے۔ اور اپنی سیاست خانۂ خدا کے زائروں پر تھوپتے تھے۔

اس بنا پر یہ فطری بات تھی کہ بزرگان قریش، حضرت محمدؐ کے دین کو برداشت نہ کریں؛ کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے ابتدائی بیانات سے سمجھ گئے تھے کہ اس کا دین ہمارے دین کے برخلاف اور ضد ہے۔ اس کے علاوہ پیغمبرؐ کو یہ پیش بینی کر دی گئی تھی کہ بہر حال ایک گروہ، آپ کے دین کو قبول کرے گا اور آپ کو اس کے ذریعہ شہرت ملے گی۔ لہٰذا یہ چیزیں ہرگز قریش کی شان کے مطابق نہ تھیں۔

ان تمام باتوں کے پیش نظر مکہ میں نازل ابتدائی آیات اور سوروں اور تمام دستاویز اور شواہد کے تجزیہ و تحلیل سے قریش کی مخالفت کے اسباب و عوامل میں سے چند اہم اسباب کو شمار کیا جاسکتا ہے:

سماجی نظام کے بکھرنے کا خوف

مکہ میں رائج سماجی نظام کے قبائلی ہونے کے اعتبار سے، اور قریش کے پاس بہت ہی زیادہ امتیازات ہونے کی بنا پر ایک طرح سے وہاں قریش کی استکباری حکومت پائی جاتی تھی اور سرداران قریش اس نظام کے عادی ہو گئے تھے لہٰذا وہ کسی طرح سے تیار نہیں تھے کہ ایک معمولی سی ضرب بھی اس نظام کے ڈھانچہ پر لگے!

---

1 خداوند عالم نے قرآن مجید میں، متعدد مقامات پر ان کے دینی تعصب؛ اور موروثی عقائد اور رسم و رواج کی تقلید کے بارے میں ذکر فرمایا ہے اور اس کی مذمت کی ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں: سورۂ بقرہ، آیت ۱۷۰، مائدہ، آیت ۱۰۴؛ یونس، آیت ۷۸؛ لقمان، آیت ۲۱؛ زخرف، آیت ۲۲۔۲۳۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت محمدؐ کی پیروی کرنے والا پہلا گروہ جوانوں ،ضعیفوں ، محروموں اور غلاموں کا تھا۔ اور خود آنحضرتؐ بھی سرمایہ داروں میں سے نہیں تھے بلکہ بچپن میں یتیم ،جوانی میں نادار اور تہی دست اور قبیلہ کے اندر آپ کا شمار دوسرے درجہ کے افراد میں ہوتا تھا۔ آپ کے چچا ابوطالب بھی تمام خاندانی شرافتوں کے باوجود تنگدست تھے اور یہ تمام چیزیں سرداران قریش کو خبردار کر رہی تھیں کہ حضرت محمدؐ کی دعوت تبلیغ نے ان کے نظام اجتماعی کی بنیادوں کو خطرہ میں ڈال دیا اور ہم نے یہ بھی مشاہدہ کیا ہے کہ وہ لوگ ، تبلیغ کے انھیں ابتدائی دنوں سے جوانوں ، محروموں اور غلاموں کے رجحانات کا شکوہ کرتے تھے۔ اور حبشہ سے مہاجرین کو پلٹانے کے لئے قریش کے نمائندوں نے نجاشی کے دربار میں اپنے آپ کو مکہ کے سرمایہ داروں کا نمائندہ بتایا۔[1]

قرآن ان کے اس استکبارانہ نظریات پر معترض ہوا (کیونکہ مکہ یا طائف کا کوئی ثروتمند پیغمبری کے درجے پر فائز نہیں ہوا تھا) اور اس کو اس طرح سے بیان کیا : ''اور یہ کہنے لگے کہ آخر یہ قرآن دو بستیوں (مکہ وطائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا ہے''۔[2]

ایک تفسیر کی بنیاد پر مرد بزرگ سے مراد مکہ میں ولید بن مغیرہ (بنی مخزوم کا سردار) اور طائف میں عروہ بن مسعود ثقفی (مشہور دولتمند) ہے۔[3] اس آیت کی شان نزول کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ایک دن ولید نے کہا: کس طرح سے یہ قرآن محمدؐ پر نازل ہوا؟ اور مجھ پر نازل نہ ہوا؟ جبکہ میں قریش کا سید و سردار ہوں !''[4] لہٰذا ابتدا میں قریش حضرت محمدؐ کی دعوت سے اس لئے مخالف ہوگئے کہ وہ ان کے اجتماعی نظام کے لئے خطرہ بن گئے تھے نہ اس لحاظ سے کہ انھوں نے ایک نیا آئین پیش کیا تھا۔

اقتصادی خوف

بعض معاصر محققین نے قریش کی مخالفت کا ایک قوی سبب اقتصادی مقاصد کو قرار دیا ہے۔

قرآن مجید کی مکی آیات کا ایک حصہ ثروتمندوں اور مالداروں کی شدت سے مذمت کرتا ہے۔

مکہ کے بڑے سرمایہ داروں اور دولتمندوں نے (جیسا کہ تجارت اور کعبہ کی کنجی کی بحث میں ،بعض افراد کی بے شمار دولت سے آگاہ ہوچکے ہیں) ان آیات کو سن کر ،خطرے کا احساس کیا کہ محمدؐ کے دین کو ترقی ملنے پر ،ان کے اقتصادی منافع خطرے میں پڑ جائیں گے۔ اس طرح کی کچھ آیات بطور نمونہ پیش ہیں :

''اب مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دو جس کو میں نے اکیلا پیدا کیا ہے۔ اور اس کے لئے کثیر مال قرار دیا ہے۔ اور نگاہ کے سامنے رہنے والے بیٹے قرار دئے ہیں ۔ اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی ہے اور پھر بھی چاہتا ہے کہ اور اضافہ کروں ۔ ہرگز نہیں یہ ہماری نشانیوں کا سخت دشمن تھا''۔[5]

---

1 وقد بعثنا فیہم اشراف قومہم۔ (ابن ہشام ،السیرۃ النبویہ ،ج۱ ،ص۳۵۸ .

2 و قالوا لولا نزل ہذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم'' (سورۂ زخرف ،آیت ۳۱)

3 طبرسی ،مجمع البیان ،ج۹ ،ص۴۶ .

4 ابن ہشام ،السیرۃ النبویہ ،ج۱ ،ص۳۸۷؛ ابن شہر آشوب ،مناقب آل ابی طالبؑ ،ج۱ ،ص۵۰۔

5 سورۂ مدثر ،آیت ۱۶۔۱۱۔

''ہم عنقریب اسے جہنم واصل کر دیں گے۔ اور تم کیا جانو کہ جہنم کیا ہے۔ وہ کسی کو چھوڑنے والا اور باقی رکھنے والا نہیں ہے۔ بدن کو جلا کر سیاہ کر دینے والا ہے''۔[1]

''ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔ نہ اس کا مال ہی اس کے کام آیا اور نہ اس کا کمایا ہوا سامان ہی۔ وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا''۔[2]

''تباہی اور بربادی ہے ہر طعنہ زن اور چغلخور کے لئے۔ جس نے مال کو جمع کیا اور خوب اس کا حساب رکھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ مال اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔ ہرگز نہیں اسے یقیناً حطمہ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا شے ہے۔ یہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں تک چڑھ جائے گی''۔[3]

''پھر جس نے خدا کی راہ میں مال عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا۔ اور نیکی کی تصدیق کی۔ تو اس کے لئے ہم آسان راہ کا انتظام کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور لاپرواہی برتی۔ اور نیکی کو جھٹلایا ہے۔ اس کے لئے سختی کی راہ ہموار کر دیں گے۔ اور اس کا مال کچھ کام نہ آئے گا جب وہ ہلاک ہو جائے گا''۔[4]

ان آیات میں غور و غوض کرنے سے اور ان کی شان نزول کے بارے میں تحقیق کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آیات ان کی مخالفت کے اظہار کے بعد نازل ہوئی ہیں (اور ان کی ابتدائی مخالفت کی علت نہیں تھیں) اور شاید مخالفت اور دشمنی میں شدت پیدا کرنے کے لئے اور مخالفین کی تعداد کے بڑھنے میں مؤثر تھیں۔

بہر حال، مکہ کے بڑے سرمایہ دار اور تاجر حضرتؐ کے اصل مخالفین میں تھے۔

ایک مورخ کہتا ہے: ''چونکہ رسول خداؐ اپنی قوم کو راہ راست اور اس نور کی طرف بلا رہے تھے جو ان پر نازل ہوا تھا لہٰذا دعوت کے آغاز میں وہ آپ سے دور نہیں ہوئے اور قریب تھا کہ وہ آپ کی باتوں کو قبول کر لیں۔ اسی اثنا میں آپ نے ان کے طاغوتوں اور خداؤں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور قریش کا ایک ثروتمند اور مالدار گروہ طائف سے آیا[5] اور آپ کی باتوں کو ناپسند کیا اور قبول کرنے سے انکار کر دیا اور آپ کے

---

1 سأصليه سقر،ومآادريک ما سقر،لاتبقي ولاتذر،لواحة للبشر'' (سورۂ مدثر، آیت ۲۹۔ ۲۶)، سورۂ مدثر کو سوروں کی ترتیب نزول کے اعتبار سے چوتھا سورہ کہا گیا ہے۔ (التمہید، ج۱، ص ۱۰۴)

2 ''تبّت يدا ابی لهب و تب، ما اغنی عنه ماله و ماکسب، سيصلی ناراً ذات لهب''۔ (سورۂ مسد، آیت ۳۔

۱) سورۂ مسد کو سوروں کی ترتیب نزول کے اعتبار سے چھٹا سورہ کہا گیا ہے۔ (التمہید، ج۱، ص ۱۰۴)

3 سورۂ ھمزۃ، آیت ۷۔۱۔

۴ 'فأما من اعطیٰ و اتقی و صدق بالحسنیٰ، فسنيسره لليسری، و اما من بخل و استغنیٰ و کذب بالحسنیٰ فسنيسره للعسری و مايغنی عنه ماله اذا تردیٰ'' (سورۂ لیل، آیت ۱۱۔ ۵) اس سورہ کو ترتیب نزول کے اعتبار سے نواں سورہ کہا گیا ہے۔ (التمہید، ج۱، ص ۱۰۴)

5 گویا ان لوگوں نے اپنا سرمایہ طائف میں لگا رکھا تھا اور مکہ کے علاوہ وہاں پر بھی تجارت کا ایک مرکز بنا رکھا تھا۔

ساتھ بری طرح سے لڑنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور اپنے چاہنے والوں کو آپ کے خلاف ورغلایا اس وقت کچھ لوگ آپ سے کنارہ کش ہو گئے اور آپ کو چھوڑ دیا۔[1]

پڑوسی طاقتوں کا خوف وہراس

قرآن مجید نے ان کے خوف وہراس کے اظہارات کو نقل کیا ہے جو انھیں پڑوسی ملکوں اور طاقتوں سے اسلام قبول کرنے کی صورت میں لاحق تھا۔ اور اس خوف وہراس کو بے جاقرار دیا ہے۔

''اور کفار کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ حق کی پیروی کریں گے تو اپنی زمین سے اچک لئے جائیں گے۔ تو کیا ہم نے انھیں ایک محفوظ حرم پر قبضہ نہیں دیا ہے جس کی طرف ہر شے کے پھل ہماری دی ہوئے روزی کی بنا پر چلے آرہے ہیں لیکن ان کی اکثریت سمجھتی ہی نہیں ہے''۔[2]

ایک دن حارث بن نوفل بن عبد مناف نے پیغمبر اسلامؐ سے کہا: ''ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں وہ حق ہے۔ لیکن اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کے ہم عقیدہ ہو جائیں تو ہمیں ڈر ہے کہ کہیں عرب ہمیں اپنی سرزمین سے نکال نہ دیں اور ہم عرب سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں''۔[3]

ان کے اظہارات سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں ایران و روم کے شہنشاہوں[4] کی ناراضگی کا خوف بھی تھا۔ اور یہ چیز پڑوسی ملکوں کے مقابلہ میں عربوں کی حقارت اور کمزوری کی علامت بھی ہے۔ جیسا کہ ایک دن پیغمبر اسلامؐ نے عرب کے چند بڑے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی اور قرآن کریم کی کچھ آیات کو جو فطری اور اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھیں ان کے لئے تلاوت فرمائی؛ تو وہ سب کے سب بے حد متاثر ہوئے اور ہر ایک نے اپنے طور پر آپ کی تحسین و تعریف کی لیکن مثنی بن حارثہ جو' ان کا راس رئیس اور اصل سرغنہ تھا اس نے کہا: ''ہم دو پانی کے بیچ بسے ہوئے ہیں ایک طرف سے عرب کا دریا اور ساحلی علاقہ اور دوسری طرف سے ایران اور کسریٰ کی نہریں ہم کو گھیرے ہوئے ہیں' کسریٰ نے ہم سے عہد لے رکھا ہے کہ کوئی نئی بات نہ ہونے پائے اور کسی خطاکار کو پناہ نہ دی جائے۔

---

1 طبری' تاریخ الامم والملوک (بیروت: دارالقاموس الحدیث)' ج۲' ص۲۲۱؛ جو لوگ انسانی زندگی اور سماج کی تبدیلیوں کو صرف مادی نظر سے دیکھتے ہیں وہ اسلام سے قریش کی مخالفت کا سبب' اقتصادی مقاصد کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں وہ در حقیقت مسئلے کے صرف ایک پہلو کو نظر میں رکھتے ہیں۔ پطروشف کی (جو کہ روس کا مشہور اسلام اور ایران شناس اور لنینگراڈ یونیورسٹی کے شرق شناسی کالج کا پروفیسر ہے' کو اس قسم کے مسئلہ میں قضاوت اور تفکر کا ایک نمونہ سمجھا جاسکتا ہے' وہ لکھتا ہے کہ ''... بزرگان مکہ' رباخور اور غلاموں کی تجارت کرتے تے اور کھلم کھلا محمدؐ کی تبلیغات کی مخالفت کرتے تھے یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ اس دشمنی کا سبب دینی تعصب تھا بلکہ بت پرستی کے خلاف محمدؐ کی تبلیغات مکہ کے تاجروں کے سیاسی اور تجارتی منافع کے لئے خطرہ بن گئی تھیں' کیونکہ آپ کی دعوت سے ممکن تھا کہ کعبہ اور بتوں کی پرستش ختم ہو جائے اور یہ نہ تنہا زوار کے ہجوم کو کم کرے گا بلکہ مکہ کے بازار کو بھی ماند اور اس شہر کے تجارتی معاملات کو دوسرے علاقوں سے بھی کم کردے گا بلکہ مکہ کے سیاسی نفوذ کے ختم ہونے کا باعث بنے گا۔ یہی وجہ تھی کہ صنادید مکہ محمدؐ کی دعوت کو اپنے منافع کے لحاظ بہت زیادہ خطرناک سمجھ رہے تھے اور آپ سے نفرت کرتے تھے (اسلام در ایران' ترجمۂ کریم کشاورزی' ج۷' تہران: انشارات پیام' ۱۳۶۳' ص ۲۶)' متن میں جو وضاحت ہم نے کی ہے اس سے پطروشفسکی کے نظریہ کا بے بنیاد ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور مزید توضیح کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

2 سورۂ قصص' آیت ۵۷۔

3 طبرسی' مجمع البیان' ج۷' ص۲۶۰؛ ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالب' (قم: المطبعۃ العلمیہ)' ج۱' ص۵۱۔

4 مناقب' ج۱' ص۵۹۔

لہٰذا شاید آپ کے آئین کو قبول کرنا شہنشاہوں کیلئے خوش آئند نہ ہو۔ اور اگر ہم سے ' سرزمین عرب میں کوئی غلطی ہو جائے تو وہ قابل چشم پوشی ہے لیکن اس طرح کی غلطیاں ایران کے علاقے میں (کسریٰ کی طرف سے) قابل عفو و بخشش نہیں ہیں۔ [1]

قبیلہ جاتی رقابت اور حسد

قبائلی ڈھانچے کا ایک اثر یہ ہوا کہ اہم موضوعات پر رقابت اور بے حد فخر و مباہات شروع ہوگئے جس کی وجہ سے اس قبائلی سماج میں ناانصافی ہونا شروع ہو گئی اور چونکہ پیغمبر اسلامؐ قبیلۂ بنی ہاشم سے تھے لہٰذا سارے سرداران قبائل رقابت اور قبائلی حسد کے جذبہ کے تحت آپ کی نبوت کو (جو کہ بنی ہاشم کی شرافت اور فخر و مباہات کا باعث تھی) قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ ابو جہل قبیلۂ بنی مخزوم سے تھا' جو کہ قبائل قریش میں سے ثروتمندترین اور پر نفوذ ترین قبیلہ تھا اس نے اس بات کو کھل کر بیان کیا:

"ہم نے عبد مناف کے لڑکوں سے شرف و بزرگی کی خاطر جنگ کی' وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے لہٰذا ہم نے بھی لوگوں کو کھانا کھلانا شروع کر دیا وہ لوگوں کے لئے سواری کا انتظام کرتے تھے۔ لہٰذا ہم نے بھی ایسا کیا وہ لوگوں کو پیسہ دیتے تھے تو ہم نے بھی ایسا کیا۔ یہاں تک ہم دونوں برابر ہوگئے اور دو گھوڑوں کی طرح دونوں میں مسابقہ ہوا اس وقت وہ کہنے لگے کہ ہم میں سے ایک پیغمبرؐ کے درجہ پر فائز ہوا جس کے اوپر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے لہٰذا اب ہم کس طرح سے اس مرتبہ میں اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ خدا کی قسم ہم ہرگز اس پر ایمان نہ لائیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے"!۔ [2]

امیہ بن ابوالصلت' جو کہ طائف کا بہت بڑا شاعر اور رئیس تھا اور پہلے حنفاء میں رہتا تھا۔ [3]

اور اسی جذبہ کے تحت اس نے اسلام کو قبول نہیں کیا کہ وہ برسوں سے پیغمبر موعود کے انتظار میں تھا لیکن وہ خود ایک حد تک امید لگائے بیٹھا ہوا تھا کہ اس درجہ پر فائز ہوگا۔ لہٰذا اس نے جیسے ہی پیغمبر اسلامؐ کے بعثت کی خبر سنی' آپ کی پیروی سے کنارہ کش ہوگیا اور اس کی وجہ اس نے زنان ثقیف سے حیاء و شرم بتائی اور کہا: "مدتوں سے ہم نے ان سے کہا تھا کہ ہم پیغمبر موعود بنیں گے اب کس طرح سے یہ برداشت کریں کہ وہ ہم کو عبد مناف کے ایک جوان کا پیرو دیکھیں"۔ [4]

1 محمد ابوالفضل ابراہیم (اور ان کے معاونین)' قصص العرب (بیروت: داراحیاء التراث العربی' ۱۳۸۲ھ.ق)' ج ۲' ص ۲۵۸؛ ابن کثیر' الدایہ والنہایہ (بیروت: مطبعۃ المعارف' ط ۲' ۱۹۷۷ء)' ج ۳' ص ۱۴۴۔

2 ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ج ۱' ص ۳۳۷؛ ابن شہر آشوب' ج ۱' ص ۵۰؛ ابن کثیر' السیرۃ النبویہ' تحقیق: مصطفیٰ عبد الواحد (قاہرہ: ۱۳۸۴ھ.ق)' ج ۱' ص ۵۰۷۔ ۵۰۶۔

3 مراجعہ کریں: اس کتاب کے باب "جزیرۃ العرب اور اس کے اطراف میں ادیان و مذاہب" میں (حنفا)

4 ابن کثیر' السیرۃ النبویہ' ج ۱' ص ۱۳۰.

تیسری فصل

قریش کی مخالفت کے نتائج اور ان کے اقدامات

مسلمانوں پر ظلم و تشدد

مسلمانوں کی روز بروز بڑھتی ہوئی تعداد کے ساتھ جناب ابوطالب سے قریش کی گفتگو کرنے کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور بنی ہاشم پیغمبر اسلاؐم کی حمایت کے لئے کھڑے ہوگئے تو وہ پیغمبرؐ کو جانی نقصان پہنچانے سے ناتواں ہوگئے اور مسلمانوں کو نئی نئی اذیتیں اور سزائیں دینا شروع کردیں تاکہ اس طرح سے انھیں اسلام کی طرف جانے سے منع کردیں گے۔[1]

قریش کے لئے مشکل یہ تھی کہ نو مسلم افراد صرف ایک دو قبیلہ سے نہیں تھے جن کو آسانی سے روکا جاسکتا ہے بلکہ ہر قبیلہ سے چند افراد اس نئے دین کو اپنائے ہوئے تھے۔ مشرکین مکہ کے آزار واذیت سے تنگ آکر جن مسلمانوں نے ۵ھ میں حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی ان کی فہرست پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ عورتیں اور مرد مختلف قبائل (جیسے بنی عبد شمس، بنی اسد، بنی عبد الدار، بنی زہرہ، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی عدی، بنی حارث، بنی عامر اور نبی امیہ) سے مسلمان ہوئے تھے۔

اس بنا پر مشرکوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہر قبیلہ، اپنے مسلمانوں کو سزائیں دے تاکہ دوسرے قبائل کے افراد کے مداخلہ کرنے سے ان میں تعصب نہ پیدا ہو اور وہ کوئی عکس العمل نہ دکھائیں۔

زیادہ تر تکلیفیں اور سزائیں نو مسلم مستضعفوں کو دی جاتیں تھیں کہ جن کے بارے میں ہم نے بتایا ہے کہ وہ غلام، پردیسی اور بغیر کسی قبیلہ کی حمایت کے رہتے تھے۔[2] یاسر اور ان کے فرزند عمار، بلال بن رباح، خبّاب بن ارت، ابوفُکَیہ، عامر بن فُہَیر، صُہَیب بن سنان اور خواتین اور کنیزوں میں سُمَیّہ، ام عُبَیس (یاامُ عُنَیس)، زِنّیرہ، لَبیبہ (یالُبَنیہ) اور نَہدیّہ؛ یہ وہ افراد تھے[3] جن کو مختلف مواقع پر بھوک اور پیاس، قید و بند، ضرب و شتم اور مکہ کے تپتے ہوئے ریگ زار پر لٹاکر شدید گرمی کے عالم میں سزائیں دی گئیں یا تپتے ہوئے صحرا میں آہنی زرہ پہنا کر یا ان کی گردنوں میں رسی باندھ کر بچوں کے ذریعہ پھرایا گیا۔

---

1 طبری، تاریخ الامم والملوک، (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج۲، ص۲۲۱۔

2 بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف، ط۳)، ج۱، ص۱۹۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، (بیروت: دار صادر)، ج۲، ص۶۶۔

3 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۹۶۔۱۵۶؛ ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۷۰۔۶۶۔

حبشہ کی طرف ہجرت

خود پیغمبر اسلامؐ ، جناب ابوطالب اور بنی ہاشم کی حمایت کے سایہ میں قریش کے جانی نقصان سے محفوظ تھے۔ لیکن اور دوسرے مسلمانوں کی بے پناہ اذیتوں اور سزاؤں کو دیکھ کر (ایک وقتی راہ حل اور امان کی خاطر) آپ نے ان کو سمجھایا کہ ، ملک حبشہ ہجرت کر جائیں اور فرمایا کہ ''وہاں کا بادشاہ انصاف پسند اور وہاں کی سرزمین سچی اور باامن ہے۔[1]

اس زمانہ میں صرف حبشہ مسلمانوں کے ہجرت کے لئے مناسب جگہ تھی۔ ایران و روم یا اس کے زیر اثر دوسرے علاقے جیسے شام اور یمن ہر ایک کے لئے ممکن تھا کہ کسی نہ کسی وجہ سے (قریش کے ورغلانے یا اپنی سیاست کی بناپر) مسلمانوں کو قبول نہ کریں یا ہجرت کے بعد ان کے لئے مشکلات اور پریشانیاں کھڑی کر دیں۔ اس کے علاوہ حبشہ مسلمانوں کے لئے ایک جانی پہچانی جگہ تھی۔ کیونکہ اہل مکہ تجارت کی غرض سے وہاں آیا جایا کرتے تھے۔[2]

اس کے علاوہ حبشہ کے لوگ مسیحی تھے۔ خدا پرستی کے عقیدہ میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حبشہ کے مسیحی ''یعقوبی'' فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور یہ فرقہ خدا کو اکیلی ماہیت (یک اقنوم) جانتا تھا اور تثلیث (یعنی تین خداؤں کا عقیدہ) نہیں رکھتا تھا اور اس لحاظ سے ان کا عقیدہ توحید اسلامی سے قریب تھا۔[3]

بہر حال پیغمبرؐ کے کہنے پر بعثت کے پانچویں سال[4]، مسلمانوں کا ایک ۱۵ نفری[5] گروہ خفیہ طریقے سے مکہ چھوڑ کر ، بندر شعیبہ کے راستے سے ، بحر احمر کو عبور کرتا ہوا حبشہ پہنچا۔ یہ گروہ دو تین مہینے حبشہ میں رہنے کے بعد قریش کے اسلام لانے کی افواہ اور مسلمانوں پر سے اذیتوں اور دباؤ کے ختم ہونے کی خبر سن کر دوبارہ مکہ پلٹ آیا۔[6]

لیکن چونکہ زور و زبردستی اور سزائیں ویسے ہی برقرار تھیں لہٰذا پھر مسلمانوں کا ایک دوسرا گروہ اسی راستے سے حبشہ پہنچا۔ اس مرتبہ ان کی تعداد (عورت و مرد ملا کر) ایک سو ایک افراد پر مشتمل تھی[7] اور ان کی سرپرستی جعفر ابن ابی طالب کے ذمہ تھی جب مہاجرین ، حبشہ میں امن و سلامتی کے ساتھ رہنے لگے تو ایک مدت کے بعد قریش کو خطرے کا احساس ہوا اور انھوں نے اپنا نمائندہ ، نجاشی کے دربار میں بھیجا تاکہ وہ

---

1 ابن ہشام ، السیرۃ النبویہ ، ج ۱ ، ص ۳۴۴ ؛ تاریخ الامم والملوک ، ج ۲ ، ص ۲۲۲ ؛ ابن اثیر ، الکامل فی التاریخ ، ج ۲ ، ص ۷۶۔

2 طبری ، گزشتہ حوالہ ، ص ۲۲۱۔

3 عمر فروخ ، تاریخ صدر الاسلام والدولۃ الامویہ (بیروت : دار العلم ، للملایین ، ط ۳ ، ۱۹۷۶ء) ، ص ۵۴ ؛ ڈاکٹر عباس زریاب ، سیرۂ رسول اللہ ، تہران ؛ سروش ، ط ۱ ، ۱۳۷۰) ، ص ۱۶۹۔

4 ابن سعد ، طبقات الکبریٰ ، ج ۱ ، ص ۲۰۴ ؛ بلاذری ، انساب الاشراف ، ج ۱ ، ص ۲۲۸ ؛ ابن اثیر ، گزشتہ حوالہ ، ص ۷۷۔

5 ابن سعد ، گزشتہ حوالہ ، ص ۲۰۴ ؛ ابن ہشام ، گزشتہ حوالہ ، ص ۳۴۴ ؛ طبری ، گزشتہ حوالہ ، ص ۲۲۲۔۲۲۱۔

6 بلاذری ، گزشتہ حوالہ ، ص ۲۲۷۔

7 ابن سعد ، سابق ، ص ۲۰۷۔ مہاجرین کی تعداد اس سے بھی کم لکھی گئی ہے لیکن مہاجرین کے ناموں کی تعداد جو کہ تاریخ میں درج ہے وہ پہلی تعداد کی تصدیق کرتی ہے۔ مراجعہ کریں : ابن ہشام ، سابق ، ص ۳۵۳۔۳۴۶ ؛ ڈاکٹر محمد ابراہیم آیتی ، تاریخ ، (انتشارات تہران یونیورسٹی ، ط ۲ ، ۱۳۶۱) ، ص ۱۳۲۔۱۲۲۔

بادشاہ سے مطالبہ کرے کہ مہاجرین کو ان کے شہر واپس بھیج دیا جائے۔ ادھر جناب ابوطالب اس سازش سے آگاہ ہوگئے اور انھوں نے ایک خط نجاشی کے پاس لکھا اور اس سے مہاجرین کی حمایت کی درخواست کی۔[1]

نجاشی کے دربار میں قریش کے نمائندوں کے دعوے کے بعد' جناب جعفر ابن ابی طالب نے مفصل طریقے سے سنجیدہ الفاظ میں موقع کے لحاظ سے گفتگو فرمائی۔ اور بہت اچھے انداز میں اپنے موقف کا دفاع کیا اور نجاشی کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی نجاشی نے پناہ گزینوں کو قریش کے نمائندوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا اور ان کو اپنی حمایت میں رکھا۔[2]

البتہ تمام مہاجرین کو سزائیں نہیں ملی تھیں ان میں سے کچھ طاقت ور قبیلے کے لوگ بھی تھے اور مشرکین کی مجال نہیں تھی کہ ان کو اذیتیں یا سزائیں دیتے۔ لیکن بہر حال مکہ کا ماحول بہت پرآشوب اور تکلیف دہ ہوگیا تھا اور شاید پیغمبر اسلاؐم کا مقصد یہ بھی رہا ہو کہ مسلمانوں کو ایسے ماحول سے دور رکھ کر حبشہ میں اسلام کی حمایت اور اس کے دین کے مخالفوں کے خلاف ایک مرکز وجود میں آئے۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ حبشہ میں مہاجرین کا بسنا تبلیغی اثرات کے لحاظ سے خالی نہ تھا جیسے کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کیا اور پیغمبر اسلاؐم سے روابط برقرار کئے۔[3] گویا قریش نے اس اندیشے کے پیش نظر اپنے نمائندے کو بھیجا تھا۔

کچھ ایسے شواہد اور ثبوت ملتے ہیں کہ پیغمبر اسلاؐم مسلسل مہاجرین کے حالات کی خبر گیری فرماتے تھے جیسا کہ بعض کے ارتداد اور عبد اللہ بن جحش (ایک مہاجر) کے مرنے کی خبر آپ کو ملی۔[4]

---

1 ابن ہشام' سابق' ج۱'ص ۳۵۷؛ مجلسی' بحار الانوار' ج۱۸'ص ۴۱۸؛ نقل طبرسی کے مطابق جناب ابوطالب نے اپنے خط میں یہ اشعار لکھے تھے :

تعلم مليک الحبش ان محمداً نبی کموسی والمسيح بن مريم

اتی بالہدی مثل الذی اتيابہ و کل بأمر اللّٰہ يہدی ويعصم

وانکم تتلونہ فی کتابکم يصدق حديث لاحديث مرجم

فلاتجعلوا للہ نداً و اسلموا فان طريق الحق ليس بمظلم

(اعلام الوریٰ'ص ۴۵)

2 طبرسی' گزشتہ حوالہ' ص ۴۴۔ ۴۳؛ ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ص ۳۶۰۔ ۳۵۶؛ ابن اثیر' گزشتہ حوالہ' ج۲' ص ۸۱۔ ۷۹۔

3 بعض کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ حبشہ سے پلٹتے وقت جعفر ابن ابی طالب کے ہمراہ وہاں کے ستر افراد تھے۔ اور پیغمبر اسلاؐم سے گفتگو کے بعد وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ (مجمع البیان' ج ۳' ص ۲۳۴)

4 ابن سعد' سابق' ص ۲۰۸

اس مرتبہ حبشہ میں مہاجروں کا قیام زیادہ رہا اور اس عرصے میں گیارہ لوگ وہاں فوت ہوگئے' ۳۹۰' افراد رسول خداؐ کی ہجرت سے پہلے مکہ پلٹ آئے' کچھ عورتیں اور ۲۶ مرد پیغمبرؐ کی ہجرت اور جنگ بدر کے بعد مدینہ پلٹ آئے اور آخری گروہ جعفر ابن ابی طالب کی سرپرستی میں ہجرت کے ساتویں سال واپس ہوا اور جنگ خیبر کے تمام ہو جانے کے بعد اس مقام پر پیغمبر اسلاؐم کی خدمت میں پہنچا۔[1]

حضرت فاطمہ زہرا کی ولادت

شیعہ مورخین کے درمیان مشہور قول کی بنا پر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا بعثت کے پانچویں سال مکہ میں متولد ہوئیں۔[2] وہ پیغمبر اسلاؐم کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں اور آپ کی شریک حیات جناب خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئیں اور ہجرت کے بعد مدینہ میں ان کی شادی علیؑ کے ساتھ ہوئی۔ شہزادی نے اسی کمسنی کے عالم میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ مشرکوں سے جہاد کیا اور طاقت فرسا مشکلات کو برداشت کیا اور اس زمانہ کے مصائب و آلام کو ہمیشہ یاد رکھا۔

اسراء اور معراج

پیغمبر اسلاؐم کا بطور اعجاز راتوں رات مکہ سے بیت المقدس کی طرف سفر کرنا (اسراء) اور وہاں سے خداوند عالم کی قدرت کاملہ کے ذریعہ آسمانوں کا سفر کرنا (معراج) کہلایا اور ان دونوں واقعات کو مکہ کے واقعات میں شامل کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں واقعات' مکی سوروں میں نقل ہوئے ہیں لیکن وقوع واقعہ کے سال میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

پیغمبر اسلاؐم کے ان دونوں سفر کا مقصد یہ تھا کہ خداوند عالم کی عظمت کی نشانیوں کو اس وسیع و عریض کائنات اور آسمانوں میں آپ مشاہدہ کریں اور فرشتوں اور پیغمبروں کی روحوں سے ملاقات' بہشت و دوزخ کے اندر کا ماحول' اور اہل بہشت اور انکے درجات وغیرہ کا مشاہدہ فرمائیں جیسا کہ خداوند عالم نے سورۂ اسراء میں اس بات کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے۔

''پاک و پاکیزہ ہے وہ پروردگار جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے اطراف کو ہم نے بابرکت بنایا ہے تاکہ ہم اسے اپنی بعض نشانیاں دکھلائیں بیشک وہ پروردگار سب کی سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا ہے''۔[3]

پیغمبر اسلاؐم نے اس سفر میں جن مراحل کو طے کیا اس کو بیان کرنے کے بعد ''معراج'' کے بارے میں بھی فرمایا: ''اس نے (پیغمبرؐ) اپنے پروردگار کی کچھ بڑی نشانیاں دیکھی ہیں''۔[4]

---

1 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ج ۸' ص ۹۷؛ ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ص ۲۳۸؛ ابن کثیر' البدایہ والنہایہ' (بیروت: مکتبہ المعارف' ط ۱۹۶۶ء) ' ج ۴' ص ۱۴۳؛ آیتی' گزشتہ حوالہ' ص ۱۳۲۔

2 مجلسی' بحار الانوار' ج ۴۳' ص ۷ کے بعد۔ لیکن اہل سنت کے درمیان ان کی ولادت بعثت کے پانچ سال پہلے مشہور ہے۔ (سید جعفر شہدی' زندگی فاطمہ زہراؑ) (تہران: دفتر نشر فرہنگ اسلامی' ۱۳۶۵' ط ۷) ' ص ۳۲۔ ۲۴۔

3 سورۂ اسراء' آیت ۱۔

4 لقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ (سورۂ نجم' آیت ۱۸۔)

ساتویں امامؑ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ جب خدا مکان نہیں رکھتا تو پیغمبرؐ کو آسمانوں پر کیوں لے گیا؛ تو آپؑ نے فرمایا: خداوند عالم زمان و مکان سے مبرا ہے اس نے چاہا کہ پیغمبرؐ کے ذریعے فرشتوں اور آسمانوں کے ساکنوں کو عزیز اور بزرگ قرار دے اور آپ ان کا مشاہدہ کریں اور یہ بھی چاہا کہ آپ کو اپنی عظمت کی نشانیوں کا نظارہ کرائے تاکہ آپ وہاں سے زمین پر آنے کے بعد لوگوں سے سارا ماجرا بیان کریں اور یہ فعل ہرگز اس معنی میں نہیں ہے جس کو فرقۂ مشبہ کہتے ہیں اور خداوند عالم، جسم، مادہ اور مکان سے منزہ ہے۔[1]

روایات معراج کی تحلیل اور ان کا تجزیہ

پیغمبر اسلاؐم کے آسمانی سفر کے بارے میں بہت ساری روایات نقل ہوئی ہیں جس کو طبرسی (مشہور و معروف مفسر) نے چار حصوں پر تقسیم کیا ہے:

۱۔ وہ روایات جو متواتر ہونے کی بناپر قطعی اور مسلم ہیں جیسے اصل معراج۔

۲۔ وہ روایات جن میں ایسی باتوں کا تذکرہ ہوا ہے جس کو قبول کرنا عقل کی رو سے قباحت نہیں رکھتا ہے اور جو کسی مسلّم دستور کے خلاف نہیں ہیں جیسے آسمانوں میں پیغمبرؐ کا سفر کرنا، پیغمبروں کی زیارت، بہشت و دوزخ وغیرہ کی زیارت۔

۳۔ ایسی حدیثیں جن کا ظاہر، ان مسلّم اصولوں کے خلاف نہیں ہے جو آیات یا اسلامی روایات سے ماخوذ ہیں لیکن اس کے باوجود وہ قابل تاویل و توجیہ ہیں اس طرح کی حدیثوں کی ایسی تاویل کرنا چاہیئے جو صحیح اعتقاد اور محکم دلیل کے موافق ہو جیسے وہ روایات جو یہ کہتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے اہل بہشت کے ایک گروہ کو بہشت میں اور اہل دوزخ کے ایک گروہ کو دوزخ میں دیکھا ہے ان مناظر کے بارے میں کہا جائے کہ یہ ایک طرح سے بہشت اور دوزخ واقعی کی مثال اور صورت تھی۔

۴۔ ایسے مطالب جو ظاہراً قابل قبول نہیں ہیں اور قابل تاویل و توجیہ بھی نہیں ہیں۔ جیسے یہ کہ پیغمبرؐ نے اس سفر میں خدا کو چشم ظاہری سے دیکھا اور اس سے باتیں کیں اور تخت الٰہی پر اس کے بغل میں بیٹھے۔ اس طرح کی مطالب باطل اور بے بنیاد ہیں۔[2]

علمائے امامیہ کے عقیدہ کے مطابق پیغمبر اسلاؐم کی معراج جسمانی تھی یعنی وہ اپنے "جسم" اور "روح" کے ساتھ سفر پر گئے تھے۔[3]

---

1 بحرانی، تفسیر البرہان، (قم: دار الکتب العلمیہ، ۱۳۹۳ھ)، ج۲، ص۴۰۰.
2 مجمع البیان، (تہران: شرکہ المعارف)، ج۶، ص۳۹۵، تفسیر آیۂ سورۂ اسراء.
3 مجلسی، سابق، ج۱۸، ص۲۹۰؛ تفسیر نمونہ، ج۱۲، ص۱۷ کے بعد آج کے علمی قوانین کے اعتبار سے واقعۂ معراج کا رونما ہونا ممکن ہے رجوع کیجئے: تفسیر نمونہ، ج۱۲، ص۳۰۔۱۷؛ فروغ ابدیت، ج۲، ص۳۹۴.

اسلامی روایات کی بنیاد پر روزانہ کی پنجگانہ نماز معراج کے سفر میں واجب ہوئی ہے۔[1] اگر معراج سے قبل پیغمبر اسلاؐم یا علیؑ کو نماز پڑھتے دیکھا گیا یا ان سے نماز نقل ہوئی تو وہ نماز غیر واجب یا ایسی نماز تھی جو روزانہ کی پنجگانہ نماز کے شرائط اور خصوصیات کے مطابق نہیں تھی۔[2]

بنی ہاشم کا سماجی اور اقتصادی بائیکاٹ

جب قریش کے سرداروں کو جناب ابوطالب سے ملنے پر کوئی نتیجہ نہ نکلا اور حبشہ سے مہاجرین کے پلٹانے میں ناکام رہے اور دوسری طرف سے بڑی اور اہم شخصیتیں اسلام قبول کرنے لگیں اور مختلف قبائل سے اسلام کی پیروی کرنے والے افراد میں اضافہ ہونے لگا تو ناچار ہو کر یہ پلان بنایا کہ دباؤ کے نئے طریقوں کو اپنایا جائے اور وہ یہ کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خاندان کو اجتماعی اور اقتصادی طور پر دبائیں تاکہ رسول خداؐ کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیں اور ان کو ہمارے سپرد کردیں۔ اس مشورے کے بعد آپس میں ایک عہد نامہ لکھا گیا کہ بنی ہاشم سے نہ لڑکی لیں اور نہ ان کو لڑکی دیں اور نہ ہی ان سے خرید و فروخت اور معاملہ کریں۔[3]

اس سے قبل بیان کرچکے ہیں کہ مکہ کے لوگوں کا ذریعہ معاش صرف تجارت تھا اور اقتصاد و تجارت پر اختیار اور کنٹرول سارا قریش کا تھا۔ لہٰذا اگر وہ کسی شخص یا گروہ کا بائیکاٹ کردیتے تھے تو اس کا مطلب، اس کی مکمل محرومیت ہوتی تھی۔ اسی لئے ان کی نظر میں یہ بہت موثر حربہ تھا اور اس بات کی امید تھی کہ بنی ہاشم جلد ہی ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیں گے۔

شادی کا بائیکاٹ اور بنی ہاشم کے ساتھ قطع روابط، جس کا کہ بعض کتابوں میں قریش کے عہد نامہ کے ایک بند کے طور پر ذکر ہوا ہے[4] زیادہ تر اجتماعی پہلو رکھتا تھا گویا وہ لوگ چاہتے تھے کہ بنی ہاشم اس لحاظ سے بھی سخت مشکلات اور دباؤ میں رہیں۔

اس عہد نامہ پر دستخط کے بعد جناب ابوطالب کے مشورے[5] سے بنی ہاشم کے تمام افراد چاہے وہ مسلمان ہوں یا کافر،[6] (سوائے ابولہب کے)

---

1 کلینیؒ، الفروع من الکافی، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ)، ط۲، ۱۳۶۲)، ج۳، ص ۴۸۷۔ ۴۸۲؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۱۳؛ صحیح بخاری، تحقیق: الشیخ قاسم الشماعی الرفاعی، (بیروت: دار القلم، ط۱، ۱۴۰۷ھ.ق)، ج۵، مناقب الانصار، باب ۱۰۴، ص ۱۳۴۔ ۱۳۲؛ شیخ محمد بن حسن حر عاملی، وسایل الشیعہ، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط۴)، ج۳، کتاب الصلاۃ، ص۷، حدیث۵، ص۳۵، حدیث ۱۴، ص۶۰، حدیث۶؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۱۸، ص۳۴۸؛ سید ہاشم بحرانی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۹۳۳.

2 علامہ امینی، الغدیر، ج۳، ص ۲۴۲۔

3 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۱، ص ۳۷۵؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۲۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف، ط۳)، ج۱، ص ۲۳۴.

4 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۳۴؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۰۹؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۴، ص ۵۸.

5 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۰؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۶۳؛ ابن اسحاق، السیر والمغازی، تحقیق: سہیل زکار (بیروت: دار الفکر، ط۱، ۱۳۹۸ھ)، ص ۱۵۹؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۹، ص ۱۸.

6 ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۱.)، ج۱۴، ص ۶۴؛ فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین (بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ط۱، ۱۴۰۶ھ)، ص ۶۳.

"شعب ابوطالب [1] " میں جمع ہوئے [2] اور تین سال [3] تک جب تک بائیکاٹ جاری رہا) وہاں گزارے۔

اگرچہ قریش کا پیمان اجتماعی اور اقتصادی پہلو رکھتا تھا لیکن چونکہ قریش کو پیغمبر اسلاؐم اور بنی ہاشم سے بہت زیادہ بغض و عناد تھااور وہ اعلان کرچکے تھے کہ ہم میں اور بنی ہاشم میں حل کا واحد راستہ محمدؐ کا قتل ہے اسی وجہ سے جناب ابوطالب، حضرت رسول خداؐاور بنی ہاشم کی جان کے بارے میں بہت فکر مند تھے لہٰذا انھوں نے درّہ میں جاکر پناہ لی تاکہ ان کی حفاظت اور نگرانی کرنا آسان رہے۔ اور تاریخ میں بنی ہاشم کے مردوں کی تعداد چالیس افراد [4] نقل ہوئی ہے جنھیں آپ نے شعب کی نگہبانی کے لئے مقرر کیا تھااور آپ ہر شب پیغمبرؐ سے کہتے تھے کہ کچھ دیر استراحت کرنے کے بعد اپنی جگہ بدل دیں اوران کی جگہ اپنے فرزند علیؑ کو لٹادیتے تھے [5] تاکہ اس طرح محمدؐ کی جان قریش کے حملہ اور سوء قصد سے محفوظ رہ سکے۔

اس دوران قریش نے شعب میں راشن غلہ کے پہنچنے میں رکاوٹ کھڑی کردی اور بنی ہاشم، ہر طرح کے لین دین سے محروم اور سخت مشکلات میں گرفتار ہوگئے صرف وہ محرم کے مہینہ میں (حج اور عمرہ کے موسم میں) آذوقہ کی فراہمی کے لئے شہر میں جاتے تھے۔ [6] اس وقت بھی، قریش مکہ کی طرف جانے والے تجارتی قافلوں کو خبردار کردیتے تھے کہ بنی ہاشم کو کوئی چیز فروخت نہ کریں ورنہ ان کے اموال غارت کردیئے جائیں گے۔ [7] اور اگر بنی ہاشم؛قریش سے کوئی چیز خریدنا چاہتے تھے تووہ اس کی قیمت بہت زیادہ بتاتے تھے تاکہ وہ خرید نہ سکیں۔ [8]

---

1 دو پہاڑوں کے بیچ کے درّہ اور شگاف کو "شعب" کہتے ہیں۔ "شعب ابوطالب" جوکہ بعد میں "ابویوسف" کے نام سے مشہور ہوا، عبد المطلب کی وجہ سے قرار پایا ہے۔ جب ان کی آنکھیں ضعیف ہوگئیں تو انھوں نے اس کو اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کردیا۔ پیغمبر اسلامؐ کو بھی اپنے والد بزرگوار جناب عبد اللہ کا حصہ ملا۔ اس درّہ میں بنی ہاشم کے گھر تھے (یاقوت حموی، معجم البلدان، ج ۳، ص ۳۴۷) جدید تحقیقات کی روشنی میں شعب ابی طالب۔ بعض لوگوں کے تصور کے برخلاف، حجون میں جوکہ آج اہل مکہ کے درمیان "جبۃ المَعلاۃ" کے نام سے اور ایرانیوں کے درمیان "قبرستان ابوطالب" کے نام سے معروف ہے، نہیں ہے۔ بلکہ مسجد الحرام کے قریب، صفا و مروہ پہاڑی کے بغل اور ابوقبیس پہاڑ کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ پیغمبر اسلاؐم کی ولادت اور جناب خدیجہ کا گھر اسی درّہ میں تھا اور پیغمبر اسلاؐم ہجرت کے وقت تک اسی درّہ میں رہتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ کے مدینہ ہجرت کرجانے کے بعد، عقیل ابن ابی طالب وہاں رہنے لگے اور ان کے بعد محمد بن یوسف ثقفی، (حجاج کے بھائی) نے اس کو عقیل کے لڑکوں سے خریدااور اپنے گھر میں شامل کرلیا۔ گویا اس کے بعد اس کا نام شعب ابی یوسف پڑ گیا اور بعض قدیمی مورخ اس کو اسی نام سے یاد کرتے ہیں، پیغمبر اسلاؐم کی جائے ولادت اسی خاص جگہ پر ہے اور عبد العزیز کے زمانہ میں، مکہ کے میئر نے اسے لائبریری میں تبدیل کردیا اور ۱۳۹۹ء ھ میں عزہ سڑک کی توسیع میں اسے ختم کردیا گیا۔ (فصلنامۂ میقات حج، شمارہ ۳، ماہ بہار ۱۳۷۲، مقالہ سید علی قاضی عسکر، شعب ابی طالب کے بارے میں تحقیق، ص ۱۷۱۔ ۱۴۹.

2 پہلی محرم سات بعثت (ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۰۹).

3 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۰۹؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۴۔ ۲۳۳؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۲۵؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)؛ ج۲، ص ۸۷؛ فتال نیشاپوری، گزشتہ حوالہ، ص ۶۴۔ ۶۳.

4 ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۶۳؛ طبرسی، اعلام الوریٰ (تہران: دار الکتب الاسلامیہ: ط ۳)، ص ۴۹.

5 فتال نیشاپوری، روضۃ الواعظین، (بیروت: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ط ۱، ۱۴۰۶ھ)، ص ۶۳؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ص ۶۴؛ طبرسی گزشتہ حوالہ، ص ۵۰؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۴، ص ۶۴؛ رجوع کریں: گزشتہ حوالہ، ص ۱۶۰.

6 ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ص ۶۵؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۰۹؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۴؛ ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص ۵۹ .

7 طبرسی، گزشتہ حوالہ.

8 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۱۹، ص ۱۹؛ ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۹.

بعض اوقات ابو العاص بن ربیع[1] اور کبھی حکیم بن حزام[2] قریش کی نظروں سے بچا کر شعب کے اندر غلہ اور راشن پہنچاتے تھے بنی ہاشم سے حضرت علیؑ راتوں کو چھپ کر شعب سے نکلتے تھے اور کھانے کا سامان فراہم کرتے تھے۔[3]

اس عرصہ میں جناب رسول خداؐ، جناب ابوطالبؑ اور جناب خدیجہ کی دولت تمام ہو گئی اور وہ تہی دست اور مشکلات میں گرفتار ہو گئے۔[4] خاص طور سے جناب خدیجہ نے اپنی ساری دولت شعب میں پیغمبر اسلامؐ کی راہ میں خرچ کر دی۔[5]

تین سال گزرنے کے بعد جب پیغمبر اسلامؐ نے دیمکوں کے ذریعہ اس عہد نامہ کے کھا جانے کی اطلاع ابوطالبؑ کے ذریعہ، قریش کو دی۔[6] اور دوسری طرف سے عہد نامہ پر دستخط کرنے والے بعض افراد جو بنی ہاشم کی حالت زار پر رنجیدہ تھے۔[7] وہ اس عہد سے، بیزار ہو گئے اور ان کی پیش قدمی سے یہ عہد لغو ہو گیا۔[8] اور اس طرح بنی ہاشم اپنے گھروں کی طرف پلٹ آئے۔[9]

حضرت علیؑ نے اپنے ایک خط میں معاویہ سے اس مشکل اور پُر رنج دور کا تذکرہ اس طرح سے کیا ہے :

... ''تو ہماری قوم نے ہمارے نبیؐ کو قتل کرنے اور ہماری جڑ اکھاڑ دینے کا ارادہ کر لیا اور ہمارے خلاف کتنے ہی ناپاک عزائم استوار کئے اور کون سی ناشائستہ حرکت ہو گی جس کا ہمیں نشانہ نہ بنایا ہو۔ ہمارا جینا حرام کر دیا اور خوف وہراس کو ہمارا اوڑھنا بچھونا بنا دیا اور ہمیں ایک دشوار گزار پہاڑ (کی گھاٹی) میں سر چھپانے پر مجبور کر دیا اور (آخرکار) ہمارے لئے جنگ کی آگ بھڑکا دی (اس برے وقت میں) اللہ تعالیٰ نے ہم (بنی ہاشم) کو (ایسی) ہمت عطا فرمائی کہ ہم نے حریم رسالت کا بچاؤ کیا اور آپ کی شان حرمت پر آنچ نہ آنے دی۔ ہمارے مومن یہ خدمات ثواب کی خاطر بجالاتے تھے اور ہمارے کافر خونی قرابت کے پیش نظر حمایت کرتے تھے۔ قریش کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ ان مصائب سے بچے ہوئے تھے جن میں ہم گرفتار تھے کیونکہ کسی کی حفاظت تو باہمی معاہدہ کر رہا تھا اور کسی کا قبیلہ اس کے بچاؤ کے لئے تیار کھڑا تھا اس لئے اسے قتل ہو جانے کا کوئی خطرہ نہیں تھا۔[10]

---

1 ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ص۶۵؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص۵۱۔

2 ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص۱۶۱؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۷۹؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص۲۳۵؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص۱۹۔

3 ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۳، ص۲۵۴۔

4 ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۵؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۵۰

5 طبرسی، ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۶۴.

6 ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص۱۶۱؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۳۴؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۱۰؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۶۵.

7 ابن اسحاق، گزشتہ حوالہ، ص ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۶؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۴؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج۱۴، ص ۵۹؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ج۲، ص۸۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۹، ص۱۹۔

8 بعثت کے دسویں سال میں (ابن سعد، گزشتہ)، ج۱، ص۲۱۰، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۳۶۔

9 طبرسی، گزشتہ حوالہ، ص۵۲-۵۱۔

10 نہج البلاغہ، تحقیق: صبحی صالح، مکتوب نمبر ۹.

جناب ابوطالب اور جناب خدیجہ کی وفات

بعثت کے دسویں سال شعب سے بنی ہاشم کے نکلنے کے کچھ ہی دن بعد پہلے جناب خدیجہ اور اس کے بعد ابوطالب کی وفات ہو گئی۔[1]

ان دو بڑی شخصیتوں کا اس دنیا سے اٹھ جانا جناب رسول خداؐ کے لئے بہت بڑی اور جانگداز مصیبت تھی۔[2] ان دو گہرے دوست اور وفادار ناصر کے رحلت کر جانے کے بعد آنحضرتؐ کے لئے مسلسل سخت اور ناگوار واقعات پیش آئے۔[3] اور زندگی آپ پر دشوار ہو گئی۔

جناب خدیجہ کا کارنامہ

ان دو بڑی شخصیتوں کے غیر متوقع فقدان کا اثر، فطری تھا اس لئے کہ اگرچہ جناب خدیجہ سطح شہر میں جناب ابوطالب جیسا دفاعی کردار نہیں ادا کر سکتی تھیں لیکن گھر کے اندر نہ تنہا پیغمبرؐ کے لئے مہربان جانثار اور دلسوز شریک حیات تھیں بلکہ اسلام کی سچی اور واقعی مددگار تھیں بلکہ مشکلات اور پریشانیوں میں رسول خداؐ کی تسکین قلب اور سکون کا باعث تھیں۔[4]

پیغمبر اسلاؐم اپنی زندگی کے آخری لحات تک جناب خدیجہ کو یاد کیا کرتے تھے۔[5] اور اسلام کے سلسلے میں ان کی پیش قدمی، زحمات اور رنج والم کو فراموش نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ایک دن عائشہ سے فرمایا: "خداوند عالم نے خدیجہ سے بہتر مجھے زوجہ نہیں دی جس وقت سب کافر تھے وہ ہم پر ایمان لائیں۔ جب سب نے مجھے جھٹلایا تو انھوں نے میری تصدیق کی اور جب دوسروں نے مجھے محروم کیا تو اس نے اپنی ساری دولت میرے لئے خرچ کر دی۔ اور خداوند عالم نے مجھے اس سے فرزند عطا کیا ہے۔[6]

جناب ابوطالب کا کارنامہ!

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ جناب ابوطالب نہ صرف بچپنے اور نوجوانی میں محمدؐ کے سرپرست تھے بلکہ ان کی رسالت کے زمانہ میں بھی بے انتہا ان کے حامی اور پشت پناہ تھے۔ اور مشرکوں کی عداوتوں اور کارشکنیوں کے مقابل میں ایک عظیم دیوار تھے۔

ابوطالب کی حیات کے زمانے میں قریش بہت کم پیغمبرؐ کے جانی آزار و اذیت کی جرات رکھتے تھے ایک دن بزرگان قریش میں سے کچھ لوگوں نے ایک شخص کو ورغلایا کہ مسجد الحرام میں جاکر پیغمبرؐ کے جسم پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا جب جناب ابوطالب کو

---

1 بلاذری گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۳۶؛ ابن اثیر گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۹.
2 ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۲۹؛ پیغمبر اسلاؐم نے اس سال کا نام "عام الحزن" رکھا۔ (مجلسی، بحار الانوار، ج۱۹، ص ۲۵)
3 ابن اسحاق گزشتہ حوالہ، ص ۲۴۳؛ ابن ہشام گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۵۷؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۵۳.
4 وکانت وزیرۃ صدق علی الاسلام وکان یسکن الیہا۔ (ابن اسحاق گزشتہ حوالہ، ص ۲۴۳؛ ابن ہشام گزشتہ حوالہ.
5 امیر مھنا الخیامی، زوجات النبی واولادہ، (بیروت موسسہ عزالدین، ط ا، ۱۴۱۱ھ) ص ۶۳-۶۲.
6 ابن عبد البر، الاستیعاب (درحاشیہ الاصابہ) ج۴، ص ۲۸۷؛ دولابی گزشتہ حوالہ، ص ۵۱.

واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور ''حمزہ'' کے ہمراہ ان کو ڈھونڈنے کے لئے نکل پڑے اور حمزہ سے کہا کہ یہی اوجھڑی ان میں سے ہر ایک کے جسم پر مل دیں۔[1]

ابوطالب کی رحلت کے بعد قریش بہت گستاخ ہوگئے تھے۔ پیغمبر اسلاؐم پر کوڑا پھینکتے تھے۔[2] خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ ''قریش مجھے ضرر نہیں پہنچا سکے یہاں تک کہ ابوطالب کی وفات ہوگئی۔[3]

ایمان ابوطالب

تمام شیعہ علماء کا عقیدہ ہے کہ ابوطالب مسلمان اور مومن تھے۔[4] لیکن پیغمبر اسلاؐم کی حمایت کی خاطر آپ نے اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور چونکہ اس سماج میں خاندانی تعصب پایا جاتا تھا۔ لہٰذا ظاہری طور پر آپ نے آنحضرتؐ کی حمایت کی خاطر خاندان کا عنوان دیا تھا۔[5]

''ابوطالب اصحاب کہف کے مانند تھے جو اپنے ایمان کو چھپائے رہے اور تظاہر بہ شرک کرتے تھے اور خدا نے ان کو دو اجر عطا کیا ہے''۔[6]

اہل سنت کے ایک گروہ نے جناب ابوطالب کے ایمان کا انکار کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مرتے دم تک ایمان نہیں لائے اور دنیا سے کفر کی حالت میں گئے۔ لیکن ان کے اس کے دعوے کے برخلاف بے شمار دلیلیں اور شواہد موجود ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ آئین اسلام اور نبوت حضرت محمدؐ پر ایمان واعتقاد رکھتے تھے۔ اختصار کے طور پر ہم صرف دو دلیل پیش کرتے ہیں :

---

1 کلینیؒ، الاصول من الکافی، (تہران : دار الکتاب الاسلامیہ، ۱۳۸۱ھ)، ج۱، ص ۴۴۹؛ علامہ امینی، الغدیر، ج۷، ص ۳۹۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۸، ص ۱۸۷؛ رجوع کریں : الغدیر، ج۷، ص ۳۵۹، ۳۸۸، ۳۹۳؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۲۰.

2 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۱۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۲، ص ۲۲۹؛ بیہقی، دلائل النبوہ، ترجمہ، محمود مہدوی دامغانی، (تہران : مرکز انتشارات علمی وفرہنگی، ۱۳۶۱)، ج۲، ص ۸۰؛ ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۹۱۔

3 ابن اسحاق، السیر والمغازی، ص ۲۳۹؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۵۸؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۲۹؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص ۶۸؛ ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ص ۹۱؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ص ۸۰، سبط ابن جوزی، تذکرۃ الخواص، (نجف : المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۳ھ)، ص ۹.

4 شیخ مفید، اوائل المقالات (قم : مکتبۃ الداوری)، ص ۱۳؛ فتال نیشاپوری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۵؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱۴، ص ۶۵؛ طبرسی، مجمع البیان، ج۳، ص ۲۸۷، تفسیر آیۂ ۲۶ سورۂ انعام؛ علی بن طاووس، الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف (قم : مطبعۃ الخیام، ۱۴۰۰ھ)، ص ۲۹۸.

5 طبرسی، گزشتہ حوالہ، ج۷، ص ۳۶۰، تفسیر آیۂ ۵۶ سورۂ قصص.

6 کلینیؒ، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۴۴۸؛ صدوق الامالی، (قم : المطبعۃ الحکمہ)، ص ۳۶۶؛ (مجلسی ۸۹)؛ فتال نیشاپوری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۶؛ علامہ امینیؒ، الغدیر، ج۷، ص ۳۹۰؛ مفید، الاختصاص، (قم : منشورات جماعۃ المدرسین)، ص ۲۴۱.

ا۔ان کے اشعار اور اقوال : جناب ابوطالب کے بے شمار اشعار و اقوال جو ہم تک پہنچے ہیں ان میں سے بعض میں آپ نے صراحت کے ساتھ پیغمبر اسلاؐم کی نبوت اور ان کی حقانیت کا ذکر فرمایا ہے۔[1] اور یہ اشعار و اقوال اسلام کے سلسلہ میں ان کے ایمان اور عقیدہ کا واضح اور روشن ثبوت ہیں۔ان کے چند اشعار نمونہ کے طور پر یہاں پیش ہیں :

تعلم مليک الحبش ان محمداً نبی کموسیٰ و المسيح بن مريم

أتیٰ بالهدیٰ مثل الذی اتيابه و کل بامر اللّٰه يهدی و يعصم[2]

(اے حبشہ کے بادشاہ یہ جان لے کہ محمدؐ مانند موسیٰؑ اور مسیحؑ پیغمبر ہیں وہی نور ہدایت جسے وہ دونوں لے کر آئے تھے وہ بھی لیکر آئے ہیں اور تمام پیغمبران الٰہی خدا کے حکم سے لوگوں کی ہدایت کر کے گناہ سے روکتے ہیں)

الم تعلموا انَّا وَجَدنَا محمداً رسولاً کموسیٰ خطّ فی اول الکتب[3]

(کیا تمھیں نہیں معلوم کہ ہم نے محمدؐ کو مانند موسیٰؑ پیغمبر پایا ہے اور اس کا نام و نشان گزشتہ آسمانی کتابوں میں ذکر ہے)

و لقد علمت ان دين محمدٍ من خير اديان البريه ديناً[4]

(مجھے یقینی طور پر معلوم ہے کہ دین محمدؐ ' دنیا کے بہترین ادیان میں سے ہے)

۲۔ پیغمبر اسلاؐم سے ابوطالب کی حمایتیں : پیغمبر اسلاؐم کے لئے جناب ابوطالب کی بے انتہا پشت پناہی اور حمایتیں جو تقریباً سات سال تک بغیر کسی وقفہ اور سستی کے جاری رہیں اور اس مدت میں قریش کے مقابل میں مقاومت اور بے شمار مصائب اور مشکلات کو برداشت کرنا آپ کے ایمان اور عقیدے کے سلسلے میں دوسرا واضح ثبوت ہے۔آپ کے ایمان کے منکر یہ تصور کرتے ہیں کہ آپ نے یہ ساری مشکلات اور پریشانیاں خاندانی جذبہ کے تحت سہیں۔ جبکہ خاندانی روابط انسان کو اس طرح کی طاقت فرسا زحمتوں اور قربانیوں اور طرح طرح کے خطرات

---

1 ابوطالب کے شعر کا ایک دیوان ہے جس کو ابونعیم علی بن حمزہ بصری تمیمی لغوی (م ۳۷۵ھ .ق سیسیل میں) نے جمع کیا ہے اور شیخ آغابزرگ تہرانی نے اس کا ایک نسخہ بغداد میں آل سید عیسی عطار کی لائبریری میں دیکھا ہے۔ (الذریعہ ' ج۹' قسم اول ' ص ۴۳۔ ۴۲) اور اسی طرح قبیلۂ بنی مہرم سے ابوھفان عبد اللہ بن احمد عبدی (جو کہ ایک شیعہ شاعر ' مشہور ادیب اور بصرہ کے رہنے والے تھے) کے پاس ایک کتاب ' شعر ابی طالب بن عبد المطلب و اخبارہ' کے نام سے تھی (رجال نجاشی ' تحقیق : محمد جواد النائینی ' بیروت ' ط۱ ' ۱۴۰۸ھ) ' ج۲ ' ص ۱۶' نمبر ۵۶۸) مرحوم شیخ آغابزرگ تہرانی نے اس کا ایک نسخہ بغداد میں آل سید عطار کی لائبریری میں دیکھا ہے جس میں پانچ سو (۵۰۰) سے زیادہ اشعار تھے اور ۱۳۵۶ھ میں نجف میں شائع ہوا۔ (الذریعہ ' ج ۱۴' ص ۱۹۵) 'امیر المومنین علیؑ چاہتے تھے کہ ابوطالب کے اشعار نقل اور جمع اوری ہوں اور آپ نے فرمایا : "ان کو یاد کرو اور اپنی اولاد کو بھی یاد کرواؤ' ابوطالب دین خدا کے پیرو تھے اور ان اشعار میں بے شمار علوم پائے جاتے ہیں"۔ (الغدیر ' ج۷ ' ص ۳۹۳)۔

2 طبرسی ' اعلام الوریٰ ' ص ۴۵ ؛ مجمع البیان ' ج ۴ ' ص ۲۸۸ ؛ علامہ امینی ' الغدیر ' ج۷ ' ص ۳۳۱ .

3 کلینیؒ ' گزشتہ حوالہ ' ج۱ ' ص ۴۴۹ ؛ طبرسی ' مجمع البیان ' ج ۴ ' ص ۲۸۷ ؛ ابن ہشام ' السیرۃ النبویہ ' ج۱ ' ص ۳۷۷ ؛ ابن ابی الحدید ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱۴ ' ص ۱۸۱ ؛ شیخ ابوالفتح الکراجکی ' کنز الفوائد ' تحقیق : الشیخ عبداللہ نعمہ (قم : دار الذخائر ' ط۱ ' ۱۴۱۰ھ) ' ج۱ ' ص ۱۸۱ ؛ امینی ' الغدیر ' ج ۷ ' ص ۳۳۲۔

4 ابن ابی الحدید ' گزشتہ حوالہ ' ص ۵۵ ؛ امینی ' گزشتہ حوالہ ' ص ۳۳۴ ؛ عسقلانی ' الاصابہ فی تمییز الصحابہ ' (بیروت : دار احیاء التراث العربی) ' ج ۴ ' ص ۱۱۶ ؛ ابن کثیر ' البدایہ والنہایہ ' (بیروت : مکتبۃ المعارف ' ط ۲ ' ۱۹۷۷م) ' ج ۳ ' ص ۴۲ .

مول لینے پر ہرگز آمادہ نہیں کر سکتے ہیں۔اس طرح کی قربانیوں کے لئے ہمیشہ ایمانی اوراعتقادی جذبہ ضروری ہے۔اگر جناب ابوطالب کاجذبہ صرف خاندانی روابط تھاتو حضرت محمدؐ کے دوسرے چچاؤوں نے جیسے عباس اورابولہب نے ایساکام کیوں نہیں کیا؟!۔[1]

محققین کے ایک گروہ کی نظر میں، بعض لوگوں نے جو کوشش کی ہے کہ جناب ابوطالب کے کفر کو ثابت کریں یہ سیاسی جذبہ اور بعض تعصّبات کی بناپر ہے کیونکہ پیغمبرؐ کے بڑے اصحاب (جو کہ بعد میں علیؑ کے سیاسی رقیب بنے) عام طور پر پہلے بت پرست تھے۔صرف علیؑ تھے جو سابقۂ بت پرستی نہیں رکھتے تھے اور بچپنے سے پیغمبرؐ کے مکتب میں پرورش پائی۔جو لوگ یہ چاہتے تھے کہ علیؑ کے مقام اور مرتبہ کو کم کریں اور نیچا دکھائیں تاکہ آئندہ ان کے برابر ہوسکیں، مجبوری کی بناپر ان کی پوری کوشش تھی کہ وہ ان کے والد بزرگوار کے کفر کو ثابت کریں تاکہ ان کا بت پرست ہونا ثابت ہوسکے۔درحقیقت ابوطالب کا اس کے علاوہ کوئی جرم نہیں تھاکہ وہ علیؑ کے باپ تھے اگر علیؑ جیسے فرزند نہ رکھتے تو ایسے اتہامات ان پر نہ لگائے جاتے!۔

ان حق پامالیوں اور عباسی اور اموی کوششوں کو بھی، نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کے جد، اس مرتبہ پر فائز نہیں ہوئے تھے۔اور اسلام میں پہل نہیں رکھتے تھے۔اسی وجہ سے وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کے باپ کے کفر کو ثابت کریں تاکہ اس طریقہ سے ان کے مقام اور مرتبہ کو کم کرسکیں!۔

جو اتہام جناب ابوطالب پر لگایا گیاوہ آپ کی بہ نسبت عباس بن عبد المطلب (پیغمبر اسلامؐ اور حضرت علیؑ کے چچااور سلسلۂ خلفاء عباسی کے جد) سے زیادہ مناسبت رکھتا تھا، کیونکہ عباس، فتح مکہ ۸ھ تک کفر کی حالت میں مکہ میں رہے اور جنگ بدر میں مشرکوں کے لشکر کے ساتھ اسیر ہوئے اور فدیہ دیکر آزاد ہوئے۔فتح مکہ کے واقعہ پر مکہ کے راستے میں آپ لشکر اسلام تک گئے اور پھر مکہ واپس پلٹ آئے اور بہت ہی کوششوں کے بعد پیغمبرؐ سے ابوسفیان (مشرکوں کا سرغنہ) کے لئے امان لی! اس کے باوجود کسی نے نہیں کہاکہ عباس کافر تھے! کیااس طرح کا فیصلہ ان دو لوگوں کے بارے میں فطری اور عقلی نظر آتا ہے؟! اس اعتبار سے محققین جناب ابوطالب کے کفر کے سلسلے میں پائی جانے والی حدیثوں کو جعلی سمجھتے ہیں۔[2]

ازواج پیغمبر اسلاؐم

جب تک جناب خدیجہ زندہ رہیں پیغمبر اسلامؐ نے کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی[3] ان کے انتقال کے بعد آنخضرتؐ نے دوسری خواتین سے شادی کی جن میں حضرت عائشہ کے علاوہ سب بیوہ تھیں۔ان میں سے پہلی سودہ اور ان کے شوہر سکران بن عمرو حبشہ کے مہاجروں میں سے تھے جو وہاں انتقال کرگئے تھے اور وہ بغیر سرپرست کے ہوگئی تھیں۔

---

1 ایمان ابوطالب کے بارے میں متعدد کتابیں لکھی جاچکی ہیں کہ جن میں سے کچھ کا تذکرہ شیخ آغابزرگ تہرانی نے اپنی کتاب الذریعہ میں، ج ۲، ص ۵۱۰ سے ۵۱۴ پر کیاہے۔اور مرحوم علامہ امینیؒ نے بھی کتاب الغدیر میں، ج ۷، ص ۳۳۰ سے ۴۰۳ تک تفصیلی طور پر بحث کی ہے اور انیس کتابیں جو کہ اسلام کے جید علماء کے ذریعہ ایمان ابوطالب کے اثبات اوران کے حسن عاقبت کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں ان کا ذکر فرمایا ہے۔اور چالیس حدیثیں ان کے ایمان کے اثبات میں نقل کی ہیں۔ اور جلد ہشتم کے آغاز میں بھی اس سلسلے میں مخالفوں کے اعتراضات اور شبہات کا جواب دیا ہے۔

2 ڈاکٹر عباس زریاب، سیرۂ رسول خداؐ (تہران: سروش، ج ۱، ۱۳۷۰)، ص ۱۷۸ و ۱۷۹.

3 ابن عبد البر، الاستیعاب، (حاشیہ الاصابہ میں)، ج ۴، ص ۲۸۲؛ صحیح مسلم؛ امام النووی کی شرح (بیروت: دار الفکر)، ج ۱۵ھ ص ۲۰۱.

بعض مستشرقین نے پیغمبر اسلاؐم کی شادیوں کے بارے میں بزدلانہ تہمتوں کو دستاویز بنا کر اس کو ہوس بازی اور شہوت پرستی سے تفسیر کیا ہے۔[1]

جبکہ مسئلہ کی منصفانہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ یہ شادیاں معمولاً عام جذبہ کے تحت نہیں ہوئیں تھیں بلکہ سیاسی، سماجی اور اسلام کی مصلحتوں کے پیش نظر ہوئی تھیں ان میں سے بعض خواتین بے سرپرست اور بیوہ تھیں اور پیغمبرؐ نے ان سے شادی کر کے ان کو اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا اور بعض دوسرے بڑے خاندان یا قبائل سے تعلق رکھتی تھیں اور پیغمبرؐ کا مقصد ان قبائل یا خاندان کی حمایت حاصل کرنا تھا۔ اور بعض وقت شادی کا مقصد جاہلی رسم و رواج کو مٹانے کی خاطر تھا۔ اس مطالب کی وضاحت کے لئے کچھ قرائن اور شواہد پیش ہیں۔

۱۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پیغمبر اسلاؐم نے پچیس سال کی عمر میں یعنی مکمل جوانی کے عالم میں جناب خدیجہ کے ساتھ شادی کی جن کی عمر بر بنائے مشہور آپ سے زیادہ تھی اور ان کے جوانی کا دور گزر چکا تھا۔ ۲۵ سال تک ان کے ساتھ زندگی گزاری۔

۲۔ جب تک جناب خدیجہ زندہ رہیں کسی دوسری خاتون سے شادی نہیں کی۔ جبکہ اس دور کے سماج میں متعدد ازواج کا ہونا ایک عام رسم تھی۔

۳۔ پیغمبر اسلاؐم کی بعد کی شادیاں ۵۰ سال کے بعد (ہجرت سے پہلے کم، اور ہجرت کے بعد زیادہ) ہوئی تھیں۔ ایک طرف سے پیری کا زمانہ اور دوسری طرف سے سیاسی، سماجی اور نظامی مشکلات اور پریشانیوں کے عروج کا زمانہ تھا ایسے حالات میں کیا یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شہوت پرستی کی فکر میں لگا ہو گا؟ کیا اصولی طور پر پیغمبرؐ مدینہ میں اس طرح کے کاموں کی فرصت رکھتے تھے؟

۴۔ کیا ایسی عورتوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا عیش و شہوت پرستی کی خاطر تھا جو مختلف طرح کے سلیقے اور اخلاق رکھتی ہوں اور ان میں سے بعض نے اپنے برے اخلاق اوا طوار اور زنانہ حسادت کی وجہ سے پیغمبرؐ کو رنجیدہ اور ملول کیا ہو۔[2]

۵۔ پیغمبر اسلامؐ کی ازواج میں سے ہر ایک، الگ الگ قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں اور ان میں آپس میں کوئی رشتہ داری نہیں تھی۔ کیا پیغمبرؐ کا مختلف قبائل سے تعلق رکھنا اتفاقی مسئلہ تھا؟

۶۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد اسلام وہاں تیزی سے پھیلنے لگا تھا اور لوگوں کے دلوں میں پیغمبرؐ کے معنوی نفوذ کے علاوہ آپ کی اجتماعی اور سیاسی قدرت بھی زیادہ ہو گئی تھی لہذا قبائل عرب کے رؤسا اپنے لئے افتخار سمجھتے تھے کہ پیغمبرؐ ان کی لڑکی سے شادی کریں لیکن آنحضرتؐ نے جن خواتین کو شادی کے لئے چنا تھا وہ عموماً ضعیف اور بیوہ اور لاوارث تھیں جبکہ خود آنحضرتؐ مردوں کو کنواری لڑکیوں سے شادی کرنے کے لئے تشویق کرتے تھے۔ ہم یہاں پر پیغمبرؐ کی ازواج میں سے چند کا تذکرہ بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

ام حبیبہ: وہ اسلام کے کٹر دشمن ابوسفیان کی لڑکی تھیں وہ اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش (رسول خداؐ کی پھوپھی کے لڑکے) کے ساتھ حبشہ چلی گئیں تھیں۔ عبید اللہ وہاں جا کر مرتد اور مسیحی ہو گئے اور شراب نوشی میں افراط کی وجہ سے کفر کی حالت میں دنیا سے گئے۔[3]

---

1 محمد حسنین ھیکل، حیات محمدؐ (قاھرہ: مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ط ۸، ۱۹۶۳ء)، ص ۳۱۵ و ۳۱۶ و ۳۲۵۔

2 اس بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کے لئے سورۂ تحریم کی آیت ۱ سے ۵ تک مراجعہ کریں۔

3 محمد بن سعد، طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ج ۷، ص ۹۷؛ شیخ عباس قمی، سفینۃ البحار، ج ۱، لفظ حب، ص ۲۰۴۔

جب پیغمبر اسلاؐم کو اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے ۶ھ میں [1] عمرو بن امیہ ضمیری کو حبشہ نجاشی کے پاس بھیجا اور ان سے درخواست کی کہ ام حبیبہ کا عقد ان سے کر دیا جائے۔ نجاشی نے ام حبیبہ کی شادی پیغمبرؐ سے کر دی۔ اس کے بعد وہ ایک سال تک حبشہ میں رہیں اور ۸ھ میں مہاجروں کے آخری گروہ کے ساتھ مدینہ پلٹ آئیں۔ [2] اس وقت ان کی عمر ۳۰ سے ۴۰ سال کے بیچ تھی۔ [3]

ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلاؐم کا یہ اقدام اس نو مسلم خاتون سے دلجوئی کی خاطر تھا۔ کیونکہ وہ اپنے باپ اور خاندان والوں سے الگ ہو کر اپنے مسلمان شوہر کے ساتھ حبشہ چلی گئی تھیں اور پھر عالم غربت میں شوہر کا سایہ بھی اٹھ گیا تھا للذا ان کے ساتھ اس سے بہتر کیا اقدام ہو سکتا تھا کہ انھیں پیغمبرؐ کی زوجہ ہونے کا شرف ملے؟

جن اسباب کا دعوا مسیحی مورخین نے کیا ہے اگر اس کو فرض کر لیا جائے تو یہ کس طرح سے معقول ہوگا کہ ایک شخص ایسی خاتون سے شادی کرے جو دوسرے ملک میں رہ رہی ہو اور اس کے پلٹنے کی کوئی امید نہ ہو؟!

۲۔ ام سلمہ: ام سلمہ (ھند) ابی امیہ مخزومی کی لڑکی تھیں ان کے پہلے شوہر ابو سلمہ (عبد اللہ) مخزومی [4] رسول خداؐ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ [5] ان سے چار لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام سلمہ تھا اسی کی مناسبت سے انھیں "ام سلمہ" اور "ابو سلمہ" کہا جانے لگا۔ [6]

ابو سلمہ جنگ احد میں زخمی ہوئے اور اسی زخم کے اثر سے جمادی الثانی ۳ھ میں شہادت کے درجے پر فائز ہوئے [7] گویا ام سلمہ اور ان کے شوہر (بنی مخزوم) کے قبیلہ اور خاندان سے مدینہ میں کوئی نہیں رہ گیا تھا۔ اس لئے کہ وہ کہتی ہیں کہ جس وقت ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں بہت غمگیں ہوئی اور اپنے آپ سے کہا: عالم غربت میں! میں اس طرح سے گریہ کروں گی کہ ہر جگہ میرے گریہ کا تذکرہ ہوگا۔ [8]

پیغمبر اسلاؐم نے ۴ھ میں ان سے شادی کی [9] اس وقت وہ بڑھاپے اور ضعیفی کی منزلوں میں قدم رکھ چکی تھیں۔ [10] اور ان کا سب سے چھوٹا بچہ شیر خوار تھا۔ [11]

واضح رہے کہ پیغمبر اسلاؐم کا اس شادی سے مقصد یہ تھا کہ اس کی اور اس کے یتیم بچوں کی سرپرستی کر سکیں۔ کیا ایک بیوہ اور سن رسیدہ خاتون سے شادی کرنا اور اس کے چار یتیم بچوں کی کفالت اور نگہداشت کرنا اپنی جگہ پر ایک ریاضت نہ تھی؟!

---

1 ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۵، ص ۴۵۸؛ مسعودی، مروج الذہب، (بیروت: دار الاندلس)، ج۲، ص ۲۸۹، حمد اللہ متوفی، تاریخ خلاصۂ تاریخ، بہ اہتمام عبد الحسین نوالی) تہران: امیر کبیر، ۱۳۶۲)، ص ۱۶۱.

2 ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۴۴؛ حمد اللہ مستوفی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۶۱.

3 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۹۹؛ شیخ عباس قمی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۰۴.

4 عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ج ۴، ص ۴۵۸، ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۵، ص ۵۸۸.

5 ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ص ۲۱۸.

6 گزشتہ حوالہ، ص ۵۸۸؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۹۴؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۵، ص ۵۸۸.

7 ابن عبد البر، الاستیعاب، ج ۴، ص ۸۲.

8 امیر مھنا الخیامی، زوجات النبی او اولادہ (بیروت: موسسہ عز الدین، ط ا، ۱۴۱۱ھ)، ص ۱۹۹.

9 ابن حجر، گزشتہ حوالہ، ص ۴۵۸؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ۸، ص ۸۷.

10 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۹۰، ۹۱؛ محمد بن حبیب، المحبر (بیروت: دار الافاق الجدیدہ)، ص ۸۴

11 ابن حجر، گزشتہ حوالہ، ص ۴۵۸؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۹۱.

ام سلمہ زہد و تقویٰ اور فضیلت کے لحاظ سے حضرت خدیجہ کے بعد رسول خداؐ کی ازواج میں سے سر فہرست تھیں [1] انھیں خاندان امامت سے خاص تعلق اور انسیت تھی اور وہ بارہا خاندان اہل بیت کی طرف سے علوم واسرار ولایت کی امانتوں کی محافظ رہی ہیں۔ [2]

۳۔ زینب بنت جحش: زینب، رسول خداؐ کی پھوپھی کی لڑکی تھیں اور اس سے قبل (پیغمبرؐ کے منھ بولے بیٹے) زید بن حارثہ کی زوجہ تھیں۔ [3] اور زید سے جدائی کے بعد پیغمبرؐ کے عقد میں آگئیں۔

زید پہلے حضرت خدیجہ کے غلام تھے انھوں نے حضرت محمدؐ کے ساتھ شادی کرنے کے بعد زید کو اپنے شوہر حضرت محمدؐ کے حوالے کر دیا۔ آنحضرتؐ نے بعثت سے قبل اس کو آزاد کر دیا اور پھر اپنا منھ بولا بیٹا قرار دیا۔ اس دن سے اس کو "زید بن محمدؐ" کہا جانے لگا۔ [4]

بعثت کے بعد خداوند عالم نے منھ بولے بیٹے کی رسم کو باطل اور بے اعتبار قرار دیا۔

"اللہ نے نہ تمہاری منھ بولی اولاد کو اولاد قرار نہیں دیا یہ سب تمہاری زبانی باتیں ہیں اور اللہ تو صرف حق کی بات کہتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے"۔

ان بچوں کو ان کے باپ کے نام سے پکارو کہ یہی خدا کی نظر میں انصاف سے قریب تر ہے اور اگر ان کے باپ کو نہیں جانتے ہو تو یہ دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور تمہارے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے جو تم سے غلطی ہو گئی ہے۔ البتہ تم اس بات کے ضرور ذمہ دار ہو جو تمہارے دلوں نے قصداً انجام دیا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ [5]

پیغمبر اسلامؐ نے ان آیات کے نزول کے بعد زید سے فرمایا: تم زید بن حارثہ ہو اور اس دن سے وہ پیغمبرؐ کا آزاد کردہ (مولیٰ رسول اللہ) کہا جانے لگا۔ [6]

رسول خداؐ نے اس سے زینب کی شادی کرنا چاہی۔ زینب جو کہ عبد المطلب کی نواسی اور جن کا تعلق قریش کے مشہور قبیلہ سے تھا پہلے راضی نہیں ہوئیں کیونکہ زید نہ صرف قریش سے تعلق نہیں رکھتے تھے بلکہ ایک آزاد شدہ غلام تھے لیکن چونکہ پیغمبر اسلامؐ نے اس کی شادی کے بارے میں زیادہ تاکید فرمائی لہٰذا زینب راضی ہو گئیں یہ شادی نسلی اور طبقاتی امتیازات کے خاتمہ کا ایک نمونہ تھی اور پیغمبرؐ کے اصرار کا راز بھی یہی تھا۔

طرفین میں بد سلوکی اور بد خلقی کی وجہ سے کچھ دن میں اس جوڑے کی مشترک زندگی کی بنیادیں ہلنے لگیں اور جدائی کے قریب پہنچ گئیں۔ چند مرتبہ زید نے چاہا کہ اس کو طلاق دیدیں لیکن پیغمبرؐ نے اس سے مصالحت کرنے کے لئے کہا اور فرمایا: اپنی زوجہ کو رکھو! [7]

---

1 مامقانی، تنقیح المقال، ج۳، (فصل النساء)، ص۷۲.

2 مامقانی گزشتہ حوالہ، شیخ محمد تقی التستری، قاموس الرجال (تہران: مرکز نشر الکتاب، ۱۳۷۹ھ)، ج۱۰، ص۳۹۶.

3 ابن سعد گزشتہ حوالہ، ج۸، ص۱۰۱؛ ابن اثیر، اسد الغابہ، ج۲، ص۲۲۶؛ ابن حجر، الاصابہ، ج۴، ص۵۶۴.

4 ابن سعد گزشتہ حوالہ، ابن اثیر گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۲۴؛ ابن حجر گزشتہ حوالہ، ص۵۶۳.

5 سورۂ احزاب، آیت ۴، ۵.

6 آلوسی، تفسیر روح المعانی، (بیروت: دار احیاء التراث العربی)، ج۲۱، ص۱۴۷.

7 ابن سعد گزشتہ حوالہ، ج۸، ص۱۰۳.

آخر کار زید نے اس کو طلاق دیدی' جدائی کے بعد پیغمبر اسلاؐم خدا کی طرف سے مامور ہوئے کہ زینب کے ساتھ شادی کریں تاکہ منھ بولے بیٹے کی مطلقہ کے ساتھ شادی کرنا مسلمانوں کے لئے دشوار نہ ہو اور غلط رسم و رواج جو کہ زمانۂ جاہلیت سے لوگوں کے درمیان رائج تھا۔ عملی طور سے اسے ختم کردیں۔ کیونکہ عرب منھ بولے بیٹے کو ہر لحاظ سے اپنا واقعی بیٹا سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس کی زوجہ کے ساتھ شادی کرنا جائز نہیں جانتے تھے قرآن مجید نے اس شادی کے مقصد اور سبب کو اس طرح سے بیان کیا ہے :

''اور اس وقت کو یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے بھی نعمت نازل کی اور تم نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی زوجہ کو روک کر رکھو' اور اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جسے خدا ظاہر کرنے والا تھا[1] اور تمھیں لوگوں کے طعنوں کا خوف تھا حالانکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اس کے بعد جب زید نے اپنی حاجت پوری کرلی تو ہم نے اس عورت کا عقد تم سے کردیا تاکہ مومنین کے لئے منھ بولے بیٹوں کی بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ لوگ اپنی ضرورت پوری کرچکیں اور اللہ کا حکم بہرحال نافذ ہو کر رہتا ہے''۔[2]

منافقوں نے پیغمبرؐ پر تہمت اور بدگوئی کے لئے اس شادی کو دلیل اور بہانہ بنایا کہ محمدؐ نے اپنے لڑکے کی زوجہ (بہو) کے ساتھ شادی کی ہے۔[3]

خداوند عالم ان کے جواب میں فرماتا ہے :

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سلسلہ انبیاء کے خاتم ہیں اور اللہ ہر شی کو خوب جاننے والا ہے''۔[4]

---

1 مفسروں کے عقیدہ کے مطابق جو کچھ پیغمبرؐ کے دل میں تھا وہ یہ تھا کہ خداوند عالم نے ان کو باخبر کردیا تھا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق دے گا اور وہ اس کے ساتھ شادی کریں گے تاکہ اس جاہلانہ رسم کو توڑیں لیکن پیغمبر اسلاؐم نے لوگوں کے ڈر سے اس کا اظہار نہیں کیا۔ یہ مطلب چوتھے امامؑ سے نقل ہوا ہے (آلوسی' گزشتہ حوالہ' ج۲۲' ص ۲۴؛ طبرسی' مجمع البیان' ج۸' ص ۳۶۰.)

2 سورۂ احزاب' آیت ۳۷.

3 ابن اثیر' گزشتہ حوالہ' ج۷' ص ۴۹۴؛ طبرسی' مجمع البیان' ج۸' ص ۳۳۸؛ قسطلانی' المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ' تحقیق: صالح احمد الشامی' (بیروت: المکتب السلامی ط۱' ۱۴۱۲ھ) ' ج۲' ص ۸۷.

4 سورۂ احزاب' آیت ۴۰.

بعض مسیحی مورخین نے اس شادی کو ایک عشقیہ داستان کی صورت میں پیش کیا ہے اور اس کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔[1]

لیکن ان کا یہ دعوا' پیغمبر اسلامؐ کی نبوت اور عصمت کی شان کے مطابق نہیں ہے اور اس کے علاوہ ہم نے دیکھا کہ مسئلہ کچھ اور تھا جو تاریخ کے دامن میں محفوظ ہے اور قرآن نے بھی اس کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کی ازواج میں سے ان چند کا تذکرہ آنحضرتؐ کے متعدد ازواج کے ہونے کے مقصد کو واضح کر دیتا ہے اور بقیہ کے حالات بھی تقریباً انھیں کے مثل ہیں لہٰذا ان کے تذکرہ کی ضرورت نہیں رہ جاتی ہے۔

قرآن کی جاذبیت

پیغمبر اسلامؐ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں بہت کم اپنی طرف سے کچھ کہتے تھے۔ ان کی دعوت کا بہترین وسیلہ قرآن کی آیات ہوا کرتی تھیں جو عربوں کی سماعتوں کو سحر انگیز کشش میں بدل دیتی تھیں۔

حضرت محمدؐ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے جو فصاحت و بلاغت' الفاظ و کلمات' جملوں کی ترکیب' انتخاب الفاظ اور آیات قرآن کی ایک خاص صدا کے لحاظ سے معجزہ ہے جس میں بے انتہا زیبائی' دلکشی اور جذابیت پائی جاتی ہے کہ جس کا مثل پیش کرنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید ''چیلنج'' کرتا ہے اور منکروں سے مطالبہ کرتا ہے کہ اگر تمھیں اس میں کوئی شک ہے تو اس کے ایک سورہ کا جواب لے آؤ۔[2]

حجاز کے عرب' شاعر اور شعر شناس تھے' قرآن کی آیات کی فصاحت و بلاغت اور زیبائی کو دیکھ کر وہ اس کے شیدائی اور اس میں مجذوب ہو جاتے تھے۔ وحی کے کلمات' ان کی سماعتوں میں دلکش نغموں اور دلنشین صداؤں سے زیادہ' لذت بخش محسوس ہوتے تھے اور کبھی تو شدت تاثیر سے قرآن کی آیات ان کے وجود کی تہوں تک اس قدر نفوذ کر جاتی تھیں کہ کافی دیر تک اپنی جگہ پر لذت و کشش میں غرق کھڑے رہتے تھے!۔

---

1 دائرۃ المعارف الاسلامیہ' عربی ترجمہ احمد الستناوی (اور اس کے معاونین)' ج۱۱' ص ۲۹' کلمۂ زینب؛ محمد حسین ھیکل' حیات محمدؐ' ص ۳۲۳۔ ۳۱۶۔ مغربی مورخین کے کہنے کے مطابق پیغمبر اسلامؐ ایک دن زید کے گھر گئے اور وہاں اچانک ان کی نظر زینب پر پڑی اور وہ اس کے حسن و خوبصورتی کے عاشق ہو گئے جب زید کو اس بات کی خبر لگی تو اس نے زینب کو طلاق دیدی! اور... جبکہ زینب پیغمبرؐ کے رشتہ داروں میں سے تھی اور حجاب اس زمانہ میں معمول نہیں تھا اور وہ پیغمبرؐ کے لئے کوئی نئی فرد نہیں تھیں۔ عام طور سے ایک خاندان کے لوگ ایک دوسرے سے آگاہ رہتے ہیں۔ ہمیں یہ یاد دہانی کرانی چاہئے کہ اس طرح کے کچھ واقعات جو مغربی مورخین کے سوء استفادہ کا باعث بنے ہیں وہ غیر معتبر اور بے بنیاد روایتوں سے ماخوذ ہیں جو بعض تاریخ اسلام (جیسے تاریخ طبری' ج۲' ص ۴۲' طبقات الکبریٰ' ج ۸' ص ۱۰۱)' میں نقل ہوئے ہیں اور دوسرے مؤلفین نے بھی بغیر توجہ کے ان سے نقل کیا ہے لیکن ہم نے دیکھا کہ قرآن نے بھی اس واقعہ کو وضاحت کے ساتھ دوسرے انداز میں بیان کیا ہے اور علمائے اسلام نے بھی ان روایات کو غیر قابل قبول قرار دیا ہے ان میں سے سید مرتضی علم الہدیٰ' شیعوں کے نامور عالم دین (م: ۴۳۶ھ)' نے اس روایت کو ''روایت خبیثہ'' کہا ہے۔ (تنزیہ الانبیاء' ص ۱۱۴) اور آلوسی بغدادی نے اس کو واقعہ نگاروں کی ناقابل قبول بات کہی اور شارح مواقف سے نقل ہوا ہے اس نے کہا ہے کہ پیغمبرؐ کو اس ناروا نسبت سے مبرا سمجھنا چاہئے (روح المعانی' ج۲۲' ص ۲۵۔ ۲۴)

2 سورۂ بقرہ' آیت ۲۳۔

ایک شب قریش کے کچھ سردار جیسے ابوسفیان اورابوجہل ایک دوسرے سے بے خبر حضرت محمدؐ کے گھر کے اطراف میں چھپ گئے اور صبح تک قرآن کی آیات کو سنتے رہے جو آپ نماز شب میں تلاوت فرماتے تھے اور صبح سویرے پلٹتے وقت جب ایک نے دوسرے کو دیکھا تو ایک دوسرے کی ملامت کرنے لگے اور کہا: پھر ایسی حرکت نہیں کریں گے کیونکہ اگر احمقوں نے ہمیں دیکھ لیا تو ہمارے بارے میں کچھ اور سوچیں گے (سوچیں گے کہ ہم مسلمان ہوگئے) لیکن اس کے باوجود یہ حرکت کئی دوسری راتوں میں پھر انجام دی اور ہر مرتبہ یہ طے کرتے تھے کہ دوبارہ اس طرح کی بے احتیاطیاں نہیں کریں گے۔[1]

جادو گری کا الزام

حج کا موسم پیغمبر اسلامؐ کی تبلیغ اور دعوت کے لئے مناسب موقع ہوا کرتا تھا کیونکہ عرب کے مختلف قبیلوں کے لوگ اعمال حج بجالانے کے لئے مکہ میں آیا کرتے تھے 'لہٰذا اس موقع پر حضرت محمدؐ کے لئے صدائے توحید کو جزیرۃ العرب کے تمام رہنے والوں تک پہنچانا آسان کام تھا۔ لہٰذا اس لحاظ سے حج کا موسم سرداران قریش کے لئے خطرناک بن گیا تھا اور وہ اس سے خوف زدہ رہتے تھے لہٰذا موسم حج کے شروع ہوتے ہی بزرگان قریش کا ایک گروہ' ولید بن مغیرہ (جو کہ ایک سن رسیدہ شخص اور قبیلہ بنی مخزوم کا سردار تھا) کے پاس جمع ہوا 'اس نے کہا کہ حج کا موسم آگیا ہے لوگ ہر طرف سے تمہارے شہر میں آرہے ہیں اور انھوں نے محمدؐ کے بارے میں سن رکھا ہے۔ لہٰذا تم سب اس کے بارے میں ایک ہی بات کہو' مختلف باتیں کہہ کر ایک دوسرے کو جھٹلاؤ نہیں۔

ان لوگوں نے کہا: جو کچھ تم کہو وہی ہم بھی کہیں گے۔

اس نے کہا: تم لوگ کہو' میں سنتا ہوں۔

ہم اسے کاہن کہیں گے۔

نہیں' خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہے ہم نے کاہنوں کو دیکھا ہے وہ نہ کاہنوں کی طرح پڑھتا ہے اور نہ مسجع کلام کرتا ہے۔

ہم اسے دیوانہ کہیں گے۔

نہیں وہ دیوانہ بھی نہیں ہے۔ ہم نے دیوانگی کو دیکھا ہے اور اس کے آثار کو بھی جانتے ہیں نہ اس کا جسم غیر ارادی طور پر لرزتا ہے اور نہ ہی دیو اس میں وسوسہ کرتا ہے۔

ہم اسے شاعر کہیں!

شاعر بھی نہیں ہے۔ ہم شعر کی قسموں کو پہچانتے ہیں جو وہ کہتا ہے وہ شعر نہیں ہے۔

ہم اسے ساحر اور جادوگر کہیں۔

---

1 ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج ا' ص ۳۳۷.

نہیں وہ ساحر بھی نہیں ہے۔ ہم نے ساحروں کے سحر کو دیکھا ہے کہ کس طرح وہ رسیوں کو پھونکتے اور ان کو گرہ لگاتے ہیں۔! اس کا کام سحر نہیں ہے۔

پھر ہم اسے کیا کہیں؟

خدا کی قسم اس کا کلام شیرین اور دلنشین ہے اور اس کا درخت شاداب اور اس کی ٹہنیاں پر ثمر ہیں اس طرح کی جتنی باتیں اس کے بارے میں کہو گے 'اس کا غلط ہونا واضح ہو جائے گا۔ لہٰذا تمام چیزوں سے بہتر ہے کہ ہم اسے جادو گر کہیں۔ کیونکہ وہ اپنے سحر آمیز کلمات کے ذریعہ باپ بیٹے' بھائی بھائی' عورت مرد اور ایک قبیلہ کے افراد میں جدائی ڈال دیتا ہے۔!

لہٰذا قریش کے سردار' اس ارادہ سے متفرق ہو گئے اور اس دن سے حاجیوں کے راستے میں بیٹھتے تھے اور ان کو ہوشیار کرتے تھے کہ رسول خداؐ سے ملاقات نہ کریں۔[1]

قریش کی اعلیٰ کمیٹی نے رسولؐ کے جس کلام کو "جادو" کہا وہ قرآن مجید کی دلنشین آیات تھیں کہ جس کو سننے کے بعد ہر شخص متاثر ہو جاتا تھا اور اس کو قرآن کا گرویدہ اور عاشق بنا دیتا تھا۔ قرآن کی آیات سننے پر پابندی اس حد تک لگائی کہ قریش کے سردار' بڑی شخصیتوں سے جیسے اسعد بن زرارہ جو کہ مدینہ سے مکہ آیا ہوا تھا اس سے جا کر کہا کہ طواف کے وقت اپنے کان میں روئی لگالیں تاکہ محمدؐ کے سحر کے خطرہ سے محفوظ رہیں!![2]

طائف کا تبلیغی سفر

طائف مکہ سے ۱۲ فرسخ (تقریباً ۷۲ کلو میٹر) کے فاصلہ پر واقع ہے یہ علاقہ اور یہاں کی آب و ہوا بہترین اور موسم خوش گوار ہے۔ اس زمانہ میں طائف کے باغوں کے انگور مشہور تھے۔[3]

قریش کے بعض ثروتمندوں کے باغ اور زمینیں وہاں تھیں۔ خود طائف کے لوگ بھی دولت مند تھے اور رباخوری میں مشہور تھے اور طائف میں اس وقت ایک قدرت مند قبیلہ "ثقیف" رہا کرتا تھا۔

جناب خدیجہ اور جناب ابوطالب کی رحلت کے بعد قریش کی جانب سے حضرت محمدؐ پر دباؤ اور اذیتیں بڑھ گئیں اور مکہ میں تبلیغی کام دشوار ہو گیا اور دوسری طرف سے یہ بھی ضروری تھا کہ لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کا کام نہ رکے' لہٰذا پیغمبرؐ نے ارادہ کیا کہ طائف جائیں

---

1 ابن ہشام گزشتہ حوالہ' ص ۲۸۹۔ ۲۸۸۔

2 طبرسی' اعلام الوریٰ' ص ۵۶۔

3 یاقوت حموی' معجم البلدان' ج ۴' ص ۹۔

اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں، شاید وہاں پر ان کا کوئی ناصر و مددگار پیدا ہو جائے اس سفر میں زید ابن حارثہ[1] اور حضرت علیؑ[2] آپ کے ساتھ تھے۔

آنحضرتؐ نے طائف میں قبیلۂ ثقیف کے تین افراد سے، جن میں ایک کی زوجہ، قبیلۂ قریش "خاندان بنی جمح"[3] سے تھی ملاقات کی اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی اور ان سے مدد چاہی۔ لیکن انھوں نے آپ کی بات قبول نہیں کی اور آپ کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے۔ پیغمبرؐ نے ان سے درخواست کی کہ وہ اس بات کو چھپالیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ چیز مکہ تک پہنچ جائے اور قریش کی دشمنیاں اور گستاخیاں ہم سے زیادہ نہ بڑھ جائیں۔ لیکن ان لوگوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔

رسول خداؐ دوسرے بزرگان طائف کے پاس بھی گئے لیکن ان لوگوں نے بھی آپ کی بات قبول نہیں کی اور اپنے جوانوں کے بارے میں ڈرے کہ کہیں وہ نئے دین کے گرویدہ نہ ہو جائیں۔[4]

طائف کے بزرگوں نے، اوباشوں کمینوں پست لوگوں اور غلاموں کو ورغلایا اور ان لوگوں نے آنحضرتؐ کا ہلّڑ، ہنگامہ اور گالم گلوج کرتے ہوئے پیچھا کیا اور آنحضرتؐ پر پتھر برسائے جس سے پیغمبرؐ کے دونوں پیر اور زید کا سر زخمی ہو گیا۔

پیغمبرؐ ایک انگور کے باغ میں جو عتبہ اور شیبہ (قریش کے سرمایہ دار) کا تھا وہاں چلے گئے اور ایک انگور کے درخت کے سایہ میں پناہ لی اور وہاں بیٹھ کر خدا سے مناجات کی۔

عتبہ اور شیبہ جو انگور کے باغ کے اندر سے آنحضرتؐ کے تعاقب اور اذیت کا منظر دیکھ رہے تھے ان کو آنحضرتؐ کی حالت زار پر ترس آیا۔ لہٰذا کچھ انگور اپنے مسیحی غلام "عدّاس" (جو کہ نینوا کا رہنے والا تھا) کے ذریعہ آنحضرتؐ کے پاس بھیجا۔

پیغمبرؐ نے اس کو نوش فرماتے وقت "بسم اللہ" کہی یہ دیکھ کر "عداس" کے اندر تحقیق و جستجو کا جذبہ بھڑک اٹھا۔ اور پھر اس نے آنحضرتؐ سے مختصر گفتگو کے بعد کہ جس میں آپ نے اپنی رسالت کا تذکرہ کیا۔ آپ کے قدموں پر گر پڑا اور آپ کے ہاتھ پیر اور سر کا بوسہ لینے لگا[5] اور مسلمان ہو گیا۔[6]

---

1 طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج۲، ص ۲۳۰؛ بلاذری، انساب الاشراف۔ تحقیق: محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف)، ج۱، ص ۲۳۷.

2 ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، (قاہرہ: دار احیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۱ء)، ج۱۴، ص۹۷ و ج۴، ص ۱۲۸۔ ۱۲۷؛ مدائنی کی نقل کے مطابق۔

3 طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۰؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۲، ص۶۰.

4 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۱۲.

5 طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۳۰؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۶۲.

6 ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۳۰.

پیغمبر اسلاؐم دس دن طائف میں[1] رہنے کے بعد ثقیف کی عدم حمایت اور ان کے اسلام نہ قبول کرنے پر مایوس ہو کر دو بارہ مکہ واپس آگئے۔

کیا پیغمبرؐ نے کسی سے پناہ مانگی؟

کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے مکہ میں دو بارہ پلٹنے کے بعد مطعم بن عدی سے پناہ مانگی اور اس کی پناہ میں مکہ میں داخل ہوئے لیکن اس سلسلے میں جو قرائن اور شواہد ملتے ہیں ان کو دیکھنے کے بعد یہ بات بالکل بعید نظر آتی ہے. ان میں سے کچھ شواہد یہ ہیں :

۱۔ یہ بات کس طرح سے قبول کی جاسکتی ہے کہ پیغمبر اسلاؐم نے دس سال تبلیغ و دعوت اور بت پرستوں سے مقابلہ کرنے کے بعد' پناہندگی کی ذلت وخواری کو قبول کیا ہو؟ جبکہ اپنی ساری عمر میں کسی کے احسان مند نہیں ہوئے۔

۲۔ اگرچہ جناب ابوطالب' اس وقت دنیا سے رحلت فرماگئے تھے لیکن بقیہ بنی ہاشم وہاں موجود تھے اور ان کے درمیان بہادر افراد جیسے جناب حمزہ موجود تھے جن سے قریش کو ڈر تھا کہ کہیں وہ انتقام نہ لیں جیسا کہ شب ہجرت کے واقعہ میں بھی سرداران قریش نے پیغمبرؐ کے قتل کی سازش میں بنی ہاشم کے خون خواہی اور انتقام کے خوف سے چند قبیلوں کو اپنے ساتھ کر لیا تھا۔

۳۔ بعض تاریخی کتابوں میں نقل ہوا ہے کہ زید آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے اور بعض مورخین کی نقل کے مطابق حضرت علیؑ بھی آپ کے ہمراہ تھے (اصولی طور پر یہ بعید ہے کہ حضرت علیؑ ایسے سفر میں پیغمبرؐ کے ہمراہ نہ رہے ہوں) لہٰذا تین افراد کا ایک گروہ موجود تھا جو اپنا دفاع کر سکتا تھا۔ لہٰذا پناہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

۴۔ پیغمبر اسلاؐم عرب کے بہادروں میں سے تھے لہٰذا ان کو ایک کمزور اور ضعیف انسان نہیں سمجھنا چاہئے کہ جو بھی چاہے انھیں ضرر پہنچا دے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے میدان جنگ میں ان کی شجاعت کی تعریف اس طرح کی ہے :

''جس وقت جنگ کی آگ شدید شعلہ ور ہوتی تھی تو ہم رسول خداؐ کے پاس پناہ مانگتے تھے اور اس وقت ہم میں سے کوئی بھی ان سے زیادہ دشمن سے نزدیک نہیں ہوتا تھا''۔[2]

۵۔ پیغمبر اسلاؐم نے قبیلہ جاتی نظام سے جو کہ بہت ساری مشکلات اور پریشانیوں کی جڑ تھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ آنحضرتؐ 'پناہندگی کی رسم جو کہ قبیلہ جاتی نظام کا ایک حصہ تھی اس کا سہارا لیتے اور اس کی تائید فرماتے۔

---

1 ابن سعد 'گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۲۱۲؛ ابن ابی الحدید' گزشتہ حوالہ' ج۱۴' ص۹۱؛ مجلسی' بحار الانوار' ج۱۹' ص ۲۲؛ طائف میں پیغمبرؐ کے قیام کی مدت اس سے بھی زیادہ لکھی گئی ہے۔

2 کنا اذا احمر البأس اتقینا برسول اللّٰہؐ فلم یکن احد منا اقرب الی العدو منه (نہج البلاغہ' تحقیق: صبحی صالح' ص۵۳۰؛ غریب کلامہ' نمبر۹۰).

٦۔ بلاذری[1] اور ابن سعد[2] کی خبر میں بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ کا طائف کی طرف سفر شوال کے آخری دنوں میں ہوا تھا اگر اس خبر کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر اسلامؐ کا طائف میں قیام اور پھر مکہ واپسی، حرام مہینے میں ہوئی تھی اور حرام مہینوں میں عام طور سے لڑائی جھگڑا اور خون ریزی بند ہو جاتی تھی اسی بنا پر آنحضرؐت کو کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا تا کہ پناھندگی کا مسئلہ پیدا ہوتا۔

ان قرائن کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آنحضرتؐ طائف سے واپس ہونے کے بعد (کہتے ہیں کہ ایک شب آپ نے "نخلہ"[3] میں قیام کیا اور وہاں جنّات کے ایک گروہ نے، قرآن کی آیات کو سنا)[4]، وادی نخلہ کے راستے سے مکہ آگئے۔[5]

عرب قبائل کو اسلام کی دعوت

پیغمبر اسلاؐم نے مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے قبائل عرب کو اسلام کی طرف دعوت دی جیسا کہ آپ کِندَہ، کَلب، بَنی حنیفہ اور بنی عامر بن صعصعہ ، قبیلے کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ابولہب بھی آپ کے پیچھے گیا اور لوگوں کو آپ کی پیروی کرنے سے منع کیا۔[6]

جس وقت پیغمبر اسلاؐم نے بنی عامر سے گفتگو کی، ان کے بزرگوں میں سے ایک شخص جس کا نام بجیرہ بن فراس تھا، اس نے کہا: "اگر ہم آپ کی بیعت کریں اور دعوت کو قبول کریں اور خدا آپ کو آپ کے دشمنوں پر کامیاب کرے تو کیا آپ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کا جانشین ہم میں سے ہوگا؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا: "یہ کام خدا سے مربوط ہے وہ اس امر کو جہاں چاہے گا وہاں قرار دے گا"[7]

اس نے تعجب اور انکار کے عالم میں جواب دیا: ہم آپ کی راہ میں قبائل عرب سے مقابلہ کریں اور آپ سینہ سپر بنیں اور جب خدا آپ کو کامیاب کردے تو مسئلہ دوسرے کے ہاتھ میں چلا جائے؟ ہم کو آپ کے دین کی ضرورت نہیں ہے۔[8]

---

1 انساب الاشراف، ج۱، ص ۲۳۷.

2 طبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۱۰.

3 طائف اور مکہ کے درمیان ایک محلّہ ہے جس کی دوری ایک رات میں طے ہوتی ہے۔ (السیرۃالنبویہ، ج۲، ص ٦۳)

4 طبری، گزشتہ حوالہ، ص۱۲۳۱؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ٦۳.

5 مراجعہ کریں: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۲، ص ۱٦۸۔ ۱٦۷.

6 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ٦٦۔ ٦۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج۲، ص ۲۳۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۱، ص ۲۳۸۔ ۲۳۷؛ ابن اسحاق، السیر والمغازی، تحقیق: سہیل زکار، ص ۲۳۲؛ نیز قبائل: بنی فزارہ، غسان، بنی مرہ، بنی سلیم، بنی عبس، بنی حارث، بنی عذرہ، حضارمہ، بنی نضر اور بنی بکاء میں سے ہر ایک کو دعوت دی لیکن کسی نے قبول نہیں کیا۔ (ابن سعد، طبقات الکبریٰ)، (بیروت: دار صادر، ج۱، ص ۲۱۷۔ ۲۱٦)

7 الأمر للہ [الی اللہ] یضعہ حیث یشاء۔

8 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ٦٦؛ حلبی، السیرۃالحلبیہ، (بیروت: دار المعرفہ)، ج۲، ص ۱۵۴؛ زینی دحلان، السیرۃالنبویہ والآثار المحمدیہ، (بیروت: دار المعرفہ، ط ۲)، ج۱، ص ۱۴۷؛ سید جعفر مرتضی العاملی، الصحیح من سیرۃ النبی، ج ۲، ص ۱۷٦۔ ۱۷۵

منقول ہے کہ ایسی پیش کش قبیلۂ کندہ کی طرف سے بھی ہوئی اور پیغمبرؐ کا جواب بھی وہی تھا۔[1]

پیغمبرؐ کا یہ جواب اور رد عمل دو اعتبار سے قابل توجہ ہے :

اول : یہ کہ پیغمبر اسلامؐ کا تاکید فرمانا کہ ان کی جانشینی کا مسئلہ خدا سے مربوط ہے' خود آنحضرتؐ کی جانشینی کے انتصابی ہونے پر گواہ ہے یعنی یہ منصب ایک الٰہی منصب ہے اور اس سلسلے میں انتخاب' خدا کی طرف سے انجام پاتا ہے نہ لوگوں کی طرف سے۔

دوسرا : سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے انسانی حکمرانوں کے برخلاف جو کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے ہر طرح کی چال چلتے تھے اور اس کی توجیہ و تاویل کرتے تھے' امر تبلیغ میں غیر اخلاقی روش اختیار نہیں کی۔ جبکہ اس زمانہ میں ایک بہت بڑے قبیلہ کا مسلمان ہو جانا بہت اہمیت رکھتا تھا لیکن (اس کے باوجود بھی آپ تیار نہیں ہوئے کہ لوگوں سے ایسے وعدے کریں جس کا پورا کرنا آپ کے بس سے باہر ہو)۔

بہر حال حج و عمرہ کے موسم میں' اور حرام مہینوں کے احترام میں' امنیت پیدا ہوئی اور بہت سے گروہ مختلف علاقوں سے مکہ اور منی یا مکہ کے اطراف میں لگنے والی بازاروں جیسے موسمی بازار عکاظ' مجنّہ اور ذی المجاز میں جاتے تھے[2] اور پیغمبرؐ وہاں پر اپنے تبلیغی مشن کو جاری رکھتے اور اس کو اور توسیع دیتے تھے۔

آپ بزرگان قبائل کے پاس جاتے تھے اور ان کو تبلیغ کرتے اور اگر مکہ کے مسافر اور زائر خود مسلمان نہیں ہوتے تھے تو کم از کم آپ کے بعثت کی خبر اپنے علاقہ میں پھیلاتے تھے اور یہ کام آپ کی کامیابی کی راہ میں ایک قدم تھا۔

---

1 ابن کثیر' البدایہ والنہایہ' (بیروت : مکتبہ المعارف' ط۱' ۱۹۶۶.)' ج ۳' ص ۱۴۰

2 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ج ۱' ص ۲۱۶.

چوتھا حصہ

- ہجرت سے عالمی تبلیغ تک
- پہلی فصل: مدینہ کی طرف ہجرت
- دوسری فصل: مدینہ میں پیغمبر اسلاؐم کے بنیادی اقدامات
- تیسری فصل: یہودیوں کی سازشیں
- چوتھی فصل: اسلامی فوج کی تشکیل

پہلی فصل

مدینہ کی طرف ہجرت

مدینہ میں اسلام کے نفوذ کا ماحول

وادی القریٰ ایک بڑا درّہ ہے جہاں سے ' یمن کے تاجروں کا شام جانے کا راستہ مکہ کے اطراف سے ہوتا ہوا گزرتا ہے اس درّے کی لمبائی شمال سے جنوب تک ہے اور اس میں چند ایسی زمینیں بھی تھیں جو آب و گیاہ سے مالا مال اور کھیتی باڑی کے لائق تھیں ۔[1] اور وہاں سے قافلے گزرتے وقت اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ مکہ کے شمال میں ۵۰۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر انھیں زمینوں میں سے ایک زمین میں قدیمی شہر "مدینہ" پڑتا تھا جو ہجرت رسول خدؐا کے بعد "مدینۃ الرسول" اور پھر "مدینہ" کہا جانے لگا۔

اس شہر کے لوگوں کا پیشہ اہل مکہ کے برخلاف کھیتی باڑی اور باغبانی تھا۔ مدینہ کے اجتماعی حالات اور آبادی کا تناسب بھی مکہ سے بالکل الگ تھا۔ اس شہر میں یہودیوں کے تین بڑے قبیلے "بنی نضیر" "بنی قینقاع" اور "بنی قریظہ" رہتے تھے۔ دو مشہور قبیلہ "اوس اور خزرج" بھی جن کی اصالت یمنی (قحطانی) تھی مأرب بند ٹوٹنے کے بعد[2] جنوب سے ہجرت کر کے اس شہر میں یہودیوں کے بغل میں آکر رہنے لگے تھے۔

جس زمانے میں پیغمبر اسلاؐم مکہ میں تبلیغ الٰہی میں سرگرم تھے مدینہ میں ایسے واقعات رونما ہو رہے تھے جن سے ہجرت پیغمبرؐ کا ماحول ہموار ہو رہا تھا اور پھر یہ شہر اسلام کے پیغام اور تبلیغی مرکز میں تبدیل ہو گیا ان واقعات میں سے چند یہ ہیں۔

ا۔ یہودیوں کے پاس شہر کے اطراف میں زرخیز زمینیں تھیں اور ان میں انھوں نے کھجور کے باغات لگا رکھے تھے جن سے ان کی مالی حالت اچھی ہو گئی تھی[3] کبھی کبھار ان کے اور اوس و خزرج کے درمیان نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ یہودی ان سے کہتے تھے کہ عنقریب ایک پیغمبرؐ آنے والا ہے ہم اس کی پیروی کریں گے اور اس کی مدد سے تم کو قوم عاد وارم کی طرح نابود کر دیں گے۔[4]

---

1 یاقوت حموی، معجم البلدان، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۳۹۹ھ) ج ۴، ص ۳۳۸.

2 وہی مصنف، ج ۵، ص ۳۶، مأرب بند ٹوٹنے کا تذکرہ ہم اس کتاب کے پہلے حصہ میں کر چکے ہیں.

3 مونٹگری واٹ، محمدؐ فی المدینہ، تعریف: شعبان برکات (بیروت: منشورات المکتبۃ العصریہ)، ص ۲۹۴ پر کہتے ہیں کہ اوس و خزرج کے مدینہ آنے سے قبل، قبائل عرب ۱۳ قلعوں اور کالونیوں کے مقابلے میں یہودیوں کے پاس ۵۹ قلعہ تھے (گزشتہ حوالہ، ۲۹۳؛ وفاء الوفاء، ج ۱، ص ۱۶۵.) اس سے دونوں کی زندگی کے معیار اور فاصلہ کا پتہ چلتا ہے۔

4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۷۰؛ طبری، ج ۲، ص ۲۳۴؛ بیہقی، دلائل، ترجمہ محمود مہدوی دامغانی (تہران، مرکز انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۶۱) ج ۲، ص ۱۲۸۔ مراجعہ کریں: ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۵۱؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۵۶،

جو یہودی بعثت پیغمبر اسلاؐم کے بارے میں اس طرح پیشین گوئی کرتے تھے ٬وہی بعثت پیغمبرؐ کے بعد ان سے دشمنی کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اس وجہ سے قرآن ان سے اس طرح سے معترض ہوا"اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب آئی ہے جو ان کی توریت وغیرہ کی تصدیق بھی کرنے والی ہے اور اس کے پہلے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں اسی کے ذریعہ طلب فتح بھی کرتے تھے لیکن اس کے آتے ہی منکر ہوگئے حالانکہ اسے پہچانتے بھی تھے تو اب ان کافروں پر خدا کی لعنت ہو۔

چونکہ یہودیوں کے کلچر کا معیار بلند تھا اور بت پرست انھیں احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ لہٰذا اس سلسلے میں ان کی باتوں کو باور کرتے تھے اور چونکہ یہ دھمکیاں کئی بار دی گئیں تھیں لہٰذا مسئلہ مکمل طور سے اوس و خزرج کے ذہن میں جاگزیں ہوگیا تھا اور ذہنی طور پر مدینہ والے ظہور پیغمبر اسلاؐم کے لئے آمادہ ہوگئے تھے۔

۲۔برسوں پہلے سے اوس و خزرج کے درمیان کئی مرتبہ جنگ و خونریزی ہوچکی تھی ان میں سے آخری جنگ "بعاث" تھی جس کے نتیجہ میں بے انتہا جانی نقصانات اور بربادیاں دونوں طرف ہوئی تھیں اور دونوں گروہ نادم و پشیمان ہوکر صلح کرنا چاہتے تھے لیکن کوئی معتبر اور بے طرف شخص نہیں مل رہا تھا جو ان کے درمیان صلح کرا سکے۔ عبد اللہ بن ابی جو خزرج کے بزرگوں میں سے تھا جنگ بعاث میں بے طرف ہوگیا اور چاہتا تھا کہ دونوں گروہ میں صلح کرا کے ان پر حکومت کرے اور اس کی تاج پوشی کے اسباب بھی مہیا ہوچکے تھے۔[1] لیکن مکہ میں پیغمبر اسلاؐم سے اوس و خزرج کی ملاقاتوں نے (جن کا عنقریب ذکر کریں گے) واقعات کا رخ یکسر بدل دیا۔ اور عبد اللہ بن ابی اپنا مقام کھو بیٹھا۔

مدینہ کے مسلمانوں کا پہلا گروہ

مکہ میں پیغمبر اسلاؐم کے ظاہری پیغام کے ابتدائی سالوں میں مدینہ کے لوگ مکہ کے مسافروں اور زائروں کے ذریعہ آنحضرتؐ کی بعثت سے آگاہ ہوگئے تھے اور ان میں سے کچھ آنحضرتؐ کی زیارت سے مشرف ہوکر مسلمان ہوگئے لیکن کچھ ہی دنوں بعد وہ رحلت کرگئے یا قتل کر دیئے گئے تھے۔[2] بہر حال وہ٬ لوگوں کو اسلام کی طرف نہیں بلا سکے تھے۔

بعثت کے گیارہویں سال پیغمبرؐ نے بزرگان خزرج میں سے چھ لوگوں کو حج کے موسم میں منیٰ میں دیکھا اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: جان لو! یہ وہی پیغمبرؐ ہے جس کی بعثت سے یہودی ہمیں ڈراتے ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے پہلے اس کے دین کو قبول کرلیں۔ لہٰذا وہ سب اسلام لے آئے اور پیغمبرؐ سے کہا:

ہم اپنی قوم کو دشمنی اور ٹکراؤ کی بدترین حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ خداوند متعال آپ کے ذریعہ ان میں الفت ڈال دے گا۔ اب ہم مدینہ واپس جارہے ہیں اور ان کو اس دین کی طرف بلائیں گے۔ اگر ان لوگوں نے بھی اس دین کو قبول کرلیا تو کوئی بھی ہماری نظروں میں آپ سے زیادہ عزیز و محترم نہ ہوگا۔

اس گروہ نے مدینہ واپس جانے کے بعد لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

---

1 طبرسی ٬گزشتہ حوالہ ٬ص ۵۸۰.

2 ابن ہشام ٬گزشتہ حوالہ ٬ج ۲٬ص ۷۰۔ ۶۷؛ طبری ٬گزشتہ حوالہ ٬ج ۲٬ص ۲۳۳؛ بلاذری٬ انساب الاشراف ٬ج ۱٬ص ۲۳۸؛ بیہقی ٬گزشتہ حوالہ ٬ج ۲٬ص ۱۱۸.

ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ نغمۂ اسلام پورے یثرب میں پھیل گیا اور کوئی گھر ایسا نہیں بچا جہاں پیغمبر اسلاؐم کی باتیں نہ ہوتی ہوں۔[1]

عقبہ کا پہلا معاہدہ

بعثت کے بارہویں سال مدینہ کے بارہ لوگوں نے حج کے موسم میں ''عقبۂ منیٰ''[2] کے کنارے رسول خداؐ کی بیعت کی۔ اس گروہ میں دس خزرجی اور دو اوسی تھے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں قبیلے گزشتہ کدورتوں کو بھول کر ایک دوسرے کے دوش بدوش اسلام کے پرچم تلے جمع ہوگئے تھے۔

گزشتہ سال، بیعت کرنے والے ۵ افراد تھے جن میں ۷ افراد کا اور اضافہ ہوا اور بیعت کی تھی کہ کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے، چوری اور زنا نہیں کریں گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کریں گے، ایک دوسرے پر تہمت (زنا کا الزام) نہیں لگائیں گے نیک کاموں میں پیغمبرؐ کے حکم کی مخالفت نہیں کریں گے۔[3]

پیغمبر اسلاؐم نے اس عہد کی پابندی کرنے والوں سے، اس کے عوض میں بہشت کا وعدہ کیا۔[4]

وہ موسم حج کے بعد مدینہ آگئے اور پیغمبرؐ سے تقاضا کیا کہ ایک شخص کو ان کے شہر میں بھیجیں تاکہ وہ مدینہ کے لوگوں کو اسلام اور قرآن کی تعلیم دے۔ رسول خدا نے مصعب بن عمیر کو بھیجا۔[5]

مصعب کی تبلیغ اور کوششوں سے مسلمانوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ مکہ کے اہم اور خاص لوگ اسلام کی مخالفت کے لئے کمربستہ ہوگئے تھے مگر جوانوں اور مستضعفوں نے آپ کا استقبال کیا۔ لیکن مدینہ میں تقریباً اس کے بالکل برعکس ماحول تھا یعنی اہم اور خاص لوگ پیش قدم اور آگے تھے اور عوام ان کے پیچھے چل رہی تھی یہ ایک ایسا سبب تھا جس کی وجہ سے اسلام تیزی کے ساتھ اس شہر میں پھیلا۔

---

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۷۳۔۷۰؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۵۔۲۳۴؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۱۲۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۱۹، ص ۲۵.

2 '' عقبہ''

3 چونکہ اس عہد میں جنگ و جہاد کی بات نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کو ''بیعۃ النساء'' کہا گیا جیسا کہ پیغمبر اسلاؐم نے اس کے بعد فتح مکہ میں اس شہر کی مسلمان عورتوں سے اسی طرح کا عہد و پیمان کیا جس کا ذکر سورۂ ممتحنہ کی آیت ۱۲ میں ہوا ہے

4 وہی حوالہ؛ ابن طبقات الکبریٰ ج ۱، ص ۲۲۰

5 مصعب، قریش کے ایک جوان اور قبیلہ بنی عبد دار کے ایک ثروتمند اور مالدار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے والدین ان سے بہت محبت کرتے تھے لیکن مسلمان ہو جانے کی وجہ سے انھیں گھر سے نکال دیا اور مال و ثروت سے محروم کر دیا، وہ ایک حقیقی اور انقلابی مسلمان تھے اور دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے (ابن اثیر، اسد الغابہ، ج ۴، ص ۳۶۸۔۳۷۰)

عقبہ کا دوسرا معاہدہ

بعثت کے تیرہویں سال حج کے موسم میں ۷۵ افراد جن میں سے گیارہ افراد اوسی (اور بقیہ خزرجی) اور دو خاتون تھیں قافلۂ حج کے ساتھ مدینہ سے مکہ آئے اور ۱۲ ذی الحجہ کو "عقبۂ منیٰ" کے کنارے دوسرا عہد شب کی تاریکی میں (مخفی صورت میں) پیغمبرؐ کے ساتھ کیا۔ اس عہد میں انھوں عہد کیا کہ اگر پیغمبرؐ نے ان کے شہر کی طرف ہجرت کی تو وہ اسی طرح ان کی حمایت کریں گے جیسے وہ اپنی ناموس اور اولاد کی حمایت کرتے ہیں اور جن لوگوں سے پیغمبرؐ جنگ کریں گے ان سے وہ لڑیں گے۔ اس اعتبار سے اس بیعت کو "بیت الحرب" بھی کہا گیا ہے۔

عہد کے بعد پیغمبرؐ کے حکم سے بارہ افراد نمائندے کے طور پر (نقیب) انتخاب ہوئے (مرکزی کمیٹی) تاکہ مدینہ پلٹنے کے بعد ہجرت رسول خداؐ کے زمانے تک ان کے امور کی سرپرستی کر سکیں۔[1]

اور یہ پیغمبر اسلاؐم کی کارکردگی کا ایک طریقہ تھا اور موجودہ افراد کو منظّم کرنے میں آپ کی سعی و کوشش تھی۔

عہد نامہ کے تمام ممبران کے نام تاریخ اسلام کی مفصل کتابوں میں تحریر ہیں۔

مدینہ کی طرف ہجرت کا آغاز

تمام مخفیانہ امور کے باوجود جو کہ پیغمبرؐ اور مدینہ والوں کے درمیان انجام پائے تھے، قریش اس بیعت سے آگاہ ہو کر بیعت کرنے والوں کی گرفتاری میں لگ گئے۔ مگر انھوں نے اتنی تیزی سے کام کیا کہ فوراً مکہ کو ترک کر دیا اور صرف ایک شخص کے علاوہ کوئی گرفتار نہ ہوا۔

اہل مدینہ کے کوچ کر جانے کے بعد قریش سمجھ گئے کہ پیغمبر اسلاؐم نے لوگوں کو اپنا حامی اور مدینہ میں اپنا ایک مرکز بنالیا ہے لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ اور زیادہ سختی کرنا شروع کر دی۔ اور حد سے زیادہ انھیں برا بھلا کہنے لگے اور اس قدر انھیں تکلیفیں پہنچائیں کہ ایک بار پھر (حبشہ کی ہجرت سے پہلے کی طرح) مکہ میں زندگی گزارنا دشوار ہو گیا۔[2]

اس بنا پر پیغمبر اسلاؐم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دیدی اور فرمایا: مدینہ کی طرف کوچ کرو خداوند متعال نے انھیں تمہارا بھائی اور جائے امن قرار دیا ہے۔[3]

مسلمانوں نے ڈھائی مہینے کے اندر (نصف ذی الحجہ سے آخری صفر تک) آہستہ آہستہ ان تمام مشکلات اور پریشانیوں کے باوجود جو قریش نے سر راہ کھڑی کر رکھی تھیں، مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ میں پیغمبرؐ، علیؑ، ابو بکر اور چند افراد کے علاوہ کوئی مسلمان باقی نہ بچا۔

---

1 بیہقی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۴۰۔ ۱۳۲؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ۹۰۔ ۸۱؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۵۴۔ ۲۴۰؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۲۳۔ ۲۲۱؛ گزشتہ حوالہ، ص ۲۲۳؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۶۰۔ ۵۹؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۱۹، ص ۲۶۔ ۲۵.

2 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۲۵۷؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۲۴۱۔ ۲۴۰؛ ابن سعد گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۲۲۶؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۶.

3 ان اللہ عزوجل قد جعل لکم اخواناًو داراًتأمنون بہا (ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۱۱۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۱۸۲؛ ابن کثیر، البدایہ و النہایہ، ج ۳، ص ۱۶۹. حلبی، السیرۃ الحلبیہ، (انسان العیون) بیروت: دار المعرفہ) ج ۲، ص ۱۸۹.

انصار کی تاریخ میں جو افراد مکہ سے مدینہ گئے "مہاجرین" اور مدینہ کے مسلمان جنھوں نے پیغمبرؐ کی مدد کی "انصار" کہلائے۔

پیغمبرؐ کے قتل کی سازش

مکہ کے مسلمانوں نے ہجرت کے بعد مدینہ میں قیام کیا' ادھر قریش کے سردار سمجھ گئے کہ مدینہ رسول خداؐ اوران کے چاہنے والوں کے لئے ایک مرکز اور پناہ گاہ بن چکا ہے اور وہاں کے لوگ رسولؐ کے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں اس وجہ سے وہ پیغمبرؐ کی ہجرت سے ڈرے کیونکہ اس چیز نے قریش کو چند خطرات سے روبرو کردیا تھا۔

۱۔ مسلمان ان کی دسترس سے باہر ہو چکے تھے نئی صورت حال کے پیش نظر' حالات کے بارے میں پیش بنی اور حوادث کی راہ میں تاثیر گزاری قریش کے ہاتھ سے نکل چکی تھی۔

۲۔ چونکہ اہل مدینہ پیغمبرؐ سے جنگ میں حمایت کا عہد کر چکے تھے لہٰذا اس بات کا امکان تھا کہ آنحضرتؐ انتقام کی خاطر ان کی مدد سے کہیں مکہ پر حملہ نہ کردیں۔[1]

۳۔ اگر فرض کرلیا جائے کہ جنگ نہیں ہوئی پھر بھی ان کے لئے ایک بڑا خطرہ لاحق تھا۔

کیونکہ مدینہ' قریش کے تاجروں کے لئے مناسب بازار تھا اور اس شہر سے ہاتھ دھو بیٹھنے کے بعد' بہت بڑا اقتصادی نقصان ان کو ہونے والا تھا۔

۴۔ مدینہ' مکہ سے شام کے تجارتی راستہ کے کنارے پر پڑتا تھا اور مسلمان اس راستے کو ناامن بنا کر کاروبار تجارت میں خلل ڈال سکتے تھے۔

یہ فکریں اور الجھنیں باعث بنیں کہ سرداران قریش "دارالندوہ" (قریش کے سازشوں کا اڈہ اور قصی کی نشانی) میں اکٹھا ہوئے اور چارہ جوئی میں لگ گئے۔

کچھ نے مشورہ دیا کہ حضرت محمدؐ کو شہر بدر یا قید کرلیا جائے لیکن یہ دو مشورے بعض دلیلوں کی بنیاد پر رد ہو گئے۔ آخر کار یہ طے پایا کہ محمدؐ کو قتل کردیا جائے لیکن ان کو قتل کرنا آسان کام نہیں تھا کیونکہ اس کے بعد بنی ہاشم سکون سے نہ بیٹھتے اور خون خواہی کے لئے کھڑے ہو جاتے اس بنا پر طے کیا کہ ہر قبیلہ سے ایک جوان تیار ہو' تاکہ راتوں رات سب ملکر محمدؐ پر حملہ کردیں اور ان کو بستر خواب پر ہی قتل کردیں۔

ایسی صورت میں قاتل ایک شخص نہیں ہوگا اور بنی ہاشم بھی خون خواہی کے لئے کھڑے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے لئے ان تمام قبیلوں سے جو اس قتل میں شریک تھے' جنگ کرنی ناممکن ہوگی' لہٰذا وہ مجبور ہو کر خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے اور ماجرا اسی پر تمام ہو جائے گا۔ قریش نے اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ربیع الاول کی پہلی شب کا انتخاب کیا۔ خداوند عالم ان کی سازش کو اس طرح سے بیان کرتا ہے :

---

1 گزشتہ حوالہ.

''اور پیغمبر آپ اس وقت کو یاد کریں جب کفار تدبیریں کرتے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا شہر بدر کردیں یا قتل کردیں اور ان کی تدبیروں کے ساتھ ساتھ خدا بھی اس کے خلاف انتظام کر رہا تھا اور وہ بہترین انتظام کرنے والا ہے''۔[1]

پیغمبر اسلاؐم کی ہجرت

پیغمبر اسلامؐ وحی کے ذریعہ ''دار الندوہ'' کی سازش سے آگاہ ہوئے اور حکم خدا ہوا کہ مکہ سے باہر چلے جائیں۔ رسول خداؐ نے اپنی ماموریت سے علیؑ کو آگاہ کیا اور فرمایا: ''آج کی شب میرے بستر پر سوجاؤ اور میری سبز چادر اوڑھ لو'' علیؑ نے بے خوف وخطر اس ذمہ داری کو قبول کیا۔

پیغمبرؐ اس شب ابو بکر کے ساتھ ''غار ثور'' میں چلے گئے جو مکہ کے جنوبی علاقے (مدینہ کے مخالف سمت) میں واقع تھا۔ اور تین روز غار میں رہے تاکہ قریش ان کو پانے سے ناامید ہوجائیں اور راستہ پرامن ہوجائے اور آپ ہجرت کو جاری رکھ سکیں، خداوند عالم نے قرآن مجید میں پیغمبرؐ کی تنہائی اور بے یاوری کا ذکر فرمایا ہے کہ آپ کے ساتھ ایک نصر کے علاوہ کوئی دوسرا نہ تھا اور وہ بھی اضطراب وپریشانی کا شکار ہوگیا تھا۔ لیکن قریش اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود خدا کی قدرت سے پیغمبرؐ تک نہیں پہنچ سکے۔

''اگر تم پیغمبرؐ کی مدد نہ کروگے تو ان کی مدد خدا نے کی ہے اس وقت جب کفار نے انھیں وطن سے باہر نکال دیا اور وہ ایک شخص کے ساتھ نکلے اور دونوں غار میں تھے تو وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ رنج نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے پھر خدا نے اپنی طرف سے اپنے پیغمبر پر سکون نازل کردیا اور ان کی تائید ان لشکروں سے کردی جنھیں تم نہ دیکھ سکے اور اللہ ہی نے کفار کے کلمہ کو پست بنایا ہے اور اللہ کا کلمہ درحقیقت بہت بلند ہے۔ کہ وہ صاحب عزت وغلبہ بھی ہے اور صاحب حکمت بھی ہے''۔[2]

عظیم قربانی

حضرت علیؑ اس شب پیغمبرؐ کے بستر پر سوئے اور قریش کے مسلح افراد نے رات کی تاریکی میں پیغمبرؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیا اور صبح سویرے ننگی تلواروں کے ساتھ گھر کے اندر گھس گئے، اسی عالم میں علیؑ بستر سے اٹھ گئے اس وقت تک وہ لوگ اپنے منصوبے کو سو فیصد درست اور کامیاب سمجھ رہے تھے لیکن علیؑ کو دیکھتے ہی انھیں سخت حیرت ہوئی اور وہ ان کی طرف لپکے، یہ دیکھ کر علیؑ نے اپنی تلوار کھینچ لی اور مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے جب انھوں نے پیغمبرؐ کے مخفی ہونے کی جگہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے بتانے سے انکار کردیا۔[3]

---

۱ و اذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک و یمکرون و یمکر اللّٰہ و اللّٰہ خیر الماکرین'' سورۂ انفال، آیت ۳۰.

2 سورۂ توبہ، آیت ۴۰.

3 دار الندوہ اور لیلۃ المبیت کا واقعہ الفاظ اور عبارتوں کے فرق کے ساتھ اختصار و تفصیل سے مندرجہ ذیل کتابوں میں نقل ہوا ہے۔ تاریخ الامم والملوک، ج۲، ص۲۴۵۔ ۲۴۲؛ السرۃ النبویہ، ج۲، ص۱۲۸۔ ۱۲۴؛ طبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۲۸۔ ۲۲۷؛ دلائل النبوۃ، ج۲، ص ۱۴۹۔ ۱۴۷؛ انساب الاشراف، ج۱، ص۲۶۰۔ ۲۵۹؛ الکامل فی التاریخ، ج۲، ص ۱۰۳۔ ۱۰۱؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۳۲؛ اعلام الوریٰ، ص۶۱؛ امالی شیخ طوسی، ص ۴۴۷۔ ۴۴۵ و ص ۴۷۱۔ ۴۶۳؛ مناقب ابن شہر آشوب، ج۱، ص ۱۸۳۔ ۱۸۲؛ مناقب خوارزمی، ص ۷۳؛ کنز الفوائد کراجکی، ج۲، ص۵۵؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج۳، ص ۱۸۰۔ ۱۷۵؛ السیرۃ النبویہ، ج۲، ص۲۰۶۔ ۱۸۹؛ تاریخ بغداد، ج۱۳، ص ۱۹۲۔ ۱۹۱؛ بحار الانوار، ج۱۹، ص ۶۵۔ ۴۷۔

اس رات جو شخص بھی پیغمبرؐ کے بستر پر سوتا اس کے بچنے کی امید نہیں تھی لیکن حضرت علیؑ شعب ابوطالب میں بھی اکثر راتوں میں پیغمبرؐ کی جگہ سوتے تھے اور اپنے کو سپر قرار دیتے تھے اور خطرہ مول لیتے تھے تاکہ پیغمبر اکرمؐ کی جان محفوظ رہ سکے خداوند عالم نے ان کی اس قربانی کو اس طرح بیان کیا ہے :

''اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اپنے نفس کو مرضی پروردگار کے لئے بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے''۔ [1]

مفسرین اور محدثین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی عظیم قربانی کے سلسلے میں ''لیلۃ المبیت'' میں نازل ہوئی۔ [2]

حضرت علیؑ نے اپنے ایک بیان میں قریش کی سازش کو ذکر کرنے کے بعد اس خطرناک رات میں اپنی حالت کو اس طرح سے بیان فرمایا ہے :

... ''پیغمبرؐ نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے بستر پر سو جاؤں اور اپنی جان کو ان کے لئے سپر قرار دوں۔ بے خوف اس ماموریت کو میں نے قبول کیا ،میں خوش تھا کہ آپ کی راہ میں قتل کیا جاؤں۔ پیغمبرؐ ہجرت کر گئے اور میں ان کے بستر پر لیٹا رہا۔ قریش کے مسلح افراد کو اس بات کا یقین تھا کہ پیغمبرؐ کو قتل کر دیں گے لہٰذا وہ گھر میں گھس گئے اور جب وہاں پہنچے جہاں میں لیٹا تھا تو میں نے یہ دیکھ کر اور تلوار ہاتھ میں لے لی اور اپنا اس طرح دفاع کیا کہ خدا جانتا ہے اور لوگ بھی اس سے آگاہ ہیں''۔ [3]

قبا میں پیغمبرؐ کا داخلہ

رسول خداؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ میری ہجرت کے بعد اپنے مکہ ترک کرنے سے پہلے ،لوگوں کی جو امانتیں ان کے پاس ہیں اسے لوگوں کو واپس کر دیں۔ [4] اور ان کی دختر فاطمہ اور بنی ہاشم کے دوسرے چند افراد جو اس وقت تک ہجرت نہیں کر سکے تھے ان کی ہجرت کے مقدمات فراہم کریں۔ [5]

---

1 سورۂ بقرہ ،آیت ۲۰۷۔

2 فتال نیشاپوری ،روضۃ الواعظین (بیروت : موسسۃ الاعلمی للمطبوعات ،ط۱ ،۱۴۰۶ھ.ق) ،ص ۱۱۷؛ ابن اثیر ،اسد الغابہ ،ج ۴ ،ص ۲۵؛ مومن شبلنجی ،نور الابصار (قاہرہ : مکتبۃ المشھد الحسینی) ،ص ۸۶؛ طبرسی ،مجمع البیان ،ج۱ ،ص ۳۰۱؛ ابن ابی الحدید ،شرح نہج البلاغہ ،تحقیق : محمد ابوالفضل ابراہیم (قاہرہ : داراحیاء الکتب العربیہ ،۱۹۶۱.) ،ج ۱۳ ،ص ۲۶۲؛ سبط ابن الجوزی ،تذکرۃ الخواص (نجف : المکتبۃ الحیدریہ ،۱۳۸۳ھ.ق) ،ص ۳۵؛ تقی الدین ابو بکر حموی ،ثمرات الاوراق (حاشیہ المستطرف میں) ،ص ۲۰؛ عبدالحسین امینی ،الغدیر ،ج ۲ ،ص ۸۰؛ مرحوم مظفر نے اہل سنت کے نامور علماء اور مفسرین جیسے ثعلبی ،قندوزی ،حاکم نیشاپوری ،احمد ابن حنبل ،ابوالسعادات ،غزالی ،فخر رازی ،اور ذہبی سے نقل کیا ہے کہ سبھی نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

3 صدوق ،الخصال (قم : منشورات جامعہ المدرسین) ،ج ۲ ،ص ۳۶۷ ،باب السبعہ؛ مفید ،الاختصاص (قم : منشورات جماعۃ المدرسین) ،ص ۱۶۵.

4 ابن ہشام ،السیرۃ النبویہ ،ج ۲ ،ص ۱۲۹؛ طبری ،گزشتہ حوالہ ،ج ۲ ،ص ۲۴۷؛ بلاذری ،انساب الاشراف ،ج۱ ،ص ۲۶۱؛ ابن شہر آشوب ،مناقب آل ابی طالب ،ج۱ ،ص ۱۸۳.

5 شیخ طوسی ،الامالی (قم : دارالثقافہ ،ط۱ ،۱۴۱۴ھ.ق) ،ص ۴۶۸؛ رجوع کریں : مفید ،الاختصاص ،ص ۱۴۷؛ تاریخ الخلفاء ،ص ۱۶۶؛ مجلسی ،بحار الانوار ،ج ۱۹ ،ص ۶۲۔

حضرت محمدؐ نے چوتھی ربیع الاول (بعثت کے چودھویں سال) غار کو مدینہ کے ارادہ سے ترک کیا[1] اور اسی مہینے کی بارہویں تاریخ کو مدینہ کے باہر محلّہ ''قبا'' میں قبیلۂ بنی عمرو بن عوف کے رہنے کی جگہ پہنچے[2] اور چند روز علیؑ کے انتظار میں وہاں ٹھہرے رہے[3] اور اس دوران ایک مسجد وہاں پر تعمیر کی۔[4]

پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد علیؑ تین دن مکہ میں ٹھہرے رہے اور اپنے فریضے کو بہ حسن وخوبی انجام دیا[5] پھر اپنی والدۂ گرامی فاطمہ بنت اسد، فاطمہ زہرا دختر پیغمبرؐ اور فاطمہ دختر زبیر بن عبد المطلب کو دو دوسرے افراد کے ہمراہ لے کر قبا میں پیغمبرؐ سے جا ملے۔[6]

پیغمبرؐ کا مدینہ میں داخلہ

حضرت علیؑ کے قبا میں پہنچنے کے بعد پیغمبر اکرمؐ بنی نجار (عبد المطلب کے مادری رشتہ دار) کے ایک گروہ کے ساتھ مدینہ گئے۔ راستہ میں قبیلہ بنی سالم بن عوف کے محلّہ میں پہلی نماز جمعہ پڑھی۔ شہر میں داخل ہوتے وقت لوگوں نے بہت ہی پرجوش انداز میں آپ کا استقبال کیا۔ قبائل کے سرداروں اور بڑی شخصیتوں نے ناقۂ پیغمبر اکرمؐ کی زمام کو پکڑ کر آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ ان کے محلّہ میں تشریف لے چلیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: ناقہ کے راستہ کو خالی کردو اسے خدا کی جانب سے حکم ملا ہے وہ جہاں بیٹھے گا میں وہیں اتر جاؤں گا ''

گویا رسول خداؐ اپنی تدبیر اور حکمت عملی کے ذریعہ چاہتے تھے کہ (حجر اسود کے نصب کے فیصلہ کی طرح) ان کی میزبانی کا شرف وافتخار کسی خاص قبیلہ یا خاندان کو حاصل نہ ہو اور آئندہ سماج میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

آخر کار آنحضرتؐ کا اونٹ محلّہ بنی نجار میں ابوایوب انصاری خالد بن خزرجی کے گھر کے قریب بیٹھ گیا اس وقت (ایسی جگہ پر بیٹھا جو دو یتیموں کی تھی جہاں بعد میں مسجد النبیؐ بنی)۔

پیغمبر اکرمؐ کے چاروں طرف بے شمار لوگ اکٹھا ہوگئے ہر ایک کی آرزو تھی کہ آنحضرتؐ کے میزبان ہم بنیں۔ ابوایوب انصاری آنحضرتؐ کے سامان سفر کو اپنے گھر لے گئے اور ساتھ میں آنحضرتؐ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اور اس وقت تک وہاں آپ نے قیام کیا جب تک مسجد النبی اور اس کے ساتھ ہی آپ کی رہائش کے لئے حجرہ نہ بن گیا۔[7]

---

1 محمد بن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۱، ص ۲۳۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۹، ص ۸۷۔

2 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳۷؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۴۸؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۶۴؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۶۳؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ترجمہ: محمود مہدوی دامغانی (تہران: مرکز انتشارات علمی وفرھنگی، ۱۳۶۱)، ج۲، ۱۷۲۔

3 رسول اسلامؐکے ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف ہے۔

4 ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۸۵؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۶۶ و ۱۷۲؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۴۹۔

5 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳۸؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۴۹۔

6 ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸۳؛ رجوع کریں: اعلام الوریٰ، ص ۶۶؛ تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۳۴۔

7 گزشتہ حوالہ .

ہجری تاریخ کا آغاز

ہجرت بڑی تبدیلیوں کی شروعات اور اسلام کی پیش رفت میں ایک اہم موڑ کا نام ہے کیونکہ اسی کے سایہ میں مسلمانوں نے گھٹن اور دشواریوں کے ماحول سے نکل کر آزاد ماحول میں قدم رکھا اور آزادی کے ساتھ ایک نقطہ پر متمرکز ہوگئے اور ایسے حالات میں یہ چیز ایک بہت بڑی کامیابی تھی۔ اگر ہجرت انجام نہ پاتی تو مکہ میں اسلام گھٹ گھٹ کر دم توڑ دیتا اور ہرگز اسے ترقی نہ ملتی۔ ہجرت کے بعد مسلمانوں نے سیاسی اور نظامی سرگرمیاں شروع کردیں اور اسلام جزیرۃالعرب میں پھیل گیا۔

اس بناپر ہجرت 'اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ کا آغاز قرار پائی لیکن کس شخص نے پہلی مرتبہ اس تاریخ کی بنیاد ڈالی؟ اور کس وقت سے یہ تاریخ رائج ہوئی؟ مورخین اسلام کے درمیان مشہور یہ ہے کہ یہ کام عمر بن خطاب کے زمانہ میں 'اس کے ذریعہ سے اصحاب پیغمبرؐ کے مشورہ سے انجام پایا۔[1]

لیکن محققین اور تاریخ اسلام کے تجزیہ نگاروں کی تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ اس امر کے بانی خود پیغمبر اسلاؐم تھے۔ اسلام کے بڑے مورخین کے ایک گروہ نے لکھا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد ماہ ربیع الاول میں حکم دیا کہ اسی مہینہ سے تاریخ لکھی جائے۔[2]

اس مطلب کے گواہ پیغمبرؐ کے کچھ خطوط' مکاتبات اور تاریخی دستاویزات ہیں جو تاریخی کتابوں سے ہم تک پہنچی ہیں اور ان کی تاریخ نگارش آغاز ہجرت سے ذکر ہوئی ہے اس کے دو نمونہ یہاں پیش ہیں:

۱۔ پیغمبر اسلاؐم نے مُقنا کے یہودیوں سے ایک عہد و پیمان کیا اور اس پر آپ نے دستخط فرمائی اس کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ اس عہد نامہ کو علی بن ابی طالبؑ نے ۹ھ میں تحریر کیا ہے۔[3]

۲۔ پیغمبر اسلاؐم نے نجران کے مسیحیوں کے ساتھ جو عہد و پیمان کیا اس میں بھی یہ ذکر ہوا ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ اس میں لکھو کہ یہ پیمان ۵ھ میں لکھا گیا ہے۔[4]

بعض قرائن اور شواہد کی بنا پر ۵ھ تک ہجرت کو اصل اور بنیاد بنا کر واقعات اور روداد و حوادث کو مہینوں کی تعداد کے لحاظ سے لکھا جاتا تھا۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

---

1 ابن واضح 'تاریخ یعقوبی' (نجف: المکتبۃالحیدریہ '۱۳۸۴ھ.ق) 'ج۲ 'ص۱۳۵؛ مسعودی 'التنبیہ والاشراف (قاہرہ: دارالصاوی للطبع والنشر 'ص۲۵۲؛ ابن اثیر 'الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر) 'ج۱ 'ص۱۰؛ الشیخ عبدالقادر بدران 'تہذیب تاریخ دمشق (تالیف حافظ ابن عساکر) (بیروت: دار احیاء التراث العربی 'ط۳ '۱۴۰۷ھ.ق) 'ج۱ 'ص۲۴۔۲۳۔

2 طبری 'تاریخ الامم والملوک' (بیروت: دار القاموس الحدیث) 'ج۲ 'ص۲۵۲؛ نور الدین السمھودی 'وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ' (بیروت: دار احیاء التراث العربی 'ط۳ '۱۴۰۱ھ.ق) 'ج۱ 'ص۲۴۸؛ مجلسی 'بحار الانوار 'ج۴۰ 'ص۲۱۸ 'ابن شہر آشوب کی نقل کے مطابق۔

3 بلاذری 'فتوح البلدان (بیروت: دار الکتب العلمیہ '۱۳۹۸ھ.ق) 'ص۷۲۔۷۱؛ اس سند کے اصل متن میں علی بن ابی طالب (واؤ کے ساتھ) لکھا ہوا ہے جس کی وجہ تاریخ کی کتابوں میں بتائی گئی ہیں۔ رجوع کریں: الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم 'ج۳ 'ص۴۸۔۴۶۔

4 الشیخ عبدالحہ الکتانی 'الترتیب الاداریہ (بیروت: دار احیاء التراث العربی) 'ج۱ 'ص۱۸۱۔

۱۔ ابو سعید خدری کہتے ہیں : ”ماہ رمضان کا روزہ تغییر قبلہ کے ایک ماہ بعد، ہجرت کے اٹھارویں مہینہ میں واجب ہوا ہے۔[1]

۲۔ سفیان بن خالد سے جنگ کے لئے بھیجے ہوئے لشکر کا کمانڈر عبد اللہ بن اُنَیس کہتا ہے کہ میں پیر کے دن پانچ محرم کو ہجرت کے پچاسویں مہینے میں مدینے سے نکلا۔[2]

۳۔ محمد بن مسلمہ قبیلۂ قرطا[3] سے جنگ کے بارے میں لکھتا ہے : میں دس محرم کو مدینہ سے باہر گیا اور انیس دن کے بعد محرم کی آخری رات، ہجرت کے ۵۵ویں مہینے میں، مدینہ واپس آیا۔[4]

اس بنا پر ہجری، تاریخ کے بانی پیغمبر اسلام ہی تھے۔ لیکن شاید خلافت عمر کے دور تک اسے بہت زیادہ شدت اور عمومیت نہیں مل سکی تھی۔[5] اور چونکہ عمر کے دور میں زمان حوادث اور بعض دستاویزات اور مطالبات کی تاریخ میں اختلاف کی کچھ صورتیں پیش آئیں۔[6] لہٰذا انھوں نے اس مسئلے کو ۱۶ھ میں قانونی شکل دی اور ربیع الاول (مدینے میں پیغمبر کے داخلے کا مہینہ) کے بجائے ماہ محرم کو ہجری سال کا آغاز قرار دیا۔[7]

---

1 الشیخ حسن الدیار بکری، تاریخ الخمیس، (بیروت : مؤسسۃ شعبان)، ج۱، ص ۳۶۸۔

2 واقدی، المغازی، تحقیق : مارسڈن جانس (بیروت : مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات)، ج۲، ص۵۳۱۔

3 بنی بکر کا ایک خاندان ہے۔

4 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۵۳۴۔

5 سید جعفر مرتضی عاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۳، ص ۵۵.

6 طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۲۵۲؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (بیروت : مکتبۃ المعارف ط۲، ۱۳۹۴ھ.ق)، ج۷، ص ۷۴۔ ۷۳؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق : محمد ابوالفضل ابراہیم (قاہرہ : داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۱م)، ج۱۲، ص ۷۴؛ ابن کثیر، الکامل فی التاریخ، ج۱، ص ۱۱۔ ۱۰.

7 ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص ۱۷۵؛ الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۳، ص ۳۵؛ مزید معلومات کے لئے رجوع کریں : الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۳، ص ۵۶۔ ۳۲.

دوسری فصل

مدینہ میں پیغمبر اسلاؐم کے سیاسی اقدامات

مسجد کی تعمیر

پیغمبر اسلاؐم نے مدینہ میں [1] قیام کے بعد یہ ضرورت محسوس کی کہ ایک مسجد بنائی جائے جو مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا سینٹر اور نماز جمعہ اور جماعت کے وقت جمع ہونے کی جگہ قرار پائے۔اس وجہ سے آپؐ نے اس زمین کو جہاں پہلے دن آپ کا اونٹ بیٹھا تھااور وہ دو یتیموں کی تھی ان کے اولیاء سے خریدی اور مسلمانوں کی مدد سے وہاں ایک مسجد تعمیر کی [2] جو آپ کے نام یعنی ''مسجد النبی'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ ہجرت کے بعد آنحضرتؐ کا یہ پہلا اجتماعی اقدام تھا۔ مسجد کی تکمیل کے بعد' اس کے پہلو میں دو کمرے آنحضرتؐ اور آپ کی ازواج کے رہنے کے لئے بنائے گئے۔ [3] اس کے بعد آنحضرتؐ ابوایوب کے گھر سے وہاں چلے گئے۔ [4] اور آخری عمر تک اسی کمرے میں زندگی بسر کی۔

اصحاب صُفّہ

مسلمانوں کے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کے بعد' انصار نے مہاجر مسلمانوں کو جہاں تک ہوسکا اپنے گھروں میں ٹھہرایااور ان کے لئے زندگی کی سہولتیں فراہم کیں۔ [5]

لیکن اصحاب صفہ جو ایک فقیر' مسافر بے گھر اور ہر لحاظ سے محروم طبقہ تھا ان کے رہنے کے لئے مسجد کے آخر میں وقتی طور پر ایک سائبان بنادیا گیا تھا۔

---

1 یاقوت حموی' معجم البلدان (بیروت : داراحیاء التراث العربی' ۱۳۹۹ھ.ق)' ج۵' ص ۴۳۰' (لغت : یثرب)

2 محمد بن سعد' طبقات الکبریٰ (بیروت : دار صادر)' ج۱' ص ۲۳۹؛ طبری' تاریخ الامم والملوک (بیروت : دار القاموس الحدیث)' ج۲' ص ۲۵۶؛ بیہقی' دلائل النبوۃ' ترجمہ محمود مہدی دامغانی (تہران : مرکز انتشارات علمی وفرہنگی' ۱۳۶۱)' ج۲' ص ۱۸۷؛ ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالب (قم : المطبعۃ العلمیہ)' ج۱' ص ۱۸۵؛ ابن کثیر' البدایہ والنہایہ' (بیروت : مکتبۃ المعارف' ط ۲' ۱۹۷۷.)' ج ۳' ص ۲۱۵؛ الدین الحلبی' السیرۃ الحلبیہ' (انسان العیون)' (بیروت : دار المعرفہ' ج ۲' ص ۲۵۲؛ مجلسی' بحار الانوار' (تہران : دار الکتب الاسلامیہ)' ج۱۹' ص ۱۲۴.

3 ایک کمرہ سودہ اور ایک کمرہ عائشہ کے لئے بنایا گیا (محمد بن سعد' سابق' ص ۲۴۰؛ حلبی' سابق' ص ۲۷۳)

4 ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' (قاہرہ : مطبعۃ المصطفیٰ البابی الحلبی' ۱۳۵۵ھ.ق)' ج۲' ص ۱۴۳؛ ابن شہر آشوب' گزشتہ حوالہ' ص ۱۸۶۔

5 ابن واضح' تاریخ یعقوبی' (نجف : المکتبۃ الحیدریہ' ۱۳۸۴ھ.ق)' ج۲' ص ۳۴۔

پیغمبر اسلاؐم ان کی خبر گیری فرماتے تھے اور جہاں تک ہو سکتا' ان کے لئے کھانے کی چیزیں فراہم کرتے تھے اور انصار کے سرمایہ داروں کو ان کی مدد کے لئے تشویق کرتے تھے۔

مسلمانوں کا یہ طبقہ جو انقلابی' مومن اور خوبیوں کا مالک تھا "اصحاب الصفہ" کے نام سے معروف ہوا۔[1]

اس گروہ کی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ جن کے رہنے کا انتظام ہو جاتا تھا وہ وہاں سے چلے جاتے تھے اور دوسرے نئے افراد آکر ان میں شامل ہو جاتے تھے۔[2]

عام معاہدہ

پیغمبر اسلاؐم نے مدینہ میں قیام کے بعد ضرورت محسوس کی کہ لوگوں کی اجتماعی حالت کو منظّم کریں؛ کیونکہ آپ کے بلند اہداف کی تکمیل کے لئے شہر کی تنظیم ضروری تھی جبکہ اس وقت مدینہ کی آبادی کی ترکیب غیر مناسب تھی۔ عرب کے متعدد گروہ اس شہر میں رہتے تھے اور ان میں سے ہر فرد دو بڑے قبیلہ اوس و خزرج میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتا تھا۔

یہودی بھی اسی شہر میں ان کے اطراف میں بسے ہوئے تھے اور ان سے تعلقات رکھتے تھے اور اب مکہ کے مسلمان بھی ان میں اکثر بڑھ گئے تھے اس عالم میں ممکن تھا کہ کوئی حادثہ پیش آجائے اسی وجہ سے پیغمبر اسلاؐم کی تدبیر سے ایک پیمان نامہ لکھا گیا جسے اسلام میں "پہلا اساسی قانون" یا سب سے بڑی قرار داد اور تاریخی دستاویز کہا گیا۔

اس قرارداد نے مدینہ میں رہنے والے مختلف گروہوں کے حقوق معین کئے اور یہ قانون شہری آبادی میں مسالمت آمیز زندگی اور ان کے درمیان نظم و عدالت کو برقرار رکھنے کا ضامن بنا اور ہر طرح کے ہنگامے اور اختلاف کے جنم لینے سے مانع بنا۔ اس عہد نامہ کے چند اہم بند یہ تھے :

۱۔ مسلمان اور یہودی[3] ایک امت ہیں۔

۲۔ مسلمان اور یہودی اپنے دین کی پیروی میں آزاد ہیں۔

---

1 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ص۲۵۵؛ نور الدین السمهودی' وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ (بیروت : داراحیاء التراث العربی' ط۳' ۱۴۰۱ھ.ق) 'ج۲' ص۴۵۸۔ ۴۵۳؛ مجلسی' بحار الانوار' ج۱۷' ص۸۱؛ ج۲۲' ص۶۶' ۱۱۸' ۳۱۰' ج۷۰' ص۱۲۹۔ ۱۲۸' ج۲۷' ص۳۸؛ رجوع کریں : مجمع البیان' ج۲' ص۳۸۶' تفسیر آیۂ : "للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ لایستطیعون ضربًا فی الارض..." (سورۂ بقرہ' آیت ۲۷۳) و عبدالحہ الکتانی' التراتیب الاداریہ' ج۱' ص۴۸۰۔ ۴۷۳۔

2 ابو نعیم اصفہانی' حلیۃ الاولیاء (بیروت : دار الکتاب العربی' ط۲' ۱۳۸۷ھ.ق) 'ج۱' ص۳۴۰۔ ۳۳۹؛ ابو نعیم نے اصحاب صفہ کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (حلیۃ الاولیاء' ج۱' ص۳۸۵۔ ۳۴۷)' اس نے اس گروہ کی تعداد ۵۱ افراد بتائی ہے اور ان میں سے ہر ایک کا ذکر کیا ہے۔ (ان میں کچھ عورتوں کے نام بھی ملتے ہیں)۔ لیکن ان میں سے کچھ کو اصحاب صفہ میں شمار نہیں کیا ہے۔ جن افراد کو ابو نعیم نے اس گروہ میں شمار کیا ہے۔ وہ یہ ہیں : بلال' براء بن مالک' جندب بن جنادہ' حذیفہ بن یمان' جناب بن الارت... ذوالبجاین' (عبد اللہ) سلمان' سعید بن ابی وقاص' سعد بن مالک' (ابو سعید خدری)' سالم (مولا ابی حذیفہ) اور عبد اللہ بن مسعود۔

3 یہاں پر یہودی سے مراد' بنی عمرو بن عوف اور مدینہ کے تمام مقامی یہودی ہیں لیکن یہودیوں کے تین قبیلے' بنی قینقاع' بنی نضیر' اور بنی قریظہ سے پیغمبر اسلاؐم نے الگ پیمان کیا تھا جس کی تفصیل آئندہ بیان ہو گی۔

۳۔ قریش کے مہاجرین ' اسلام سے قبل اپنی سابق رسم (یعنی خون بہادینے) پر باقی رہیں گے اگر ان کا کوئی فرد کسی کو قتل کرے یا اسیر ہو تو عدالت اور خیر خواہی کے جذبہ کے تحت سب مل کر اس کا خون بہادیں اور فدیہ دے کر اسے آزاد کرائیں۔

۴۔ بنی عمرو بن عوف (انصار کا ایک قبیلہ) اور تمام دوسرے قبیلہ بھی خون بہااور فدیہ کے سلسلہ میں اسی طرح عمل کریں۔

۵۔ کوئی یہ حق نہیں رکھتا ہے کہ کسی کے غلام' فرزند یا خاندان کے کسی دوسرے فرد کو بغیر اس کی اجازت کے پناہ دے۔

۶۔ اس عہد نامہ پر دستخط کرنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ سب مل کر شہر مدینہ کا دفاع کریں۔

۷۔ مدینہ ایک مقدس شہر ہے اس میں ہر طرح کا خون خرابہ حرام ہوگا۔

۸۔ اس عہد نامہ پر دستخط کرنے والوں میں اگر کبھی اختلاف پیدا ہوا تو اس اختلاف کو دور کرنے والے محمدؐ ہوں گے۔[1]

سلسلۂ حوادث کا تجزیہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ پیان (جو پیغمبرؐ کے مدینہ آنے کے ابتدائی مہینوں میں انجام پایا تھا)[2]' شہر کے امن و سکون میں موثر ثابت ہوا؛ کیونکہ ۲ھ تک یعنی جنگ بدر کے بعد تک "بنی قینقاع" کی فتنہ پردازیوں کی بناپر اس قبیلہ سے جو جنگ ہوئی' کوئی کشیدگی اہل مدینہ کے درمیان نقل نہیں ہوئی ہے۔

مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارگی کا معاہدہ

ہجرت کے پہلے سال[3] پیغمبر اکرمؐ نے دوسرا اہم اجتماعی اقدام یہ کیا کہ مہاجرین وانصار کے درمیان رشتۂ اخوت وبرادری برقرار کیا۔ ماضی میں مسلمانوں کے ان دو گروہوں میں پیشہ اور نسل کے لحاظ سے تفاوت اور کشمکش پائی جاتی تھی؛ کیونکہ انصار' جنوب (یمن) سے ہجرت کر کے آئے تھے اور انکا تعلق "قحطانی" نسل سے تھا۔ اور مہاجرین' عرب کے شمالی حصہ سے آئے اور ان کا تعلق "عدنانی" نسل سے تھا اور دور جاہلیت میں' ان دونوں کے درمیان نسلی کشمکش پائی جاتی تھی۔

دوسری طرف سے انصار کا مشغلہ کاشتکاری اور باغ بانی تھا۔ جبکہ مکہ کے عرب' تاجر تھے اور کاشتکاری کو ایک پست مشغلہ سمجھتے تھے۔ اس سے قطع نظر یہ دونوں گروہ دو الگ ماحول کے پرورده تھے اور اب نور اسلام کے سبب آپس میں دینی بھائی ہوگئے تھے۔[4] اور ایک ساتھ مدینہ میں رہتے تھے۔ لہٰذا اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں قدیمی عصبیت نہ بھڑک اٹھے کیونکہ مسلمانوں کے ان دو گروہوں میں گزشتہ افکار و خیالات اور

---

1 ابن ہشام' سابق' ج ۲' ص ۱۵۰۔ ۱۴۷؛ اس عہد نامہ کے بندوں سے تفصیلی آگاہی کے لئے' رجوع کریں: فروغ ابدیت' ج ۱' ص ۴۶۵۔ ۱۶۲

2 اسلامی مورخین نے اس عہد و پیان کی تنظیم مدینہ میں پیغمبر اکرمؐ کے پہلے خطبہ کے بعد نقل کی ہے لہٰذا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کا مدینہ میں اس عہد و پیان کا منعقد کرنا' آپ کے ابتدائی اقدامات کا جز تھا۔

3 ہجرت کے پانچ یا آٹھ مہینے بعد (سمہودی' گزشتہ حوالہ' ج ۱' ص ۲۶۸؛ مجلسی' بحار الانوار' ج ۱۹' ص ۱۳۰' حاشیہ مقریزی کے نقل کے مطابق)

4 " انما المومنون اخوة" سورۂ حجرات' آیت ۱۰.

کلچر کے اثرات ابھی بعض لوگوں کے ذہنوں میں باقی رہ گئے تھے۔ لہٰذا پیغمبر اسلامؐ نے ان دو گرہوں کے درمیان رشتہ اخوت وبرادری برقرار کیااور ہر مہاجر کو،انصار میں سے کسی ایک کا بھائی[1] بنایااور علیؑ کو اپنا بھائی بنایا۔[2]

البتہ مہاجرین وانصار کے درمیان رشتۂ اخوت وبرادری برقرار کرنے میں ایمان وفضیلت کے لحاظ سے ایک طرح کے تناسب اور برابری کا لحاظ رکھا گیا[3]اور پیغمبر اسلامؐ کا رشتۂ اخوت علیؑ سے قائم ہوا جبکہ دونوں مہاجر تھے لہٰذا اس زاویۂ نظر سے یہ بات قابل توجیہ وتاویل ہے۔

یہ عہد وپیمان مہاجروں اور انصار کے درمیان مزید اتحاد واتفاق کا باعث بنا جیسا کہ انصار نے پہلے سے زیادہ، مہاجروں کی مالی امداد کے لئے تیار ہوگئے۔ اور مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر "بنی نضیر " نے مہاجروں کی خاطر اپنے حق کو نظر انداز کردیا۔[4]اور بارگاہ پیغمبرؐ میں مہاجروں کی طرف سے ان کی کوششوں کا شکریہ، پیغمبرؐ کے لئے حیرت آور تھا۔[5] خداوند عالم نے اس موقع پر انصار کی ایثار گری کو اس طرح سراہا ہے۔

"یہ مال ان مہاجر فقراء کے لئے بھی ہے جنھیں ان کے اموال سے محروم اور گھروں سے نکال باہر کردیا گیا ہے اور وہ صرف خدا کے فضل اور اس کی مرضی کے طلبگار ہیں اور خدا ورسول کی مدد کرنے والے ہیں کہ یہی لوگ دعوئے ایمان میں سچے ہیں۔ اور جن لوگوں نے دارالہجرت اور ایمان کو ان سے پہلے اختیار کیا تھا وہ ہجرت کرنے والوں کو دوست رکھتے ہیں اور جو کچھ انھیں دیا گیا ہے اپنے دلوں میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتے ہیں اور اپنے نفوس پر دوسروں کو مقدم کرتے ہیں، چاہے انہیں کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ اور جسے بھی اس کے نفس کی حرص سے بچالیا جائے وہی لوگ نجات پانے والے ہیں"۔[6]

صحرا نشینوں کا مزاج دو طریقے کا تھا ایک طریقہ ان کا یہ تھا کہ وہ اپنے قبیلہ کے اندر اپنے اعزاء واقرباء کی مدد ونصرت کرتے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ نے ان کی اس خصوصیت کو اسلامی وحدت اور اتفاق کی راہ میں استعمال کیا (کہ مہاجروں کے ساتھ انصار کی ایثار وقربانی اس کا ایک جلوہ ہے)

---

1 ابن ہشام،گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۱۵۰؛ ابن سعد،گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۳۸؛ حلبی،گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۹۲؛ مجلسی،گزشتہ حوالہ، ج۱۹، ص ۱۳۰؛ یہ دینی برادری اور دینی تعاون کی بنیاد پر تھی جیسا کہ روایت میں بیان ہوا ہے کہ اخی رسول اللہ بین الانصار و المہاجرین، اخوۃ الدین (طوسی، امالی، (قم: دارالثقافہ، ۱۴۱۴ھ.ق)، ص ۵۸۷.

2 ابن ہشام،گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۱۵۰؛ عسقلانی، الاصابہ تمییز الصحابہ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط۱، ۱۳۲۸ھ.ق)، ج۲، ص۵۰۷؛ الشیخ سلیمان القندوزی الحنفی، ینابیع المودۃ (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات)، ج۱، باب۹، ص۵۵؛ سبط ابن الجوزی، تذکرۃ الخواص (نجف: المطبعۃ الحیدریہ، ۱۳۸۳ھ.ق)، ص۲۰، ۲۲، اور ۲۳ کتاب فضائل میں احمد ابن حنبل کی نقل کے مطابق؛ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، (الاصابہ کے حاشیہ)، ج۳، ص۳۵؛ حلبی،گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۹۲؛ سمہودی،گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۶۸؛ المظفر، دلائل الصدق (قم: مکتبہ بصیرتی)، ج۲، ص۲۷۱-۲۶۸۔

3 شیخ سلیمان قندوزی،گزشتہ حوالہ، ج۱، باب۹، ص۵۵ احمد حنبل کے نقل کے مطابق؛ امینی، الغدیر، ج۳، ص ۱۱۲؛ مرتضی العاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ۱۴۰۳ھ.ق)، ج۳، ص۶۰؛ طوسی، الامالی، ص۵۸۷۔ وہ حدیثیں جو یہ بیان کرتی ہیں کہ اس عہد وپیمان میں حضرت علیؑ کی اخوت رسول خداؐ کے ساتھ برقرار ہوئی ہے وہ، حدیث شناسی کے معیار کے مطابق قابل انکار نہیں ہیں۔ اس بنا پر ابن تیمیہ اور ابن کثیر کی باتیں اس سلسلہ میں ان کے خاص جذبہ اور فکر کی دین ہے اور علمی حیثیت نہیں رکھتی ہیں۔ رجوع کریں: الغدیر، ج۳، ص ۱۲۵- ۱۱۲، ۱۷۴-۱۷۴، ۲۲، وج۷، ص۳۳۶.

4 واقدی، المغازی، تحقیق: مارسڈن جانس، (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات)، ج۱، ص۳۷۹؛ ابن شبہ، تاریخ المدینۃ المنورۃ، تحقیق: فہیم محمد شلتوت (قم: دار الفکر، ۱۴۱۰ھ.ق)، ج۲، ص۲۸۹۔

5 مسند احمد، ج۳، ص ۲۰۴؛ حلبی،گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۹۲؛ ابن کثیر،گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۲۲۸؛ ابن شبہ،گزشتہ حوالہ، ص۴۹۰۔

6 سورۂ حشر، آیت ۹-۸۔

اور ان کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ ان کے مزاج میں، بیگانہ افراد سے جنگ وجدال کرنا تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے ان کے اس جذبہ کو دشمنان اسلام سے جنگ کرنے میں اور ان کے حملوں کا دفاع کرنے میں استعمال کیا۔[1]

یہودیوں کے تین قبیلوں کے ساتھ امن معاہدہ

پیغمبر اسلاؐم نے عمومی عہد و پیمان کے علاوہ، (جس میں اوس و خزرج کے علاوہ یہودیوں کے یہ دو قبیلے بھی شریک تھے) یہودیوں کے تینوں قبیلوں بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ میں سے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ عہد و پیمان کیا کہ جس کو "پیمان عدم تجاوز" کا نام دیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل بیان کرچکے ہیں کہ یہ تینوں قبیلے مدینہ اور اس کے اطراف میں زندگی بسر کرتے تھے اور یہ لوگ اس پیمان میں پابند ہوئے تھے کہ مندرجہ ذیل چیزوں پر عمل کریں گے:

۱۔ مسلمانوں کے دشمن کی مدد نہیں کریں گے اور ان کو اسلحہ، سواری اور جنگی وسائل نہیں دیں گے۔

---

۱ " محمد رسول اللّٰہ و الذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم"(سورۂ فتح، آیت ۲۹)

یہودیوں کے ان تین قبیلوں کے اصلی وطن اور نسب کے بارے میں مورخین کے درمیان اتفاق نظر نہیں پایا جاتا اس سلسلہ میں تاریخی اخبار واسناد کی آشفتگی اور تناقض کے باعث، حقیقت کی تعیین بہت مشکل و دشوار ہوگئی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ جب شام میں یہودیوں کے اوپر، شہنشاہ روم کی جانب سے سختی اور دباؤ بڑھا تو وہ جزیرۃ العرب کی سمت مدینہ میں چلے گئے اور وہاں جاکر بس گئے۔ (معجم البلدان، ج۵، ص ۸۴، لغت مدینہ، وفاء الوفاء، ج۱، ص ۱۶۰) قحطانی (اوس وخزرج) مارب بند ٹوٹنے کے بعد وہاں گئے اور اس کے کنارے جاکر بس گئے۔

معجم البلدان، ج۱، ص ۳۶؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، (بیروت: دار صادر، ج۱، ص ۶۵۶) اور جیسا کہ اس سے قبل ہم بیان کرچکے ہیں کہ ان دو گروہوں کے درمیان آپس میں کشمکش پائی جاتی تھی۔ لیکن کچھ مورخین کا عقیدہ ہے کہ وہ جزیرۃ العرب کے مقامی عرب تھے اور یہودیوں کی تبلیغات کے نتیجہ میں اس دین کو انھوں نے اپنالیا تھا۔ (احمد سوسہ، مفصل العرب والیہود فی التاریخ، (وزارۃ الثقافہ و الاعلام العراقیہ، ط ۵، ۱۹۸۱عیسوی)، ص ۶۲۹۔ ۶۲۹)، اور بعض دوسرے مورخین کا کہنا ہے کہ مدینہ میں یہودیوں کے بسنے کی تاریخ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں بتائی گئی ہے جو ایک افسانہ اور من گڑھت قصہ ہے (معجم البلدان، ج۵، ص ۸۴؛ وفاء الوفاء، ج۱، ص ۱۵۷) اور بعض تاریخی کتابوں و نیز کچھ روایات میں یہ نقل ہوا ہے کہ ان کو پیغمبرؐ کی نشانیوں کے سلسلہ میں جو آگاہی تھی اس کی بنا پر وہ آپ کے محل ہجرت کی تلاش میں، فدک، خیبر، تیماء اور یثرب (مدینہ) گئے اور وہاں جاکر بس گئے۔ (معجم البلدان، ج۵، ص ۸۴؛ وفاء الوفاء، ج۱، ص ۱۶۰؛ کلینی، الروضہ من الکافی، ص ۳۰۹؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۵، ص ۲۲۶) یہ مفہوم، پہلے نظریہ کے مطابق اور اس کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ بات ممکن ہے کہ وہ لوگ روم کے دباؤ کے بعد، پیغمبر اسلاؐم کے عنقریب مبعوث ہونے کے سلسلہ میں جو خبریں رکھتے تھے) اس کی بنا پر وہ اس علاقہ کی طرف چلے گئے ہوں اور روایتیں بھی اس مطلب کی تائید کرتی ہیں۔ (عبد القادر بدران، تہذیب تاریخ دمشق، تالیف ابن عساکر، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط ۳، ۱۴۰۷ھ.ق)، ج۱، ص ۳۵۱؛ وفاء الوفاء، ج۱، ص ۱۶۰)، یہودیوں کے ان تین قبیلوں کے نسب کے بارے میں بھی (گزشتہ حاشیہ کا بقیہ)۔ اختلاف نظر پایا جاتا ہے کہ کیا یہ بنی اسرائیل کے یہودیوں میں سے تھے یا عرب نسل کے تھے؟ کچھ لوگ دوسرے نظریہ پر زور دیتے ہیں۔ (احمد سوسہ، گزشتہ حوالہ، ص ۶۲۷)۔ یعقوبی بھی قبیلۂ بنی نضیر اور بنی قریظہ کو، نسل عرب سے قرار دیتا ہے۔ (تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۴۲۔ ۴۰؛ رجوع کریں: وفاء الوفاء، ج۱، ص ۱۶۲) شاید یہ کہا جاسکتا ہے۔ قرآن کی متعدد آیات میں یہودیوں کو "بنی اسرائیل" کے عنوان سے خطاب کیا گیا ہے جو کہ جزیرۃ العرب کے یہودیوں پر بھی صادق آتا تھا اور نیز پیغمبر اسلاؐم سے یہودیوں کی مخالفت اس نسلی جذبہ کے تحت کہ وہ بنی اسرائیل سے نہیں ہیں اور اسی طرح عرب کے علمائے نساب کی جانب سے ان کے نسب کو بیان نہ کیا جانا (جبکہ ان کا سارا دارومدار قبائل عرب کے نسب کی حفاظت پر تھا) ایسا قرینہ ہے جو پہلے نظریہ کے درست ہونے کو بتاتا ہے۔ بہر حال چونکہ اس سلسلہ میں مزید تنقید و تحقیق اس کتاب کے دائرہ سے باہر ہے لہٰذا اتنے ہی پر اکتفا کرتے ہیں.

۲۔ پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کے ضرر میں کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔اور علی الاعلان اور چھپ کر کسی طرح سے انھیں ضرر نہیں پہچائیں گے۔

۳۔ اگر اس معاہدہ کے برخلاف انھوں نے عمل کیا تو پیغمبر اسلامؐ کو ہر طرح کی سزا دینے کا حق ہے چاہے وہ' ان کو قتل کریں یا ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر کریں یا ان کی جائیداد ضبط کرلیں۔

اس معاہدہ پر ترتیب وار تینوں قبیلوں کے سرداروں نے یعنی ''مخیّریق' حی بن اخطب' اور کعب ابن اسد'' نے دستخط کئے۔[1]

گویا اس وقت یہودیوں کو مسلمانوں کی طرف سے خطرے کا احساس نہیں تھا۔ یا اپنے لئے بے طرفی بہتر سمجھتے تھے اور سوچتے تھے کہ اسلام کے دوسرے دشمن' مسلمانوں کی شکست کے لئے کافی ہیں۔ لہٰذا اس طرح کے عہد و پیمان کے کرنے میں وہ پیش قدم تھے۔[2]

ان اقدامات کی وجہ سے مدینہ اور اس کے اطراف کا ماحول پر امن ہو گیا تھا اور پیغمبر اسلامؐ فتنہ و آشوب سے بے فکر ہو گئے تھے۔ اور وقت اس بات کا آگیا تھا کہ قریش کے خطرے سے مقابلہ کرنے کے لئے کوئی چارہ اور تدبیر اپنائیں اور ایک نئے معاشرے کی بنیاد کے مقدمات فراہم کریں۔

منافقین

یہودیوں کے گروہ کے علاوہ دوسرے گروہ بھی پیغمبرؐ کی ہجرت کے بعد مدینہ میں وجود میں آئے کہ قرآن نے ان کو ''منافقین'' کہا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے تھے لیکن در حقیقت یہ بت پرست[3] اور ان میں بعض یہودی[4] تھے۔

ان لوگوں نے جب اسلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی قدرت کو دیکھا اور علی الاعلان مقابلہ کرنے سے عاجز ہو گئے تو بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر خود کو مسلمانوں کی صفوں میں داخل کر دیا۔

---

1 طبری' اعلام الوری باعلام الھدیٰ (تہران: دار الکتب الاسلامیہ' ط ۳)' ص ۶۹؛ مجلسی' بحار الانوار' ج ۹' ص ۱۱۱۔ ۱۱۰؛ رجوع کریں: واقدی' مغازی' ج ۱' ص ۱۷۶' ۳۶۵' ۳۶۷ و ج ۲' ص ۴۵۴؛ ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج ۳' ص ۲۳۱؛ تاریخ یعقوبی' ج ۲' ص ۴۳۔ بعد میں پیغمبر اسلامؐ نے اس عہد نامہ کی رو سے انہیں سزائیں دیں۔

2 مجلسی' گزشتہ حوالہ' ص ۶۹ اور ۱۱۰.

3 ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۱۶۰ اور ۱۶۶؛ نویری' نہایۃ الارب' ترجمہ: محمود مہدی دامغانی (تہران انتشارات امیر کبیر' ط ۱' ۱۳۶۴)' ج ۱' ص ۳۳۲.

4 حلبی' السیرۃ الحلبیہ' (انسان العیون)' (بیروت: دار المعارفہ)' ج ۱' ص ۳۳۷؛ نویری' گزشتہ حوالہ' ص ۳۳۹؛ ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ص ۱۷۴.

منافقین، یہودیوں سے راز و نیاز رکھتے تھے اور چھپ کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ ان کا سرغنہ اور لیڈر عبد اللہ ابن ابی تھا جس کے بارے میں ہم کہہ چکے ہیں کہ مدینہ میں اس کی رہبری کے مقدمات فراہم ہو چکے تھے لیکن پیغمبر اسلامؐ کے تشریف لانے سے مدینہ کے سیاسی حالات بدل گئے اور وہ اس مقام پر پہنچنے سے محروم ہو گیا۔ اور اس کے دل میں پیغمبرؐ کے لئے کینہ و حسد پیدا ہو گیا۔[1]

منافقین کی تخریب کاریاں اس قدر زیادہ تھیں کہ قرآن نے مختلف سوروں میں جیسے، بقرہ، آل عمران، توبہ، نساء، مائدہ، انفال، عنکبوت، احزاب، فتح، حدید، منافقون، حشر و تحریم میں ان کا تذکرہ فرمایا ہے، لہٰذا پیغمبرؐ کی لڑائی اس گروہ سے، مشرکوں اور یہودیوں سے زیادہ مشکل اور سخت تھی۔ کیونکہ وہ مسلمانوں کے سامنے، اپنے کو مسلمان بتاتے تھے لہٰذا پیغمبر اکرمؐ اسلام کے ظاہری حکم کے تحت ان سے جنگ نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام کے خلاف اس گروہ کی خراب کاریاں، منظّم طریقے سے ایک گروپ کی شکل میں، عبد اللہ ابن ابی کی موت (۹ھ ء)،[2] تک اسی طرح جاری رہیں۔ لیکن اس کے بعد سست اور بہت کم ہو گئیں۔

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۳۸۔ ۲۳۷؛ بیہقی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۱۶۵؛ نویری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۳۸؛ ابن شبہ، تاریخ المدینۃ المنورۃ، تحقیق: فہیم محمد شلتوت (قم: دار الفکر، ۱۴۱۰ھ.ق)، ج۱، ص۳۵۷؛ احمد زینی دحلان، السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ (بیروت: دار المعرفہ، ط۲)، ج۱، ص۱۸۴۔
2 مسعودی، التنبیہ والاشراف (قاہرہ: دار الصاوی للطبع والنشر)، ص۲۳۷.

تیسری فصل

یہودیوں کی سازشیں

یہودیوں کی طرف سے معاہدے کی خلاف ورزیاں

یہودی (مسیحیوں کی طرح) پیغمبرؐ کے عنقریب' مبعوث ہونے سے آگاہ تھے۔ قرآن مجید کے بقول "اہل کتاب" پیغمبر اسلاؐم کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے تھے[1] اور انھوں نے جن اوصاف اور نشانیوں کو توریت اور انجیل میں پڑھ رکھا تھا' ان کو آنحضرتؐ کے اندر منطبق پاتے تھے۔[2]

اس بنا پر امید یہ تھی کہ یہ لوگ اوس وخزرج سے پہلے مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اسلام کی طرف ان دو قبیلوں کے رجحانات کا ایک سبب یہ تھا کہ یہودیوں نے پیغمبر اسلاؐم کی بعثت کے بارے میں جو پیشین گوئیاں کر رکھی تھیں وہ "وارننگ" کی صورت میں تھیں۔ لیکن ان میں سے صرف چند افراد نے اسلام قبول کیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے دین پر قائم تھے' ہجرت کے ابتدائی سالوں میں ان کے روابط مسلمانوں سے ٹھیک تھے اور اس چیز پر شاہد؛ ان کا وہ معاہدہ ہے جو "عدم تجاوز" کے عنوان سے پیغمبر اسلاؐم کے ساتھ کیا گیا تھا۔ لیکن ابھی کچھ دن نہیں گزرے تھے کہ انھوں نے اپنا رویہ بدل دیا اور مخالفت پر اتر آئے ان کی ایک شرارت یہ تھی کہ پیغمبر اسلاؐم کے صفات کو چھپاتے یا بدل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں پیغمبرؐ کے صفات اپنی کتابوں میں نہیں ملے ہیں اور اس کے صفات' اس پیغمبرؐ کے صفات نہیں ہیں جو آنے والا ہے۔[3]

قرآن نے ان کے اس رویہ اور طرز عمل کی مذمت کی ہے :

"اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب آئی جو ان کے توریت وغیرہ کی تصدیق بھی کرنے والی ہے اور اس کے پہلے وہ دشمنوں کے مقابلے میں اسی کے ذریعہ طلب فتح بھی کرتے تھے لیکن اس کے آتے ہی منکر ہوگئے حالانکہ اسے پہچانتے بھی تھے تو اب کافروں پر خدا کی لعنت ہے"۔[4]

---

1 سورۂ بقرہ' آیت ۱۴۶؛ سورۂ انعام' آیت ۲۰.

2 سورۂ اعراف' آیت ۱۵۷؛ سورۂ آل عمران' آیت ۸۱؛ سورۂ انعام' آیت ۱۱۴؛ سورۂ قصص' آیت ۵۲.

3 حلبی' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۳۲۰؛ بیہقی' ج۲' ص ۱۸۶؛ ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالب (قم : المطبعۃ العلمیہ)' ج۱' ص ۵۱؛ واقدی' المغازی' ج۱' ص ۳۶۷.

4 سورۂ بقرہ' آیت ۸۹.

یہودی مختلف طریقے سے مخالفت اور شرارتیں کرتے تھے ان میں سے کچھ یہ ہیں :

ا۔ نامعقول اور غیر منطقی چیزوں کی فرمائش کرتے تھے جیسے وہ مطالبہ کرتے تھے کہ ان کیلئے آسمان سے کوئی کتاب یا (نامہ) نازل ہو۔[1]

۲۔ الٹے سیدھے اور پیچیدہ دینی سوالات کرتے تھے تاکہ مسلمانوں کے[2] ذہن پریشان اور چکرا جائیں۔ اگرچہ تمام جگہوں پر پیغمبر اسلاؐم نے متقن اور واضح جوابات دیئے لیکن اس کا نتیجہ وہ برعکس نکالتے تھے۔

۳۔ مسلمانوں کی ایمانی اور اعتقادی بنیادوں کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ وہ ایک دوسرے سے کہتے تھے : (جاؤ اور بظاہر) جو کچھ مومنوں پر نازل ہوا ہے اس پر صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو انکار کردو (اور پلٹ آؤ) شاید اس طرح وہ لوگ بھی پلٹ جائیں۔[3]

۴۔ مسلمانوں کے درمیان اختلاف ڈالنے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ ان میں سے ایک شخص جس کا نام شائس بن قیس تھا وہ چاہتا تھا کہ اوس و خزرج کے درمیان پرانے کینہ و حسد کو جگا کر لڑائی جھگڑے اور جنگ کی آگ کو شعلہ ور کردے لیکن پیغمبر اسلاؐم کے بروقت اقدام سے یہ سازش ناکام ہو گئی۔[4]

یہودیوں کی مخالفت کے اسباب

یہودی دراصل ایک منافع پرست، لالچی[5]، ہٹ دھرم اور بہانہ باز لوگ تھے۔ قرآن مجید نے یہودیوں اور مشرکوں کو مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے۔[6] کیونکہ یہ دونوں گروہ، صاحب منطق اور استدلال نہیں تھے. اپنی کینہ توزی کے باعث ہر طرح کی مخالفت اور خلاف ورزی سے باز نہیں آتے تھے یہودیوں کی اسلام سے مخالفت کے اسباب و علل کو چند چیزوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے :

ا۔ یہودیوں کی متعصب فکریں پیغمبر اسلامؐ پر رشک کرتی تھیں لہٰذا وہ کسی ایسے کی پیغمبری کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے جو ان کی نسل سے نہ ہو۔[7]

---

1 سورۂ نساء، آیت ۱۵۳؛ سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۳.

2 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۱۶۰؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۵۴؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۲۲۔۳۲۱؛ زینی دحلان، السیرة النبویہ و الآثار المحمدیہ (بیروت : دار المعرفہ)، ج۱، ص ۱۸۰۔۱۷۸.

3 سورۂ آل عمران، آیت ۷۲.

4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۰۴، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۳۲۰۔۳۱۹.

5 "ولتجدنہم احرص الناس علی حیٰوۃ..." (سورۂ بقرہ، آیت ۹۶)

6 سورۂ مائدہ، آیت ۸۲.

7 سورۂ بقرہ، آیت ۹۰، ۱۰۹؛ سورۂ نساء، آیت ۵۴؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۱۶۰؛ زینی دحلان، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۷۶؛ واقدی، المغازی، ج۱، ص ۳۶۵.

۲۔ وہ لوگ (یہودی) نفوذ اسلام سے قبل مدینہ میں اقتصادی اور سماجی لحاظ سے اچھی پوزیشن رکھتے تھے کیونکہ وہ کاروبار، صنعت، کاشتکاری[1] اور رباخوری[2] کے ذریعہ شہر کے اقتصاد کو اپنے کنڑول میں لئے ہوئے تھے۔

دوسری طرف سے اوس و خزرج کے درمیان اختلافات ڈال کر ان کی قدرت و طاقت کو کمزور کر دیا تھا۔ اور بنی قینقاع، خزرجیوں کے ساتھ رہ کر، اور بنی نضیر اور بنی قریظہ، اوسیوں کے ساتھ رہ کر اختلافات اور قبائلی جنگ کی آگ ان کے درمیان بھڑکا چکے تھے۔[3]

ہجرت کے بعد اوس و خزرج پرچم اسلام کے زیر سایہ اکٹھا ہوگئے اور اسلام کی روز بروز بڑھتی ہوئی قدرت و طاقت کا وہ احساس کرنے لگے اور تصور کرتے تھے کہ بہت جلد علاقہ پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جائے گی اور وہ اپنا مقام کھو بیٹھیں گے اور یہ چیز ان کے تحمل سے باہر تھی۔

۳۔ علمائے یہود وہاں کے سماج میں اپنا ایک بڑا مقام اور درجہ رکھتے تھے اور عام لوگ بغیر قید و شرط کے ان کی پیروی اور اطاعت کرتے تھے۔ یہاں تک جو احکام وہ خدا کے حکم کے برخلاف کہتے تھے اسے بھی آنکھ بند کر کے وہ قبول کر لیتے تھے۔[4] اور اس سے قطع نظر، ان کے آمدنی کا ذریعہ تحفے تحائف اور خیرات وغیرہ تھیں جسے عام یہودی توریت کی پاسداری اور محافظت کے عنوان سے دیتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ڈرتے تھے کہ اگر یہودیوں نے اسلام کو قبول کر لیا تو یہ آمدنی ختم ہو جائے گی۔[5]

۴۔ وہ لوگ، جناب جبرئیل کے ساتھ (جو کہ خدا کا پیغام لے کر پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوتے تھے) دشمنی کرتے تھے[6] اور اس بات کو بہانہ قرار دیکر آنحضرتؐ کی مخالفت کرتے تھے۔

۵۔ قرآن مجید یہودیوں کے بہت سارے عقائد و اعمال اور توریت کی تعلیمات کو باطل قرار دیتا ہے[7] اور بہت سارے احکام اور پروگراموں میں یہودیوں کی مخالفت کرتا ہے۔[8]

---

1 بنی قینقاع زرگری (زیورات) کا کام کرتے تھے (مونٹ گری واٹ، محمد فی المدینہ، تعریب: شعبان برکات، بیروت: المکتبۃ العصریہ)، اور ایک بازار ان کے نام کا مدینہ میں موجود تھا (ابن شبہ، تاریخ المدینہ المنورہ، تحقیق: فہیم محمد شلتوت، قم: دار الفکر، ج۱، ص۳۰۶، یاقوت حموی، معجم البلدان، ج۴، ص۴۲۴؛ اور بنی نضیر اور بنی قریظہ نے اطراف مدینہ میں قلعے اور کالونیاں بنا رکھی تھیں و کاشت کاری اور باغ داری کا کام کرتے تھے۔ (یاقوت حموی، گزشتہ حوالہ، ج۱، کلمہ بنی نضیر اور بطحان؛ نور الدین السمہودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط۳، ۱۴۰۱ھ.ق)، ج۱، ص۱۶۱.)

2 سورۂ نساء، آیت ۱۶۱.

3 سورۂ نساء، آیت ۱۶۱.

4 سورۂ توبہ، آیت ۳۱.

5 سورۂ بقرہ، آیت ۷۹؛ سورۂ آل عمران، آیت ۱۸۷؛ سورۂ توبہ، آیت ۳۴؛ بیہقی، دلائل النبوۃ، ترجمہ: محمود مہدوی دامغانی (تہران: مرکز انتشارا تعلمی و فرہنگی، ۱۳۶۱)، ج۲، ص۱۸۷۔۱۸۶۔

6 سورۂ بقرہ، آیت ۹۸؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، (بیروت: دار صادر)، ج۱، ص۱۷۵؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، (انسان العیون) (بیروت: دار المعرفہ)، ج۱، ص۳۲۹۔

7 سورۂ نساء، آیت ۴۶، ۱۵۸۔۱۵۵؛ سورۂ توبہ، آیت ۳۰۔

8 مرتضی العاملی، الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ۱۴۰۳ھ.ق)، ج۳، ص۱۰۶؛ رجوع کریں:

صحیح بخاری، شرح و تحقیق: الشیخ قاسم الشماعی الرفاعی (بیروت: دار القلم، ط۱، ۱۴۰۷ھ.ق)، ط۷، باب ۴۸۶، حدیث ۱۱۸۸؛ صحیح مسلم، بشرح النووی، ج۱۴، ص۸۰۔

اس موضوع کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے؛ ظہور اسلام سے قبل' اہل کتاب' ثقافتی لحاظ سے بت پرستوں کے مقابلے میں بلند درجہ رکھتے تھے اور مشرکین ان کو احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔[1]

ظہور اسلام کے بعد بھی یہ ذھنیت کم و بیش باقی تھی۔ اس بناپر مدینہ کے مسلمان کبھی دینی مسائل کے بارے میں ان سے سوالات کر لیتے تھے اور وہ توریت کی باتوں کو عربی میں مسلمانوں کے لئے تفسیر کرتے تھے۔ جبکہ ان کی مذہبی معلومات زیادہ غلط اور تحریف شدہ ہوتی تھیں۔ اس وجہ سے پیغمبر اسلامؐ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ اہل کتاب کی باتوں کی تصدیق نہ کریں۔[2]

آنحضرتؐ نے ایک دن عمر بن خطاب سے فرمایا: اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے' اگر خود حضرت موسیٰؑ زندہ ہوتے تو وہ میری پیروی کرتے[3] اس طرح کے مسائل نے یہودیوں کی دشمنی کو بڑھا دیا تھا۔ لہٰذا وہ کہتے تھے کہ یہ شخص ہمارے تمام پروگراموں کی مخالفت کرنا چاہتا ہے۔[4]

قبلہ کی تبدیلی

پیغمبر اسلامؐ' مکہ میں اپنی مدت اقامت کے دوران اور ہجرت کے بعد کچھ عرصے تک حکم خدا سے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے. یہودیوں نے اپنی دشمنی کو آشکار کرنے کے بعد' اس موضوع کو پیغمبرؐ کے خلاف تبلیغ اور زہر چھڑکنے کے لئے دستاویز قرار دیا اور کہتے تھے: وہ اپنے دین میں استقلال نہیں رکھتا اور ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے وہ لوگ اس بات پر زیادہ زور دیتے تھے۔

پیغمبر اسلامؐ اس صورت حال سے آسودہ خاطر تھے اور راتوں کو آسمان کی طرف نگاہ کر کے نزول وحی کے منتظر رہتے تھے تاکہ نئے فرمان کے پہنچنے کے ساتھ یہودیوں کی تبلیغات ختم ہو جائیں۔[5]

---

1 مرتضی العاملی' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص۱۷۶۔۱۷۵۔

2 صحیح بخاری' گزشتہ طبع' ج۹' باب ۱۱۹۰' ص۲۷۷۔

3 حلبی' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص۲۷۳؛ رجوع کریں: ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالب' ج۱' ص۵۲۔

4 حلبی' گزشتہ حوالہ' ج۲' ص۳۳۲۔

5 ابن واضح' تاریخ یعقوبی' (نجف: المکتبۃ الحیدریہ' ۱۳۸۴ھ.ق)' ج۲' ص۳۴؛ محمد بن سعد' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص۲۴۲؛ الشیخ للحر العاملی' وسائل الشیعہ' ط۴' ۱۳۹۱ھ.ق)' ج۳' کتاب الصلوۃ' ابواب القبلہ' باب۲' حدیث ۳' ص۲۱۶؛ طباطبائی' المیزان' (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات' ط۳' ۱۳۹۳ھ.ق)' ج۱' ص۳۳۱۔ قبلہ کی تبدیلی کی تاریخ' ہجرت کے بعد سات مہینے سے سترہ مہینے نقل ہوئی ہے۔ (وفاء الوفاء' ج۱' ص۳۶۴۔۳۶۱؛ بحار الانوار' ج۱۹' ص۱۱۳) لیکن علامہ طباطبائی ۱۷ مہینے کی تائید فرماتے ہیں۔ (وہی حوالہ)

ہجرت کے سترہ مہینے کے بعد جس وقت پیغمبر اسلام مسلمانوں کے ساتھ ظہر کی دو رکعت نماز "بیت المقدس" کی طرف پڑھ چکے تھے فرشتۂ وحی نازل ہوا اور قبلہ کی تبدیلی کا حکم سنایا اور پیغمبرؐ کو کعبہ کی طرف موڑ دیا اور پیغمبر نے بعد کی دو رکعت نماز کعبہ[1] کی جانب رخ کر کے پڑھی۔ خدا نے اس چیز کا تذکرہ اس طرح سے فرمایا ہے:

"اے رسول! ہم آپ کی توجہ کو آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں تو ہم عنقریب آپ کو اس قبلہ کی طرف موڑ دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں لہٰذا آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف موڑ لیجئے اور جہاں بھی رہیئے اسی طرف رخ کیجئے۔ اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ خدا کی طرف سے یہی برحق ہے اور اللہ ان لوگوں کے اعمال سے غافل نہیں ہے"۔[2]

قبلہ کی تبدیلی سے مسلمانوں کا استقلال پورا ہو گیا اور یہ یہودیوں کے لئے بہت ہی گراں حادثہ تھا۔ لہٰذا انھوں نے اب دوسرے طریقے سے کہنا شروع کر دیا کہ کیوں مسلمانوں نے اپنے قدیمی قبلہ سے منھ پھیر لیا؟ خداوند عالم نے قبلہ کی تبدیلی سے پہلے ہی یہودیوں کی حرکت سے پیغمبرؐ کو آگاہ کر دیا تھا اور اس کے جواب کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا تھا۔ کہ مشرق و مغرب اور روئے زمین کا ہر حصہ خدا کا ہے وہ جدھر نماز پڑھنے کا حکم دے، ادھر نماز پڑھنا چاہئے اور زمین کا کوئی حصہ اپنی جگہ پر ذاتی کمال نہیں رکھتا"۔

"عنقریب احمق لوگ یہ کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو اس قبلہ سے کس نے موڑ دیا ہے جس پر پہلے قائم تھے تو اے پیغمبرؐ! کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب سب خدا کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت کر دیتا ہے"۔[3]

اس جواب کے بعد پھر یہودیوں کے پاس منفی تبلیغ کا کوئی بہانہ نہیں رہ گیا تھا اور قبلہ کی تبدیلی کے ساتھ دو نئے اور پرانے آئین کے پیروؤں کے درمیان مشترک رابطہ ختم ہو گیا اور یہ دو گروہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور ان کے درمیان روابط میں خلل پڑ گیا۔
"آپ ان اہل کتاب کے لئے کوئی بھی آیت اور دلیل پیش کر دیں یہ آپ کے قبلہ کو ہرگز نہ مانیں گے اور آپ بھی ان کے قبلہ کو نہ مانیں گے اور یہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتے اور اپنے اور اے پیغمبر! آپ علم کے آجانے کے بعد اگر ان کے خواہشات کا اتباع کر لیں گے تو آپ کا شمار ظالموں میں ہو جائے گا"۔[4]

قرآن مجید کی آیات سے اس طرح استفادہ ہوتا ہے کہ قبلہ کی تغییر میں خداوند عالم کی طرف سے یہودیوں پر انتقاد کے علاوہ مومنین کا امتحان بھی لیا گیا ہے کہ کس حد تک وہ ایمان و اخلاص رکھتے ہیں اور خدا کے حکم کے سامنے تسلیم ہیں۔

---

1 مورخین کے ایک گروہ کے کہنے کے مطابق یہ واقعہ، قبیلۂ بنی سلمہ کی ایک مسجد میں رونما ہوا جو "مسجد القبلتین" سے مشہور ہوئی۔ (ابن واضح، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۳۴؛ محمد بن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۴۲؛ سمہودی، وفاء الوفاء، ج۱، ص ۳۶۲۔۳۶۱؛ زمخشری، تفسیر الکشاف، (بیروت: دار المعرفہ)، ج۱، ص ۱۰۱؛ لیکن ایک دوسرے گروہ نے قبیلۂ بنی سالم بن عوف کی مسجد کو، جہاں پر پیغمبر اسلام نے پہلی نماز جمعہ برگزار کی تھی واقعہ کی جگہ بتایا ہے (طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۷۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۹، ص ۱۲۴؛ علی بن ابراہیم سے نقل کے مطابق) اور کچھ تاریخی خبریں بتاتی ہیں کہ یہ واقعہ خود مسجد النبی میں رونما ہوا (ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۴۱؛ سمہودی، وفاء الوفاء، ج۱، ص ۳۶۰؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۱۹، ص ۲۰۱۔۲۰۰) مسجد القبلتین محل وقوع کے لحاظ سے جس کی ہمارے زمانے میں تعمیر نو ہوئی ہے اور مدینہ کے شمال میں واقع ہے قبیلہ بنی سلمہ سے میل کھاتی ہے؛ کیونکہ قبیلہ بنی سالم، مدینہ کے جنوب میں بسا ہوا تھا بہر حال مورخین کے درمیان قبلہ کی تبدیلی کے مکان میں اختلاف نظر کا پایا جانا اس کی عظمت کو کم نہیں کرتا ہے۔

2 سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۴

3 سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۲

4 سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۵

"اور ہم نے پہلے قبلہ کو صرف اس لئے قبلہ بنایا تھا کہ ہم یہ دیکھیں کہ کون رسول کا اتباع کرتا ہے اور کون پچھلے پاؤں پلٹ جاتا ہے۔ اگرچہ یہ قبلہ ان لوگوں کے علاوہ سب پر گراں ہے جن کی اللہ نے ہدایت کر دی ہے اور خدا تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرتا (سابق قبلہ کی طرف تمہاری نمازیں صحیح ہیں) کیونکہ خدا بندوں کے حال پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے"۔[1]

کچھ روایات میں، اس امتحان کی اس طرح تفسیر کی گئی ہے کہ مکہ کے لوگ کعبہ کے فدائی تھے۔ خداوند عالم نے مکہ میں وقتی طور پر، بیت المقدس کو اس لئے قبلہ قرار دیا تا کہ خدا کے نیک اور فرمانبردار بندے (جو اپنی خواہشات کے برخلاف صرف خدا اور پیغمبرؐ کے حکم کی پیروی میں اس کی طرف نماز پڑھتے ہیں) خدا کے نافرمان اور خود رائے بندوں سے الگ پہچانے جائیں۔ لیکن مدینہ میں، جہاں زیادہ تر لوگ بیت المقدس کے طرفدار تھے خداوند عالم نے ان کے لئے کعبہ کو قبلہ قرار دیا تا کہ وہاں بھی یہ دو دستے معین ہو سکیں۔[2]

---

1 سورۂ بقرہ، آیت ۱۴۳.

2 طباطبائی، المیزان (بیروت: موسستہ الاعلمی، للمطبوعات، ط ۳، ۱۳۹۳ھ.ق)، ج۱، ص ۳۳۳؛ بعض روایات و نیز کچھ تاریخی خبروں کی بنیاد پر پیغمبر اسلامؐ مکہ میں بھی کعبہ کی طرف پشت نہیں کرتے تھے۔ (وسائل الشیعہ، ج ۳، ص ۲۱۶، کتاب الصلاۃ، ابواب القبلہ، حدیث ۴)، بلکہ اس کو بیت المقدس کے ساتھ ایک سمت میں قرار دیتے تھے اور دونوں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (حلی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۲، ص ۳۵۷)

چوتھی فصل

لشکر اسلام کی تشکیل

اسلامی فوج کا قیام

پیغمبر اسلاؐم مکہ میں سکونت کے دوران فقط ایک مبلغ تھے اور لوگوں کے لئے عملی میدان میں ایک الٰہی راہنما تھے اور ان کی خدمات 'لوگوں کی ہدایت و راہنمائی اور بت پرستوں اور مشرکوں سے فکری اوراعتقادی جنگ تک محدود تھیں۔ لیکن مدینہ میں آنے کے بعد 'دینی رسالت کے ابلاغ و راہنمائی کے علاوہ مسلمانوں کی سیاسی رہبری بھی آپ کے ذمہ آگئی تھی؛ کیونکہ مدینہ میں نئی صورت حال پیش آگئی تھی اور آپ نے اسلامی تعلیمات کی بنیاد پر ایک نئے معاشرے کے قیام کے سلسلہ میں ابتدائی قدم اٹھایا تھا۔ اس بناپر آپ احتمالی خطرات اور دشواریوں سے مسلمانوں کو آگاہ کر کے ایک دور اندیش' شائستہ اور آگاہ سیاسی رہبر کی شکل میں اس کی چارہ جوئی کی فکر میں لگ گئے' مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان رشتہ اخوت و برادری کی برقراری' عمومی عہد و پیمان کی تنظیم و اجراء و نیز یہودیوں کے ساتھ عدم تجاوز کے معاہدہ پر دستخط یہ وہ اقدامات تھے جنھیں آپ نے بطور احتیاط انجام دیئے تھے۔

جو سورے اور آیات مدینہ میں نازل ہوئیں وہ سیاسی اور سماجی احکام و دستورات پر مشتمل تھیں اور وہ پیغمبرؐ کیلئے سیاسی امور میں مفید اور راہ گشا تھیں۔ جیسے کہ خداوند عالم کی طرف سے جہاد اور دفاع کا حکم صادر ہوا[1] اور اس کے بعد پیغمبر اسلاؐم نے قصد کیا کہ ایک دفاعی فوج تشکیل دیں

۔

اس فوج کا قیام عمل میں آنا اس لحاظ سے اہمیت رکھتا تھا کہ اس بات کا گمان تھا کہ مکہ کے مشرکین (جو ہجرت کے بعد مسلمانوں کو سزائیں اور تکلیف نہیں دے پارہے تھے) اس مرتبہ مرکز اسلام (مدینہ) پر فوجی حملہ کردیں۔ اس بناپر پیغمبرؐ نے اس طرح کے گمان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہجرت کے پہلے سال کے آخر میں ایک اسلامی فوج کی بنیاد ڈالی۔ یہ فوج شروع میں تعداد اور جنگی ساز وسامان کے لحاظ سے محدود تھی۔

لیکن بہت جلدی دونوں لحاظ سے اسے ترقی ملی۔ یہاں تک کہ آغاز قیام میں جنگی ماموریت یا گشتی عملیات میں بھیجی جانے والی ٹولیاں ساٹھ افراد سے زیادہ پر مشتمل نہیں ہوتی تھیں۔ اور ان کی سب سے زیادہ تعداد جو بہت کم دیکھنے میں آئی دو سو سے زیادہ نہیں پہنچی۔[2]

---

1 ” اذن.... یقاتلون بانہم ظلموا و ان اللّٰہ علی نصرہم لقدیر، الذین اخرجوا من دیارہم بغیر حق“ (سورۂ حج' آیت ۴۰-۹۳) 'اسی طرح سے رجوع کریں : المیزان' ج ۱۴' ص ۳۸۳؛ تاریخ یعقوبی' ج ۲' ص ۳۶.

2 ابن اثیر' الکامل فی التاریخ' (بیروت : دار صادر) ' ج ۲' ص ۱۱۲.

ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر میں ان کی تعداد تین سو سے تھوڑا زیادہ تھی۔ لیکن فتح مکہ میں (ہجرت کے آٹھویں سال) سر بازان اسلام کی تعداد دس ہزار افراد تک پہنچ گئی تھی۔ اور فوجی ساز وسامان کے اعتبار سے بھی بہت اچھی حالت ہو گئی تھی۔

بہر حال یکے بعد دیگرے' واقعات کے رونما ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلاؐم کی پیش بینی درست تھی۔ کیونکہ ہجرت کے دوسرے سال طرفین کے درمیان متعدد جھڑپیں ہوئیں اگر مسلمانوں کے پاس دفاعی طاقت نہ ہوتی تو ان جھڑپوں کے نتیجہ میں مسلمان' مشرکوں کے ہاتھوں بری طرح سے مارے جاتے۔[1]

فوجی مشقیں

پیغمبر اسلامؐ نے انھیں تھوڑے سے سپاہیوں کے ذریعے ایک طرح کی چھوٹی فوجی نقل و حرکت شروع کر دی جس کو درحقیقت ایک مکمل جنگ نہیں کہہ سکتے ہیں۔ اور ان مشقوں میں سے کسی ایک میں دشمن سے نوک جھوک اور جنگ پیش نہیں آئی جیسے حمزہ بن عبد المطلب کا تیس افراد پر مشتمل سریہ (ہجرت کے آٹھویں مہینے میں) جس نے قریش کے قافلہ کو مکہ کی طرف پلٹتے وقت پیچھا کیا تھا۔ اور عبیدہ بن حارث کا ساٹھ افراد پر مشتمل سریہ جس نے (آٹھویں مہینے میں) ابوسفیان کے گروہ کا پیچھا کیا۔ اور سعید بن وقاص کا بیس افراد پر مشتمل سریہ جس نے (نویں مہینے میں) قریش کے قافلے کا پیچھا کیا۔ لیکن اس کو پا نہیں سکا۔[2]

اسی طرح سے خود پیغمبر اسلاؐم نے (گیارہویں مہینے میں) مسلمانوں کے ایک گروہ کے ساتھ' قریش کے قافلے کا تعاقب کیا اور سرزمین ''ابواء'' تک پہنچ گئے' لیکن کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا۔

آنحضرتؐ نے اس سفر میں قبیلۂ ''بنی ضَمرۃ'' سے عہد و پیمان کیا کہ وہ بے طرف رہیں اور دشمنان اسلام کا ساتھ نہ دیں۔

پیغمبر اسلامؐ نے ربیع الاول کے مہینے (بارہویں مہینے) میں' کرز بن جابر فہری' جس نے گلۂ (ریوڑ) مدینہ کو غارت کر دیا تھا اس کا تعاقب' سرزمین بدر تک کیا لیکن وہ مل نہ سکا' جمادی الآخر میں ایک سو پچاس یا (دوسو) افراد کے ساتھ قریش کے تجارتی قافلہ کو جو کہ ابوسفیان کی سرپرستی میں (مکہ سے شام) جارہا تھا' اس کا تعاقب کیا (غزوہ ذات العشیرہ) اور اس بار بھی اس کے قافلہ تک نہ پہنچ سکے اور قبیلۂ ''بنی مدلج'' کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور مدینہ پلٹ آئے[3] لہٰذا اس طرح کی چھوٹی فوجی نقل و حرکت کو درحقیقت فوجی مشقیں یا قدرت نمائی کہنا چاہیئے نہ واقعی جنگ۔

---

1 پیغمبر اسلاؐم کے کل غزوات کی تعداد ۲۶ اور سریات کی تعداد ۳۶ نقل ہوئی ہے۔ (ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالب' ج۱' ص ۱۸۶' طبرسی' اعلام الوریٰ' ص ۷۲)' کچھ مورخین نے سریات کی تعداد اس سے زیادہ نقل کی ہے (مسعودی' مروج الذھب' ج۲' ص ۲۸۲) بخاری' ایک روایت میں ان کی تعداد ۱۹ ذکر ہوئی ہے (صحیح بخاری' ج۶' ص ۳۲۷)

2 واقدی' المغازی' تحقیق: مارسڈن جونس' ج۱' ص ۱۱۔۹؛ محمد بن جریر الطبری' تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث) ' ج۲' ص ۲۵۹؛ رجوع کریں: ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج۲' ص ۲۴۵۔۲۵۱؛ ابن اسحاق نے ان سریات کو ۲ھ کے واقعات میں قرار دیا ہے۔ (طبری' گزشتہ حوالہ') اگر بالفرض اس نقل کو ہم صحیح قرار دیں تو ہمیں قبول کرنا چاہیئے کہ اسلامی فوج کی تشکیل ۲ھ میں ہوئی ہے لیکن پھر بھی یہ مطلب موضوع کی اہمیت کو کم نہیں کرتا بلکہ اس سلسلہ میں پیغمبر اسلاؐم کے عمل کی تیزی کو بتاتا ہے.

3 واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ۱۳۔۱۱؛ طبری' گزشتہ حوالہ' ص ۲۶۱۔۲۵۹.

فوجی مشقوں سے پیغمبرؐ کے مقاصد

قرائن سے پتہ چلتاہے کہ پیغمبر اسلاؐم کا ان چھوٹے سرایااور غزوات سے مقصد، نہ دشمنوں کو لوٹنااور غارت کرنا تھااور نہ ان سے جنگ اور ٹکراؤ کرنا تھا۔ کیونکہ (جیساکہ ہم نے مشاہدہ کیاہے) ایک طرف سے اسلامی سپاہیوں کی تعداد کم تھی اور دشمن کے سپاہیوں کی تعداد ان کے دوبرابر تھی۔ اور دوسری طرف ان سرایا میں سے کچھ میں انصار بھی شریک تھے اور ان لوگوں نے "عقبہ دوم" کے عہد و پیمان میں پیغمبرؐ کے ساتھ مدینہ کے اندر دفاع کا وعدہ کیا تھانہ کہ مدینہ کے باہر دشمن سے جنگ کرنے کا۔

اس کے علاوہ مدینہ کے لوگ کاشتکار اور باغبان بھی تھے اور بادیہ نشین قبائل کی طرح غارت گری اور لوٹ مار کی عادت نہیں رکھتے تھے۔ اور اگر اوس و خزرج آپس میں جنگ بھی کرتے تھے تو وہ مقامی پہلو رکھتا تھا۔ اور جنگ کی آگ بھڑکانے والے یہودی ہوتے تھے وہ کبھی قافلوں کے مال کو لوٹا نہیں کرتے تھے یا قبائل کے اموال کو ان کے علاقے سے ہڑپ کرلے نہیں جاتے تھے۔ اس کے علاوہ اگر ان کا سامنا دشمن سے ہوتا تھا تو جنگ کی رغبت نہیں رکھتے تھے۔ جیساکہ حمزہ نے ایک شخص کے ذریعہ جو بے طرف تھا، جنگ کرنے سے پرہیز کیا۔[1]

ان قرائن و شواہد کے لحاظ سے گویا پیغمبر اسلاؐم ان مشقوں سے خاص مقصد رکھتے تھے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں :

۱۔ شام کی طرف جانے والے قریش کے تجارتی راستے کو دھمکی اور وارننگ دینا؛ مکے کے تاجروں کے قافلے شہر مدینہ کے پاس سے بحر احمر کے درمیان سے ہوکر گزرتے تھے لہٰذا وہ شہر سے ۱۳۰ کلومیٹر سے زیادہ فاصلہ نہیں رکھ سکتے تھے۔[2]

پیغمبر اسلاؐم اپنی اس نقل و حرکت کے ذریعہ، قریش کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ اگر وہ چاہیں کہ مدینہ میں بھی (مکہ کی طرح) مسلمانوں کے کاموں میں رخنہ ڈالیں، تو ان کا تجارتی راستہ خطرہ میں پڑجائے گا اور ان کا تجارتی مال مسلمانوں کے ذریعہ ضبط ہوسکتاہے۔[3]

یہ وارننگ قہری طور سے مشرکین مکہ کو، کہ جن کے نزدیک تجارت ایک حیاتی مسئلہ تھا، روکنے کے لئے ایک قومی محرک تھااور ایک واقعی دھمکی تھی تاکہ اپنے محاسبات میں، مسلمانوں کے ساتھ رویہ میں تجدید نظر کریں۔

---

1 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۹.

2 مونٹ گری، محمد فی المدینہ، تعریب: شعبان برکات (بیروت: المکتبہ العصریہ)، ص۵.

3 بعد میں دھمکی صحیح ثابت ہوئی اور (جیساکہ ہم بیان کریں گے) قریش شام کے تجارتی راستہ کے مسدود ہونے سے سخت ناراض ہوئے اور شام جانے کے لئے دوسرے راستہ کی تلاش میں لگ گئے۔

البتہ یہ خیال رہے کہ مسلمانوں کو حق حاصل تھا کہ مشرکین مکہ کے اموال کو ضبط کرلیں؛ کیونکہ انھوں نے مہاجرین کو مکہ ترک کرنے کے لئے مجبور کیا تھااور ان کی جائداد کو ہڑپ لیا تھا۔[1]

لیکن یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیئے کہ اسلام کا دائرہ کار' ذاتی انتقام اور فردی حساب چکانے کے مرحلہ سے آگے بڑھ کر در حقیقت دو بڑی قدرت کے ٹکراؤمیں بدل چکا تھا۔اور طرفین ایک دوسرے کے سپاہیوں کو کمزور کرنے میں لگ گئے تھے۔اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں کی نظر میں' دشمن کو اقتصادی نقصان پہنچانا اور ان کے اندر رعب و وحشت کا ڈالنا۔ان کے تجارتی مال' یا مال غنیمت سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن جحش کے سریہ اور جنگ بدر تک مشرکوں کا کوئی مال مسلمانوں کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔

۲۔ یہ سرگرمیاں 'ایک طرح سے مسلمانوں کی جنگی قدرت کی نمائش اور مشرکین مکہ کے لئے وارننگ تھیں کہ مدینہ پر فوجی حملہ کرنے کے بارے میں نہ سوچیں۔کیونکہ مسلمانوں میں دفاعی طاقت پیدا ہوگئی ہے اور وہ ان کے حملوں کا دفاع کرسکتے ہیں۔جیسا کہ ہم قریش کی مخالفت کے اسباب و علل کے تجزیہ کی بحث میں پڑھ چکے ہیں کہ جس وقت پیغمبر اسلاؐم مکہ میں رہ رہے تھے اور مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی تو قریش کے سرمایہ دار اپنے اقتصادی تسلط کا زوال دیکھ رہے تھے اور اب جبکہ شہر مدینہ کافی امکانات اور استعداد کے ساتھ ایک اسلامی مرکز میں تبدیل ہوگیا تھا کس طرح ممکن تھا کہ مکہ کے ثروت پرست اپنے کو امان میں سمجھیں 'اس وجہ سے ضروری تھا کہ شروعات مسلمانوں کی طرف سے ہو' تاکہ مشرکین اس شہر پر قبضہ نہ کرسکیں۔

۳۔ شاید یہ فوجی سرگرمیاں ایک طرح سے مدینہ کے یہودیوں کے لئے بھی الٹی میٹم تھیں (جو اپنی دشمنی کو آشکار کرچکے تھے) تاکہ تخریب کاری سے ہاتھ اٹھالیں اور فوجی کاروائی کا ارادہ نہ کریں ورنہ مسلمان' فتنہ کی آگ کو سختی کے ساتھ خاموش کردیں گے۔[2]

عبد اللہ بن جحش کا سریہ

ہجرت کے دوسرے سال رجب کے مہینہ میں پیغمبرؐ نے عبد اللہ بن جحش (اپنے پھوپھی کے لڑکے) کو مہاجرین میں سے آٹھ افراد کے ساتھ ' خبر رسانی اور خفیہ اطلاعات کی مہم پر بھیجا اور ان کو مہر بند خط دیا اور فرمایا: ''دو روز راستہ طے کرنے کے بعد اس خط کو کھولنا اور اس کے مطابق عمل کرنا اور اپنے ہمراہ لوگوں میں سے کسی کو ہمراہی پر مجبور نہ کرنا'' اس نے دو دن راستہ طے کرنے کے بعد' خط کو کھولا تو حکم اس طرح سے تھا''جس وقت میرے خط کو پڑھنا اپنے راستہ کو جاری رکھنا اور جب سرزمین ''نخلہ'' میں (مکہ اور طائف کے درمیان) پہنچنا تو وہاں چھپ کر قریش کو دیکھنا اور ہم کو وہاں کی صورت حال سے آگاہ کرنا'' عبد اللہ نے اعلان کیا کہ وہ پیغمبرؐ کے حکم کی اطاعت کرتے ہیں اور ان لوگوں

---

1 پیغمبر اسلامؐ کی ہجرت کے بعد' عقیل نے مکہ میں خانہ آنحضرتؐ (شعب ابوطالب) اور بنی ہاشم نے مہاجروں کے گھروں پر قبضہ کرلیا۔ پیغمبر اسلاؐم نے فتح مکہ کے موقع پر حجون میں (مکہ کے باہر) خیمہ لگایا۔لوگوں نے عرض کیا''کیوں آپ اپنے گھر تشریف نہیں لے جاتے؟'' آپ نے فرمایا: مگر عقیل نے ہمارے لئے گھر چھوڑ رکھا ہے؟!! (واقدی' مغازی' ج۳' ص ۸۲۸؛ ابن سعد' طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)' ج۱' ص ۱۳۶؛ قسطلانی' المواہب اللدنیہ والمنح المحمدیہ (بیروت: دار الکتب العلمیہ' ط۱' ۱۳۱۶ھ۔ق)' ج۱' ص ۲۱۸؛ بعد میں عقیل کے وارثوں نے اس گھر کو سو دینار میں حجاج بن یوسف کے بھائیوں کے ہاتھ بیچ دیا (حلبی' السیرۃ الحلبیہ' ج۱' ص ۱۰۲۔ ۱۰۱؛ اسی طرح خاندان بنی جحش بن رئاب کے ہجرت کرنے کے بعد' ان کے گھر مکہ میں خالی پڑے رہے۔ابوسفیان نے یہ کہکر کہ ان کی لڑکی ان میں سے ایک کی زوجہ ہے' ان کے گھروں کو لے لیا۔ (ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج۲' ص ۱۴۵)' اس کے علاوہ صہیب کے مدینہ ہجرت کرتے وقت' مشرکین نے ان کا پیچھا کیا اور مال و دولت کو چھین لیا لیکن اس کی جان بچ گئی (ابن ہشام' ج۲' ص ۱۲۱.)

2 محمد حسین ہیکل' حیات محمدؐ (قاہرہ: مکتبۃ النہضۃ المصریہ' ط۸' ۱۹۶۳م)' ص ۲۴۸۔ ۲۴.

سے کہا "جو شخص بھی شہادت کے لئے تیار ہے آئے ' ورنہ آزاد ہے اور پلٹ جائے۔ ان سب نے کہا کہ ہم تیار ہیں۔ یہ گروہ "نخلہ" میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ قریش کا ایک قافلہ عمر بن الحضرمی کی سر پرستی میں طائف سے مکہ پلٹ رہا تھا۔ عبد اللہ اور اس کے ساتھیوں نے چاہا کہ قافلہ پر حملہ کر دیں لیکن ماہ رجب کا آخری دن تھا۔ ایک نے دوسرے سے کہا : اگر یہ لوگ حرم میں داخل ہوگئے تو تقدس حرم کی خاطر ان سے جنگ نہیں ہو سکے گی اور اگر یہاں پر ہم ان سے جنگ کریں تو ماہ حرام کی حرمت کو پائمال کر دیں گے۔

آخر کار قافلے پر حملہ کر دیا اور عمرو بن الحضرمی کو قتل کر ڈالا اور دو لوگوں کو اسیر کر لیا اور مال غنیمت اور اسیروں کے ساتھ مدینہ پلٹ آئے۔ پیغمبرؐ نے 'ان کے اس خود سرانہ اقدام پر افسوس ظاہر کیا اور اسیروں اور مال غنیمت کو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا : "میں نے نہیں کہا تھا کہ ماہ حرام میں جنگ نہ کرنا"

اس واقعہ کا بہت چرچہ ہوا' ایک طرف اس گروہ کی جنگ و خون ریزی حرام مہینہ میں مسلمانوں کے لئے دشوار بن گئی اور عبد اللہ کی سرزنش کی اور دوسری طرف سے قریش اس واقعہ کا غلط پروپیگنڈہ کر کے کہتے تھے۔ محمدؐ نے حرام مہینے کے تقدس اور احترام کو پائمال کر دیا ہے 'اور اس مہینہ میں خون ریزی کی ہے ! یہودی بھی اس پر زہر چھڑک کر کہہ رہے تھے : یہ کام مسلمانوں کے ضرر میں تمام ہوگا' اسی وقت فرشتۂ وحی نازل ہوا اور خدا کا فرمان سنایا :

"پیغمبر یہ آپ سے محترم مہینوں میں جہاد کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ ان میں جنگ کرنا گناہ کبیرہ ہے اور راہ خدا سے روکنا اور خدا اور مسجد الحرام کی حرمت کا انکار کرنا ہے اور اہل مسجد الحرام کو وہاں سے نکال دینا خدا کی نگاہ میں جنگ سے بھی بدتر گناہ ہے اور فتنہ و فساد برپا کرنا تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ اور یہ کفار و مشرکین برابر تم لوگوں سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کے امکان میں ہو تو تم کو تمہارے دین سے پلٹا دیں . . . "۔[1]

ان آیات کے نزول کے ذریعہ کہ جس میں عبد اللہ کے ضمنی تبرۂ کے ساتھ قریش کو فتنہ کا باعث اور ان کے گناہ کو ماہ حرام میں قتل سے بہت بڑا بتایا گیا ہے مسلمانوں کے خلاف جو فضا مکدر ہو گئی تھی وہ ختم ہو گئی اور پیغمبرؐ نے قریش کے نمائندوں کی درخواست پر اسیروں کو رہا کر دیا' ان میں سے ایک مسلمان ہو کر مدینہ میں رہ گیا۔[2]

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی افراد' یا پارٹیاں اپنے حسن نیت (لیکن سوء تدبیر کے ساتھ) کی بنا پر ایسے اقدامات انجام دیتی ہیں جس کے برے اثرات سماج میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کی حسن نیت' ان کے اقدامات کے خطرناک نتائج کا جبران نہیں کر سکتی ہے۔ عبد اللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کا اقدام بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔

جنگ بدر

یہ جنگ' پیغمبرؐ کی فوجی مشقوں' اور شام کی طرف قریش کے تجارتی راستہ کی دھمکی کے بعد ہوئی اور یہ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان پہلی بڑی جنگ تھی جیسا کہ ہم نے کہا ہے کہ پیغمبر اسلاؐم نے جمادی الآخر کے مہینہ میں قریش کے قافلہ کا جو ابوسفیان کی سربراہی میں شام کی

---

1 سورۂ بقرہ' آیت ۲۱۷.

2 ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' (مطبعہ مصطفیٰ البابی' الحلبی' ۱۳۵۵ھ.ق) 'ج ۲' ص ۲۵۵ـ ۲۵۲؛ . . . .

طرف جارہاتھا' سرزمین "ذات العُشَیرہ" تک تعاقب کیالیکن ان تک پہنچ نہ سکے۔اس وجہ سے شام کے علاقہ میں سراغ رسان سپاہیوں کو بھیجا جن کے ذریعہ کفار قریش کے قافلہ کے پلٹنے کی خبر ملی۔[1]

مال واسباب کے لحاظ سے قافلہ بہت بڑا تھا۔ان کے اونٹ کی تعداد ایک ہزار تھی اور ان کا سرمایہ ۵۰ ہزار دینار نقل ہوا ہے کہ جس میں تمام قریش شریک تھے۔[2]

قافلوں کا قدرتی راستہ' بدر کے علاقہ سے شروع ہوتا تھا۔[3] پیغمبر اسلامؐ نے قافلہ کو ضبط کرنے[4] کے لئے تین سو تیرہ افراد[5] اور بہت کم امکانات[6] کے ساتھ' بدر کی طرف گئے۔

ابوسفیان شام سے پلٹتے وقت پیغمبرؐ کے ارادہ سے آگاہ ہوگیا۔لہٰذاایک طرف مکہ میں اپنا تیز رفتار نمائندہ بھیج کر قریش سے مدد مانگی[7] اور دوسری جانب سے قافلہ کے راستہ کو داھنی طرف (بحر احمر کے ساحل کی طرف) موڑ دیااور قافلہ کو تیزی کے ساتھ'خطرے کے مقام سے دور کردیا۔[8]

ابوسفیان کی درخواست پر نوسو پچاس[9] جنگجو مکہ سے قافلہ کی نجات کے لئے مدینہ کی طرف گئے۔جبکہ مشرکین راستے میں ہی قافلے کی نجات سے آگاہ ہوگئے تھے لیکن ابوجہل کی لجاجت اور ہٹ دھرمی نے ان کو ٹکراؤپر مجبور کردیا۔ابھی مسلمان قافلہ کی جستجو میں تھے کہ پیغمبرؐ کو خبر ملی کہ لشکر قریش بدر کے علاقہ کے قریب پہنچ چکاہے۔لہٰذاایسے موقع پر کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہوگیاتھا۔کیونکہ تھوڑے سے سپاہیوں اوراسلحوں کے ساتھ قافلہ کے افراد کو گرفتار کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے نہ کہ ایسی فوج سے جنگ کرنے کے لئے آئے تھے جن کے سپاہیوں کی تعدا' ان کے سپاہیوں کے تین برابر ہو۔اگر (بالفرض) عقب نشینی بھی کرنا چاہتے تو فوجی مشقوں کے پروپیگنڈہ کا اثر ختم ہوجاتااور ممکن تھا

---

1 واقدی'گزشتہ حوالہ'ج۱'ص۲۰.

2 واقدی'گزشتہ حوالہ'ص۲۷؛ مجلسی'بحار الانوار' (تہران: دار الکتب الاسلامیہ'۱۳۸۵ھ.ق)'ج۱۹'ص۲۴۸۔۲۴۵.

3 بدر'شہر مدینہ کے جنوب غربی میں پڑتا ہے جو آج ایک شہر کی شکل میں بدل گیاہے اور علاقائی مرکز اسی نام پر ہے مدینہ کی شاہراہ' جدہ اور مکہ کی طرف اسی جگہ سے گزرتی ہے۔اور یہاں سے مدینہ کا فاصلہ ۱۵۳ کلو میٹر اور مکہ کا فاصلہ ۳۴۳ کلو میٹر ہے۔ (محمد عبدہ یمانی' بدر الکبریٰ' جدہ: دار القبلہ للثقافہ الاسلامیہ' ط۱' ۱۴۱۵ھ۔ق)'ص۲۵۔اور جس وقت سے مدینہ اور مکہ کے درمیان شاہراہ بنی ہے۔حج کے زمانہ میں حاجیوں کا سفر اس راستہ سے نہیں ہوتا ہے.

4 ابن ہشام'گزشتہ حوالہ'ج۲'ص۲۵۸.

5 محمد بن سعد'طبقات الکبریٰ' (بیروت: دار صادر)'ج۲'ص۲۰'طبری'گزشتہ حوالہ'ج۲'ص۲۷۲.

6 مسلمانوں کے پاس ستر (۷۰) اونٹ تھے اور چند افراد ایک اونٹ پر سوار ہوتے تھے (واقدی'گزشتہ حوالہ'ص۲۶؛ ابن ہشام'گزشتہ حوالہ'ص۲۶۳) اور صرف ایک گھوڑا (شیخ مفید' الارشاد'ص۳۷؛ ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالب'ج۱'ص۱۸۷؛ مجلسی' بحار الانوار'ج۱۹'ص۳۲۳؛ مسند احمد'ج۱'ص۱۲۵؛ اور بنابر نقل دو گھوڑا رکھتے تھے (واقدی'گزشتہ حوالہ'ص۲۶؛ ابن سعد'گزشتہ حوالہ'ص۲۴۔۲۲؛ تاریخ یعقوبی'ج۲'ص۳۷)'اور چھ جنگی زرہ اور آٹھ تلوار رکھتے تھے۔ (ابن شہر آشوب'گزشتہ حوالہ'ص۱۸۷؛ مجلسی'گزشتہ حوالہ'ج۱۹'ص۳۲۳)

7 ابن ہشام'گزشتہ حوالہ'ج۲'ص۲۵۸؛ واقدی'گزشتہ حوالہ'ج۱'ص۲۸.

8 ابن ہشام'گزشتہ حوالہ'ص۲۷۰؛ واقدی'گزشتہ حوالہ'ص۴۱.

9 ابن ہشام'گزشتہ حوالہ'ج۲'ص۲۶۹؛ ابن سعد'گزشتہ حوالہ'ج۲'ص۱۵؛ ابن شہر آشوب'گزشتہ حوالہ'ج۱'ص۱۸۷؛ مجلسی'گزشتہ حوالہ'ج۱۹'ص۲۱۹.

کہ دشمن ان کا پیچھا کر کے مدینہ پر حملہ کر دیتے۔ لہٰذا فوراً ایک فوجی کمیٹی تشکیل پانے کے بعد، پیغمبرؐ نے مسلمانوں (خاص طور سے انصار) کی رائے اور مشورہ سے اور مقداد اور سعد بن عبادہ کی پرجوش تقریر کے بعد دشمن سے جنگ کا ارادہ کر لیا۔[1]

۱۷ رمضان[2] کی صبح کو، جنگ کا آغاز ہوا۔ شروع میں حمزہ، عبیدہ اور علیؑ نے شیبہ، عتبہ اور ولید بن عتبہ سے الگ الگ جنگ کی اور اپنے مدمقابل کو قتل کیا[3] اور یہ سرداران قریش کے حوصلہ پر سخت چوٹ تھی[4] لہٰذا اسی وقت عمومی جنگ شروع ہو گئی۔ لشکر اسلام اتنی تیزی کے ساتھ کامیاب ہوا کہ ظہر کے وقت[5] جنگ دشمن کی شکست اور عقب نشینی پر تمام ہو گئی۔ مشرکین میں ۷۰ افراد مارے گئے[6] اور ستر (۷۰) افراد اسیر ہوئے[7] اور مسلمانوں میں سے چودہ (۱۴) افراد شہید ہوئے۔[8]

پیغمبر اسلامؐ کی موافقت سے قیدی خون بہا دے کر آزاد ہو گئے اور جن کے پاس پیسہ نہ تھا لیکن پڑھے لکھے تھے ان کے بارے میں رسول اسلامؐ نے حکم دیا کہ انصار کے دس جوانوں کو پڑھنا لکھنا سکھائیں پھر آزاد ہو جائیں۔[9] اور بقیہ اسیر پیغمبر اکرمؐ کے احسان پر آزاد ہوئے۔[10]

مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب

مسلمانوں کی درخشاں کامیابی، ان کے پہلے فوجی حملہ میں ہی، قریش کے رعب و حشمت کو توڑ دیا اور ان کو سرگرداں اور مبہوت کر دیا، لشکر قریش کی شکست اس قدر غیر متوقع تھی کہ جب رسول خداؐ کا نمائندہ، لشکر اسلام کے مدینہ پلٹنے سے پہلے، شہر میں داخل ہوا اور کامیابی کی خبر سنائی، تو مسلمانوں کو شروع میں باور نہ ہوا اور نمائندہ کو جنگ سے فراری اور ہارا ہوا سمجھا۔[11]

---

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۲۶۸۔ ۲۶۶؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۴۹۔ ۴۸؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۴

2 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۲۷۸؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ۱۹۔ ۱۵ و ۲۰.

3 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۲۷۷؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۳۔ ۷ اور ۲۴؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۱۹، ص ۲۷۹؛ ابن اثیر الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ج ۲، ص ۱۲۵.

4 شیخ مفید، الارشاد، (قم: الموتمر العالمی الفیہ الشیخ المفید، ط ۱، ۱۴۱۳ھ. ق)، ص ۶۹.

5 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۲؛ پیغمبر اسلامؐ نے جنگ تمام ہونے کے بعد مدینہ کے راستہ میں نماز عصر پڑھی (واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۴۔ ۱۱۲)

6 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۲۹۴؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۷۔

7 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۲۔ ۱۸؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۶؛ طبری، گزشتہ حوالہ، صص ۲۹۴؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۷؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج ۱، ص ۱۸۹؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۱۹، ص ۲۹۱۔

8 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷؛ تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۷؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸۹۔

9 زید بن ثابت نے اس طرح سے لکھنا پڑھنا سیکھا۔

10 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۸۔

11 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۱۱۵۔

لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ اسیروں کو شہر میں لایا گیا۔ اس کامیابی کا چرچہ حبشہ تک پہنچا اور جب نجاشی کو یہ خبر ملی تو اس نے خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان مہاجروں کو دربار میں بلایا اور یہ خوش خبری ان کو سنائی۔[1]

پیغمبر اسلاؐم نے فرمایا :

''جنگ بدر وہ پہلی جنگ تھی جس میں خداوند عالم نے اسلام کو عزیز اور شرک کو ذلیل و خوار کیا۔[2]

شیطان' جنگ بدر کے دن اس قدر ذلیل و خوار ہوا کہ (عرفہ کے دن کے علاوہ کہ خدا کی رحمت کے نزول اور بڑے گناہوں کی مغفرت کا مشاہدہ کیا تھا) کبھی ایسا نہیں ہوا تھا''۔[3]

اس حیرت انگیز کامیابی کے اسباب و علل کو اس طرح سے خلاصہ کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے :

۱۔ پیغمبرؐ کی لائق اور شائستہ کمانڈری[4] اور آپ کی شجاعت اور دلیری؛ علیؑ جنگ بدر کو یاد کر کے فرماتے ہیں : ''جس وقت جنگ کی آگ سخت شعلہ ور ہوئی تو ہم رسول کی پناہ میں چلے گئے اور اس وقت ہم میں سے کوئی بھی' آپ سے زیادہ دشمن سے نزدیکتر نہیں تھا''۔[5]

۲۔ علیؑ کی بے نظیر شجاعت اور جان نثاری؛ اس طرح سے کہ جنگ میں مارے گئے دشمنوں میں سے نصف کو آپ نے اکیلے قتل کیا تھا۔[6]

شیخ مفید نے ۳۵ لوگوں کا نام لیا ہے۔ جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے' اور کہتے ہیں : شیعہ اور اہل سنت راویوں نے بطور اتفاق لکھا ہے کہ اتنے افراد کو علیؑ نے قتل کیا ہے اس کے علاوہ اور بھی قتل ہوئے تھے جن کے قاتل کے بارے میں اختلاف ہے یا علیؑ ان کے قتل میں شریک تھے۔[7]

---

1 گزشتہ حوالہ' ص ۱۲۱.

2 گزشتہ حوالہ' ص ۲۱.

3 گزشتہ حوالہ' ص ۷۸.

4 اس کے باوجود کہ پیغمبر اسلاؐم بعثت سے قبل' فوجی سابقہ نہیں رکھتے تھے اور مورخین نے صرف ان کی شرکت جوانی میں (یا نوجوانی میں) جنگ ''فجار'' میں نقل کی ہے اور اس میں شک پایا جاتا ہے' لیکن اس کے باوجود آپ ایک ٹریننگ یافتہ کمانڈر یا تجربہ کار کمانڈر کی طرح' اتنے اچھے طریقہ سے کمانڈری کے فرائض انجام دیئے کہ کبھی بھی مسلمانوں کو اس طرح سے فتح حاصل نہیں ہوئی۔

5 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۲۳؛ مسند احمد حنبل' ج ۱' ص ۱۲۶؛ ابن ابی الحدید' شرح نہج البلاغہ' تحقیق : محمد ابوالفضل ابراہیم (قاہرہ : دار احیاء الکتب العربیہ' ۱۹۶۱ء)' ج ۱۳' ص ۲۷۹۔

6 ابن ابی الحدید' گزشتہ حوالہ' ج ۱' مقدمہ' ص ۲۴؛ شیخ مفید' الارشاد' (قم : المؤتمر العالمی لألفیۃ الشیخ المفید' ط ۱' ۱۴۱۳ھ. ق)' ص ۲۷۔

7 شیخ مفید' گزشتہ حوالہ' ص ۷۲۔۷۰؛ بلاذری اور واقدی نے اس گروہ کی تعداد ۱۸ افراد نقل کی ہے (انساب الاشراف' ج ۱' ص ۳۰۱۔۲۹۷؛ المغازی' ج ۱' ص ۱۵۲؛ اسی طرح سے رجوع کریں؛ بحار الانوار' ج ۱۹' ص ۲۹۳) جنگ خندق' جنگ بدر کے تین سال بعد ہوئی۔ جس وقت عمرو بن عبدود' عرب کا مشہور پہلوان' خندق کے کنارے لڑنے کے لئے چیلنج کر رہا تھا تو علیؑ اس کے مقابلہ میں گئے اس نے علیؑ سے کہا : تمہارا باپ میرا دوست تھا لہٰذا میں نہیں چاہتا ہوں کہ تم میرے ہاتھ سے قتل ہو! ۔ ابن ابی الحدید معتزلی' نہج البلاغہ کا مشہور شارح اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ ''ہمارے استاد ابوالخیر مصدق بن شبیب نحوی جس وقت اس حصہ کو پڑھاتے تھے تو کہتے تھے : عمرو نے جھوٹ کہا ہے اس نے علیؑ کی جنگ کو بدر و احد میں دیکھ رکھا تھا لہٰذا اگر ان سے لڑتا تو قتل ہو جاتا' اس وجہ سے بہانہ کیا اور اس طرح سے علیؑ سے لڑنے میں دیر کیا''۔ (شرح نہج البلاغہ' ج ۱۹' ص ۶۴)

۳۔ اگرچہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے مدینہ سے نکلتے وقت، بے رغبتی اور کھلے انداز میں ناپسندی کا اظہار کیا تھا۔[1] اور نیز کچھ بزرگ مہاجروں نے، فوجی کمیٹی میں، اپنی کمزوری کا اظہار کیا اور ناامید کرنے والی باتیں کہیں۔[2] لیکن زیادہ تر مسلمان ایمان میں غرق اور ان کے حوصلہ بلند تھے۔ اور اس طرح سے بہادرانہ انداز میں لڑے کہ مشرکوں کو بہت تعجب ہوا۔

۴۔ خدا کی غیبی مدد[3] چند طریقے سے ہوئی:

الف: جنگ کی رات بارش کا ہونا، جس سے مسلمانوں کی پانی کی ضرورت پوری ہوگئی اور ان کے قدموں کے نیچے کی زمین سخت ہوگئی، اور اس پر چلنا آسان کام ہوگیا۔[4]

ب: اس رات مسلمانوں کو بڑی اچھی نیند آئی[5] اور وہ سکون سے سوئے صرف پیغمبر اسلاؐم صبح تک بیدار رہے اور لشکر اسلام کی کامیابی کے لئے دعا کرتے رہے۔[6]

ج: مسلمانوں کی نصرت و مدد کے لئے فرشتوں کا نزول اور ان کا میدان جنگ میں حاضر ہونا۔[7]

د: مشرکین کے دلوں میں رعب و وحشت کا ڈالنا۔[8]

اسلامی لشکر کی کامیابی کے نتائج اور آثار

اس جنگ میں، اسلامی فوج کی کامیابی سے جو آثار و نتائج حاصل ہوئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

ا۔ خداوند عالم نے پہلے ہی مسلمانوں سے مشرکین کے قافلہ یا مکہ کے فوجیوں کے مقابلہ میں کامیابی کا وعدہ کیا تھا۔[9] اور پیغمبر اسلاؐم نے جنگ کی کمیٹی کے جلسہ کے آخر میں خدا کا یہ وعدہ مسلمانوں کو پہنچادیا تھا۔[10] اور خدا کی نصرت و مدد سے اس کامیابی کے ملنے پر مسلمان خوش ہوگئے۔ اور ان کا ایمان و اعتقاد قوی اور مستحکم ہوگیا۔

---

1 سورۂ انفال، آیت ۶۔۵

2 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۴۸؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، (انسان العیون) (بیروت: دار المعرفہ)، ج۲، ص۳۸۶۔۳۸۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۹، ص۲۴۷۔

3 سورۂ آل عمران، آیت ۱۲۳

4 سورۂ انفال، آیت ۱۱؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۵۴؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۱۵ و ۲۵۔

5 سورۂ انفال، آیت ۱۱؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۵۴؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ص۳۹۲۔ لیکن قریش خوف و اضطراب کی وجہ سے صبح تک بیدار تھے اور تکلیف کی وجہ سے کھانا نہیں کھا سکتے تھے۔ (واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۵۴۔

6 شیخ مفید، گزشتہ حوالہ، ص۷۳؛ مسند احمد، ج۱، ص۱۲۵؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۱۹، ص۲۷۹۔

7 سورۂ انفال، آیت ۹؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۷۶۔۷۹؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۲۸۶

8 سورۂ انفال، آیت ۱۲.

9 سورۂ انفال، آیت ۷.

10 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۴۹.

۲۔ منافقین اور مدینہ کے یہودی اس کامیابی سے بہت ناراض ہوئے اور ذلت و خواری کا احساس کیا جس وقت رسول خداؐ کے نمائندہ نے مسلمانوں کی بڑی کامیابی کی اطلاع مدینہ کے لوگوں کو دی۔ منافقین نے افواہیں پھیلانا شروع کردیں اور کہنے لگے : ''محمدؐ قتل کر دیئے گئے ہیں اور مسلمان شکست کھاکر متفرق ہوگئے ہیں''۔[1]

یہودیوں نے بھی اپنے کینہ کا اظہار کیا۔[2] کعب الاشرف، جو کہ یہودیوں کے بزرگوں میں سے تھا، اس نے کہا: یہ جو کہتے ہیں کہ جنگ میں مارے جانے والے عرب کے بڑے اور سربرآوردہ لوگ تھے۔ اگر یہ خبر درست ہے تو اس روئے زمین کی زندگی سے بہتر زمین کے نیچے دفن ہو جانا ہے''۔[3]

۳۔اطراف مدینہ کے قبائل: اس کامیابی کو اسلام کی حقانیت اور خدا کی نصرت کی نشانی سمجھ کر اسلام کی طرف راغب ہوگئے۔

یعقوبی لکھتاہے: جب خداوند عالم نے جنگ بدر میں اپنے پیغمبرؐ کو سرافراز اور کامیاب کردیا اور قریش کے کچھ لوگ قتل ہوگئے تو قبائل عرب، اسلام کی طرف راغب ہوگئے اور کچھ وفود کو پیغمبرؐ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ آگے لکھتا ہے کہ جنگ بدر کے چار یا پانچ مہینے بعد قبیلہ ربیعہ، سرزمین ''ذی قار'' میں کسریٰ سے لڑا اور انھوں نے ایک دوسرے سے کہا: کہ میدان جنگ میں اس تہامی (محمدؐ) کے شعار سے استفادہ کرو اس وقت وہ یا محمدؐ، یا محمدؐ کی فریاد کے ساتھ لڑے اور کامیاب ہوئے۔[4]

۴۔ قریش کے لوگ متوجہ ہوئے کہ محمدؐ کی قدرت اور مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ لگانے میں وہ اپنے محاسبات میں غلطی اور اشتباہ کا شکار ہوئے ہیں۔ وہ ہرگز تصور نہیں کرتے تھے کہ انھیں اتنی سخت شکست، چند فراری لوگوں کے ہاتھ ''کاشتکاروں کی مدد سے' اٹھانی پڑے گی۔

قریش اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کی تجارت خطرے میں پڑ جائے گی اور اب وہ مکہ کے تجارتی راستے سے شام نہیں جاسکتے ہیں۔

صفوان بن امیہ نے قریش کے سرداروں کے مجمع میں کہا: ''محمدؐ اور اس کے ساتھیوں نے ہماری تجارت کو خطرہ میں ڈال دیا ہے نہیں معلوم ان کے ساتھ کیا کریں؟ وہ ساحل کو نہیں چھوڑیں گے اور ساحل کے لوگ سب ان کے ہم پیمان اور ساتھ ہوگئے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کہاں جائیں؟ اس شہر میں ہمارے اخراجات، گرمیوں میں شام کے تجارتی سفر سے اور جاڑوں میں حبشہ کے تجارتی سفر سے، پورے ہوتے تھے۔ اگر ہم اسی طرح اس شہر میں رہیں تو مجبور ہو کر ہمیں اپنا سارا سرمایہ کھانا پڑے گا اور اپنی ساری دولت سے ہاتھ دھونا پڑے گا اور ہماری زندگی ختم ہو جائے گی''۔

آخر کار اس مجمع میں طے پایا کہ عراق کے راستے سے شام جائیں اس وقت صفوان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ، جس میں تنہا اس کا حصہ تین لاکھ درہم تھا، عراق کے راستے سے شام کی طرف روانہ ہوا۔ پیغمبر اسلامؐ اس قافلہ کی روانگی سے باخبر ہو کر جمادی الآخر ۳ھ میں ایک سو سپاہیوں کا ایک دستہ زید بن حارثہ کی سربراہی میں ان کے اموال کو ضبط کرنے کے لئے بھیجا۔ جب دستہ وہاں پہنچا تو یہودی قافلہ کے اکثر

1 گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: محمد حمید اللہ، (قاہرہ: دارالمعارف، ط ۳.)، ج ۱، ص ۲۹۴.

2 طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۲۹۷.

3 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۱۲۱؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۵۵؛ رجوع کریں: بیہقی، ج ۲، ص ۳۴۱۔

4 تاریخ یعقوبی، (نجف: المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۴ھ. ق)، ج ۲، ص ۳۸.

آدمی فرار کر گئے تھے۔ اسلامی سپاہیوں نے ان کے مال کو ضبط کر لیا اور ایک یا دو اسیر کے ساتھ مدینہ پلٹ آئے۔[1] تاریخ میں اس ماموریت کو "سریۃ القرَدَہ"[2] کہا گیا ہے۔[3]

بنی قینقاع کی عہد شکنی

بنی قینقاع، پہلا یہودی قبیلہ تھا جس نے اپنے دوستی اور عدم تجاوز کے عہد کو توڑا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی، یہودیوں اور منافقوں کے لئے بہت شاق، اور انھیں ناراض کرنے والی تھی۔ اس بنا پر یہ قبیلہ جنگ بدر کے بعد سے، دشمنی دکھانے لگا۔ پیغمبرؐ نے ان کو خبر دار کیا کہ قریش کے انجام سے نصیحت لو اور مسلمان ہو جاؤ کیونکہ تم لوگوں نے ہمارے صفات اور نشانیوں کو اپنی کتاب میں پڑھ رکھا ہے اور میری نبوت سے اچھی طرح آگاہ ہو۔[4]

ان لوگوں نے کہا: قریش پر کامیابی نے تم کو مغرور کر دیا ہے، قریش تاجر پیشہ لوگ تھے اگر ہم سے جنگ کی تو دیکھنا کہ ہم اہل جنگ ہیں! ان تکبرانہ باتوں کے ذریعہ انھوں نے پیغمبرؐ کی وارننگ پر خاص توجہ نہیں دی، اور اسی طرح اپنے اختلافات کو بر قرار رکھا۔ ایک دن ان یہودیوں میں سے ایک نے، مدینہ کے اطراف میں اس قبیلہ کے ایک بازار میں، ایک انصار کی زوجہ کی اہانت کی۔ اس حرکت سے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ اس عورت نے مسلمانوں سے فریاد کی تو ایک مسلمان نے اس یہودی کو قتل کر دیا۔ اس پر سارے یہودی، اس مسلمان پر ٹوٹ پڑے اور اسے قتل کر دیا۔ اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے دو لوگ مارے گئے لیکن اگر وہ حسن نیت سے کام لیتے تو دوبارہ امنیت کا بر قرار ہونا ممکن تھا، اور اس طرح کے واقعات دوبارہ پیش نہ آتے۔ لیکن ان لوگوں نے احتیاطی تدبیریں اپنانے کے بجائے قلعہ میں جا کر پناہ لے لی اور مسلمانوں کے خلاف مورچہ سنبھال لیا۔

پیغمبر اسلامؐ نے ان کے قلعہ کے محاصرہ کا حکم صادر فرمایا۔ پندرہ دن محاصرہ کے بعد، عبد اللہ ابن ابی (خزرجی) جو کہ پہلے ان کا ہم پیمان تھا اس کے کہنے پر پیغمبر اسلامؐ نے موافقت کی کہ وہ اپنے اسلحوں کو چھوڑ کر مدینہ کے باہر چلے جائیں۔ چنانچہ وہ لوگ شام کے "اذرعات" علاقہ میں چلے گئے۔ یہ واقعہ ہجرت کے دوسرے سال ماہ شوال میں پیش آیا۔[5]

بنی قینقاع، شجاع ترین یہودی تھے[6] اور جیسا کہ ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ساز و سامان اور قدرت پر مغرور تھے۔

---

1 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۱۹۸۔ ۱۹۷۔

2 "سریۃ القرَدہ" بھی نقل ہوا ہے (بحار الانوار، ج۲۰، ص ۴؛ حوالہ، طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۵۔

3 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۵۴۔ ۵۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۰، ص ۵۔ ۴۔

٤ " قل للذين كفروا ستغلبون و تحشرون الى جهنم و بئس المهاد . قد كان لكم آية فى فئتين التقتا فئة تقاتل فى سبيل اللّٰه و اخرىٰ كافرة يرونهم مثليهم رأى العين واللّٰه يؤيد بنصره من يشاء ان فى ذالك لعبرة لاولى الابصار" سورۂ آل عمران، آیت ۱۳- ۲۱۔

5 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۵۲۔ ۵۰؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۰۹۔ ۳۰۸؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۲۹۸۔ ۲۹۷۔

6 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۸۔

اور شاید اپنے ہم نواؤوں، خزرج اور بنی عوف[1] کی حمایت سے بھی دلگرم ہوگئے تھے۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ خزرجی جو کہ سب سے آگے تھے اور واسطہ بنے ہوئے تھے۔ وہ بھی ان کی سزاؤوں کے کم کرانے میں کچھ نہیں کرسکے[2] عبادہ بن صامت عوفی بھی ان سے الگ ہوگئے۔[3]

دوسری طرف سے یہودیوں کے دو قبیلے بنی نضیر اور بنی قریظہ کے پہلے ہمنوا، اوسی تھے اور گویا اسی وجہ سے وہ بنی قینقاع کی مدد کے لئے آگے نہیں بڑھے۔ اور شاید سعد بن معاذ۔

اوس کا سردار۔ اس بحران میں ان کے مداخلہ کو روکنے کے لئے اہم کردار رکھتا تھا۔ بہرحال مدینہ سے اس قبیلہ کی جلاوطنی، مسلمانوں کے لئے مفید ثابت ہوئی۔ اور اس طرح سے ان تینوں قبیلوں کی قدرت بھی بٹ گئی اور مدینہ کے بقیہ یہودیوں کے لئے ایک طرح سے وارننگ بھی تھی کہ اس طرح کی غلطیاں وہ آئندہ نہ کریں۔

جناب فاطمہ زہراؑ سے حضرت علیؑ کی شادی

جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد دوسرا مبارک واقعہ جو خانۂ حضرت محمدؐ میں رونما ہوا، وہ علیؑ کی شادی تھی جو آپؐ کی دختر، فاطمہ زہراؑ سے ہوئی۔[4]

فاطمہ زہراؑ، پیغمبر اکرمؐ کے خاص اکرام واحترام کے لحاظ سے اور اپنی لیاقت اور ممتاز شخصیت وفضیلت کے اعتبار سے ایسی خاتون تھیں جن کے متعدد لوگ خواستگار تھے۔ پیغمبر اسلامؐ کے چند معروف اصحاب، جن میں بعض سرمایہ دار بھی تھے، ان سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پیغمبرؐ نے موافقت نہیں کی[5] اور فرمایا: "خدا کے فیصلہ کا منتظر ہوں"[6] انھوں نے حضرت علیؑ کو مشورہ دیا کہ فاطمہؑ کی خواستگاری کے لئے جائیں۔

پیغمبرؐ نے جناب فاطمہؑ کی رائے معلوم کرنے کے بعد علیؑ کی خواستگاری کی موافقت کردی۔[7] اور اپنی دختر سے فرمایا: "تجھ کو ایسے شخص کی زوجیت میں دے رہا ہوں جو سب سے نیک اور اسلام لانے میں پیش قدم تھا"[8] اور علیؑ سے بھی فرمایا: "قریش کے کچھ لوگ ہم سے نالاں ہیں کہ کیوں اپنی دختر انھیں نہیں دی۔ میں نے ان کے جواب میں کہا: یہ کام خدا کے ارادہ سے ہوا ہے۔ فاطمہ کی ہمسری کے لئے علی کے علاوہ کوئی شائستگی نہیں رکھتا ہے"۔[9]

---

1 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۸؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۵۰.

2 گویا پیغمبر اسلامؐ نے عبد اللہ بن ابی کے واسطہ بننے کو اس اعتبار سے قبول کیا کہ بظاہر وہ مسلمان تھا اور مسلمانوں کی وحدت کی بقاء اور فتنہ وفساد کو روکنے کے لئے کوشش کررہا تھا۔

3 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۷۹.

4 مجلسی، بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۹۷

5 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ۱۰۸؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۳۴.

6 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، (بیروت: دار صادر)، ج ۸، ص ۱۹.

7 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۳.

8 امینی، الغدیر، ج ۳، ص ۲۰.

9 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۲.

یہ شادی نہایت ہی سادگی اور خوشحالی کے ساتھ تھوڑے سے مہر[1] اور مختصر سے جہیز کے ساتھ انجام پائی[2] جو اسلام میں ازدواجی روابط کے لئے معنوی قدر و قیمت کے اعتبار سے اعلیٰ ترین نمونہ سمجھی جاتی ہے۔

جنگ احد

قریش نے جنگ بدر میں شکست کھانے کے بعد، مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے تجارتی قافلہ کے منافع کو خرچ کر کے، مدینہ پر حملہ کرنے کے مقدمات فراہم کر لئے۔[3] اور بعض قبائل کی حمایت حاصل کر کے بہت سارے جنگی ساز و سامان[4] کے ساتھ مکہ سے نکل پڑے اور میدان جنگ میں سپاہیوں کی تشویق کے لئے کچھ عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔[5]

پیغمبر اسلامؐ، مکہ میں اپنے چچا عباس کی مخفی خبر کے ذریعہ قریش کے ارادے سے آگاہ ہوگئے۔[6] اور آپ نے ایک فوجی کمیٹی بنا کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے، مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ عبد اللہ ابن ابی اور انصار کے کچھ بزرگ نیز بعض مہاجر شخصیتیں جیسے حمزہ، چاہتے تھے کہ شہر کے باہر دشمن سے مقابلہ کریں کیونکہ شہر میں رہنا دشمن کی جرات کا باعث بنے گا اور مسلمانوں کی ناتوانی اور کمزوری کی علامت قرار پائے گا۔ اور جنگ بدر میں سپاہ اسلام کی قدرت نمائی کے اعتبار سے نامناسب سمجھا جائے گا۔[7]

آخر کار پیغمبر اسلامؐ نے اس بہادر اور انقلابی گروہ کی رائے کو قبول کیا اور ایک ہزار[8] افراد کے ساتھ احد[9] کے پہاڑ کی طرف چل دیئے۔ بیچ راستے میں عبد اللہ بن ابی یہ بہانہ کر کے کہ پیغمبرؐ نے جوانوں کے مشورے پر عمل کیا اور ہماری رائے کو نظر انداز کیا[10] اور نیز اس بات کو دلیل بنا کر کہ جنگ نہیں ہو گی۔[11]، تین سو (۳۰۰) افراد کے ساتھ مدینہ پلٹ آیا۔

---

1 گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۲.

2 مزید آگاہی کے لئے رجوع کریں: ڈاکٹر سید جعفر شہیدی، زندگانی فاطمہ زہراؑ (تہران: دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۶۵ھ.ق)، ص ۶۷۔ ۴۴؛ امیر مھنا الخیامی، زوجات النبی واولادہ، (بیروت: موسسہ عزالدین، ط۱، ۱۴۱۱ھ.ق)، ص ۳۲۸۔ ۳۲۲.

3 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۰۰؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۶۴؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۲، ص ۳۷.

4 مشرکین کے سپاہیوں کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سات سو افراد زرہ پوش، دو سو گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ تھے۔ (واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۰۴۔ ۲۰۳؛ محمد بن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۳۷؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ (قاہرہ: داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۲م)، ج۱۴، ص ۲۱۸.

5 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۰۳۔ ۲۰۲؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۳۷؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۶۶.

6 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۰۴ اور ۲۰۶؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج۱۴، ص ۲۷؛ ایک نقل کی بنا پر قبیلہ خزاعہ جو کہ دوست دار پیغمبرؐ اور مسلمان تھا۔ اس موضوع سے پیغمبرؐ کو باخبر کیا (ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ص ۲۱۸)، اور ممکن ہے کہ دونوں طریقوں سے خبر پہنچی ہو۔

7 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۱۲۔ ۲۱۰، ۲۱۳؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۶۷؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۳۸.

8 ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعۃ العلمیہ)، ج۱، ص ۱۹۱؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص ۱۱۷.

9 احد پہاڑ، مدینہ کے شمالی سمت میں واقع ہے۔ اور قدرتی رکاوٹوں کی بنا پر دشمن جنوب کی سمت سے مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا مجبور تھا کہ اطراف شہر کا چکر لگا کر شمال کی سمت سے حملہ کرے۔ (محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ در میدان جنگ، ترجمہ سید غلام رضا سعیدی (تہران: مرکز انتشارات محمدی، ۱۳۶۳ھ.ش)، ص ۸۵۔ ۷۹.

10 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۱۹؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۳۹؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۶۸.

11 سورۂ آل عمران، آیت ۱۶۷؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۱۹؛ طبرسی، مجمع البیان (شرکتہ المعارف الاسلامیہ، ۱۳۷۹ھ.ق)، ج۲، ص ۵۳۳.

اسلامی لشکر جس کی تعداد کم ہو کر سات سو (۷۰۰) افراد ہو چکی تھی،[1] پیغمبر اسلامؐ لشکر اسلام کی تعداد کم ہونے کے باعث انھیں احد پہاڑ کے کنارے روکا۔ اس پہاڑ کو پیچھے، مدینہ کو اپنے سامنے، اور عینین پہاڑ کو مسلمانوں کے داھنی طرف قرار دیا[2] اسلامی لشکر مغرب کی سمت اور مشرکین، مشرق کی سمت میں تھے۔[3] اس وقت پیغمبر اسلامؐ نے پورے علاقے پر فوجی نقطۂ نظر سے، نظر دوڑائی تو آپ کی توجہ عینین پہاڑ کی طرف مرکوز ہو گئی؛ کیونکہ ممکن تھا کہ دوران جنگ، دشمن اس گوشے سے مسلمانوں کے محاذ کے پیچھے پہنچ جائے۔

اس بنا پر ایک مسلمان کمانڈر عبد اللہ بن جبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ اس گوشہ کی حفاظت کے لئے مامور کیا اور فرمایا: ''چاہے ہم جیتیں یا ہاریں، تم لوگ یہیں رہنا اور اسپ سوار لشکر کو تیر اندازی کے ذریعہ ہم سے دور کر دینا تاکہ پشت کی جانب سے ہم پر حملہ نہ کر سکیں''[4] و [5]

ابوسفیان نے بھی لشکر کو آراستہ کیا اور علم دار کا انتخاب کیا، اس زمانہ میں ''علمدار'' میدان جنگ میں بہت اہم کردار ادا کرتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ علم کو کسی بہادر اور دلیر شخص کے ہاتھ میں دیا جاتا تھا۔ علمدار کی استقامت و پائیداری اور میدان جنگ میں علم کا لہرانہ، سپاہیوں کے جوش و خروش کا باعث قرار پاتا تھا۔ اور اس کے برخلاف علمدار کا مارا جانا اور علم کی سرنگونی ان کے حوصلے کے پست اور ثبات قدم میں لغزش کا باعث بنتی تھی۔

---

1 طبرسی، اعلام الوریٰ، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ط۳)، ص ۸۰؛ ابو سعید واعظ خرگوشی، شرف النبی، ترجمہ: نجم الدین محمد راوندی (تہران: انتشارات بابک، ۱۳۶۱ھ.ش)، ص ۳۴۵؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ (انسان العیون)، (بیروت: دار المعرفہ)، ج۲، ص ۴۹۴؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۷۰.

2 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۲۰؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۳۹؛ نور الدین سمہودی، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط ۳، ۱۴۰۱ھ.ق)، ج۱، ص ۲۸۴.

3 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۲۲۰۔

4 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص ۲۵ و ۴۹؛ رجوع کریں: ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۷۰؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۴۰۔ ۳۹؛ سمہودی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۲۸۵؛ محمد بن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج۳، ص ۱۴.

5 تاریخی کتابوں میں، مسلمان تیر اندازوں کے مورچہ سنبھالنے کی جگہ کو ''پہاڑ'' یا وادی کا دہانہ کہا گیا ہے۔ عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ احد پہاڑ کے شگاف کی جگہ یہی ہے کہ جہاں سے جنگ کے دوسرے دور میں خالد بن ولید نے مسلمانوں پر حملہ کیا تھا۔ لیکن محمد بن سعد کاتب، واقدی، جس کے استاد کی رپورٹیں اور خبریں پیغمبر اسلامؐ کے زمانہ کی جنگوں کے بارے میں، خاص طور پر جغرافیائی لحاظ سے معتبر اور مستند ہیں، (المغازی، تحقیق: مارسڈن جونس، مقدمہ، ص ۶، ق ۳۱)، وہ اس حصہ کو عینین کے نام سے ذکر کرتا ہے (طبقات الکبریٰ، ج۲، ص ۳۹)، کہ جس کے بارے ہم نے بیان کیا ہے کہ وہ ایک پہاڑ تھا جو لشکر اسلام کے بائیں طرف موجود تھا۔ اور شاید اس لحاظ سے کہ اس کے بغل میں دو چشمے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج۲، ص ۳۹)، اس کا نام عینین رکھا گیا ہو؛ کیونکہ عین کا ایک معنی، چشمہ ہے۔ مسلمانوں کے قدیم جغرافیہ دانوں نے اس حصہ کو پہاڑ کہا ہے۔ یاقوت حموی لکھتا ہے: ''عینین احد کا ایک پہاڑ ہے، اس کے اور احد کے درمیان ایک وادی ہے'' (معجم البلدان، ج۴، ص ۱۷۴؛ مادہ عین، عبد اللہ بکری اندلسی بھی کہتا ہے: ''عینین پہاڑ، احد میں واقع ہے اور پیغمبر اسلامؐ نے جنگ احد میں تیر اندازوں کو اس پہاڑ پر ٹھہرا رکھا تھا'' (معجم ما استعجم من سماء البلاد و والمواضع، ج۳، ص ۹۷۸؛ مادہ عین) تمام دستاویزات اور تاریخی و جغرافیائی قرائن و شواہد اور علاقہ احد کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عینین سے مراد ایک مٹی کا ٹیلہ تھا جو احد پہاڑ کے سامنے اور شہر مدینہ کے بائیں طرف واقع تھا اور جنگ اس ٹیلہ اور پہاڑ کے بیچ میں ہوئی ہے، اس جنگ کے شہداء، میدان جنگ ہی میں مدفون ہیں اور ان کی قبریں ان دونوں کے بیچ میں ہیں۔ اس بنا پر تیر اندازوں کے مورچہ سنبھالنے کی جگہ، احد کے پہاڑ میں نہیں تھی اور جیسا کہ خود مؤلف نے نزدیک سے اس جگہ کا مشاہدہ کیا ہے۔ اصولی طور پر احد پہاڑ میں کوئی ایسا شگاف نہیں موجود جس سے دو سو (۲۰۰)، گھوڑ سوار سپاہی گزر سکیں۔ پروفیسر محمد حمید اللہ، جس نے ۱۹۳۲۔ ۱۹۴۵۔ ۱۹۴۷۔ ۱۹۶۳، عیسوی میں جنگ احد کے میدان کا دقیق طور سے مطالعہ اور تجزیہ کیا ہے اس سلسلہ میں اس نے اہم اور قیمتی تحقیقات انجام دی ہیں۔ رجوع کریں (رسول اکرمؐ در میدان جنگ، ترجمہ سید غلام رضا سعیدی، ۹۵۔ ۹۲.

ابوسفیان نے علمداروں کو قبیلۂ "بنی عبدالدار" سے (جو کہ شجاعت اور بہادری میں مشہور تھے)

انتخاب کیا اوران سے کہا: ہم جانتے ہیں کہ تم عبدالدار علمداری کے لئے ہم سے لائق تر ہواور علم کی اچھی طرح سے حفاظت کرتے ہو اور ہمارے خیال کو اس طرف سے مطمئن رکھو گے کیونکہ جب لشکر کا علم سرنگوں ہو گیا تو وہ لشکر ٹک نہیں پائے گا"۔[1]

جنگ کے پہلے مرحلے میں مسلمانوں کی فتح

ہجرت کے تیسرے سال[2] ۱۵ شوال کو جنگ شروع ہوئی اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مسلمان جیت گئے اور مشرکین ہار کھا کر بھاگنے لگے۔ ان کے شکست کی وجہ، بہت زیادہ نقصان نہیں تھی؛ کیونکہ جنگ کے آخر تک کل نقصان (اس سلسلہ میں سب سے زیادہ تعداد جو نقل ہوئی ہے) پچاس افراد سے زیادہ کا نہیں ہوا تھا۔[3] اور یہ تعداد لشکر شرک کی کل تعداد کے بہ نسبت، بہت ہی کم تھی۔ بلکہ ان کے شکست کھانے کی وجہ علمدار کا مارا جانا تھا۔ ان میں سے نو افراد علیؑ کے قوی ہاتھوں کے ذریعہ ہلاک ہوئے تھے۔[4] اور مسلسل علم کے گرنے کی وجہ سے ان کے حوصلے پست ہوگئے اور وہ فرار کرنے لگے۔[5]

علیؑ نے بعد میں اس موضوع کو دلیل بنایا جیسا کہ عمر کے قتل ہو جانے کے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لئے جو چھ افراد پر مشتمل شوریٰ بنی اس میں اس موضوع کو آپ نے اپنے درخشاں کارناموں کا ایک حصہ سمجھ کر تذکرہ کیا جس کی تائید شوریٰ کے افراد نے کی۔[6]

قریش کے علمدار کے قتل ہونے کے بعد لشکر شرک کی صفوں میں ہلچل مچ گئی اور سب فرار کرنے لگے۔ اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرتے وقت جب میدان جنگ میں مال غنیمت کو دیکھا تو اس کو اکٹھا کرنے میں مشغول ہوگئے۔ اکثر تیر اندازوں نے جب یہ منظر دیکھا تو مال غنیمت جمع کرنے کی لالچ میں اس خیال سے کہ جنگ ختم ہو چکی ہے اپنے محاذ کو چھوڑ دیا اور پیغمبر اسلامؐ کے دستور کے بارے میں عبداللہ بن جبیر کے خبردار کرنے پر بھی کوئی توجہ نہیں دی۔[7]

---

1 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۲۲۱؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۱۰۶۔

2 مجلسی، بحار الانوار، ج۲۰، ص۱۸؛ عسقلانی، الاصابہ فی تمییز الصحابہ، دار احیاء التراث العربی، ط۱، ۱۳۲۸ھ.ق، ج۱، ص ۳۵۴۔ تیسرے ساتویں، آٹھویں، نویں، اور گیارہوں روز بھی بیان کیا گیا ہے۔ (تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص۱۴، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ج۱، ص۲۸۱.)

3 رجوع کریں: السیرۃ الحلبیہ، ج۲، ص۵۴۷، کل قتل ہونے والے مشرکین کی تعداد ۲۳ اور ۲۸ افراد نقل ہوئی ہے۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ، ج۱۵، ص۵۴؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۲، ص۴۳؛ بلاذری، اسباب الاشراف، ج۱، ص۳۲۸.

4 شیخ مفید، الارشاد (قم: الموتمر العالمی لالفیۃ الشیخ المفید، ط۱، ۱۴۱۳ھ.ق)، ص۸۸؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۵۱؛ مجمع البیان، (شرکۃ المعارف الاسلامیہ)، ج۲، ص۴۹۶۔

5 طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۱۷؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۴۱؛ سمہودی، وفاء الوفاء، ج۱، ص۲۸۸؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۲۶.

6 صدوق، الخصال، (قم: منشورات جامعۃ المدرسین فی الجامعہ العلمیہ، ۱۴۰۳ھ.ق)، ص۵۶۰.

7 سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۲.

مشرکوں کی فتح

تیراندازوں کی خلاف ورزی کے سبب جنگ کی صورت حال بدل گئی؛کیونکہ خالد بن ولید نے دو سو (۲۰۰) سواروں کے ساتھ اس جگہ پر حملہ کردیا جہاں کے بارے میں پیغمبرؐ نے اپنے سپاہیوں کو آگاہ کیا تھااور عبداللہ بن جبیر کو بچے ہوئے دس افراد کے ساتھ شہید کردیااور پشت محاذ سے مسلمانوں پر حملہ کردیا۔

دوسری طرف سے عمرۃ۔ علقمہ کی لڑکی اور قریش کی ایک عورت جو کہ میدان جنگ میں موجود تھی۔ نے علم کو زمین سے اٹھا کر فضا میں لہرا دیا. [1] قریش خالد کے حملے اور پرچم کو لہراتا ہوا دیکھ کر خوشحال ہوگئے اور انھوں نے دوبارہ حملہ کردیا۔ [2]

چونکہ اس وقت مسلمانوں کی فوج تتر بتر گئی تھی اور کمانڈروں کا رابطہ سپاہیوں سے ٹوٹ گیا تھا۔ لہٰذا وہ مقابلہ نہیں کرسکے اور بری طرح سے شکست کھاگئے۔ چند دوسرے محرکات بھی اس شکست کا باعث بنے، وہ یہ ہیں :

۱۔ پیغمبر اسلاؐم کے قتل ہونے کی افواہ۔ [3]

۲۔اس زمانے میں دونوں طرف کی فوجیں مخصوص لباس نہیں رکھتی تھیں اور میدان جنگ میں صرف نعروں کے ذریعہ ایک دوسرے کی فوج کو پہچانا جاتا تھا۔ جب قریش نے دوبارہ حملہ کیا تو مسلمانوں کی صفیں زیادہ سر گرداں ہوگئیں اور ایک دوسرے کو پہچان نہ سکے اور آپس میں ایک دوسرے کے اوپر اس طرح تلوار چلانے لگے [4] کہ حسیل بن جابر (حذیفہ بن یمان کے والد) مسلمانوں کے ہاتھ مارے گئے۔ [5] لیکن جب اپنی حالت سمجھ گئے تو دوبارہ نعرہ بلند کیااور جنگ کا نقشہ بدلا۔ [6]

۳۔ ہوانے سمت بدلی، اس وقت تک جو ہوا مشرق سے چل رہی تھی۔ وہ مغرب سے چلنے لگی اور جنگ کو مسلمانوں پر دشوار کردیا۔ [7]

---

1 ابن ہشام،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۸۳؛ طبری،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۱۷؛ مجلسی،گزشتہ حوالہ، ج۲۰،ص ۵۱؛ طبرسی، مجمع البیان، ج۲،ص ۴۹۶۔ حسان بن ثابت ۔ پیغمبر اسلاؐم کا شاعر۔ نے اس مناسبت سے ایک شعر میں قریش کی مذمت کی ہے اور کہا ہے : اگر اس دن عمرہ نہ ہوتا تو بردہ فروشوں کے بازار میں بیچ دیئے جاتے (ابن ہشام،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۸۴؛ابن ابی الحدید،گزشتہ حوالہ، ج۱۴ص ۲۱۷.

2 ابن سعد،گزشتہ حوالہ، ج۲،ص ۴۲۔۴۱؛ابن ہشام،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۸۲؛ طبری،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۱۷؛ مجلسی،گزشتہ حوالہ، ج۲۰،ص ۴۹۔۲۶.

3 ابن ہشام،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۸۲؛گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۱۷؛ مجلسی،گزشتہ حوالہ، ج۲۰،ص ۲۷۔۲۶.

4 ابن سعد،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۴۲؛رجوع کریں : وفاء الوفاء، ج۱،ص ۲۸۶.

5 ابن سعد،گزشتہ حوالہ، ج۲،ص ۴۳ و ۴۵؛ ابن ہشام،گزشتہ حوالہ، ج۳،ص ۹۳؛ سمہودی،گزشتہ حوالہ، ج۱،ص ۲۸۸؛ سید علی جان مدنی، الدرجات الرفیعہ (قم : منشورات مکتبۃ بصیرتی، ۱۳۹۷ھ.ق)،ص ۲۸۳.

6 بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق : محمد حمیداللہ (قاہرہ : دارالمعارف، ط۳)،ص ۳۲۲.

7 ابن سعد،گزشتہ حوالہ، ج۲،ص ۴۲.

بہر حال مسلمانوں کی صفیں اس طرح سے منتشر ہوئیں کہ ان میں سے زیادہ تر لوگ فرار کر گئے اور کچھ لوگ پہاڑ کی چوٹی پر بھاگ گئے جبکہ پیغمبر اسلاؐم نے خود میدان جنگ میں مقابلہ کیا اور بھاگنے والوں سے پائیداری اور استقامت کے لئے کہا۔[1] صرف علیؑ اور چند دوسرے افراد میدان جنگ میں ڈٹے رہے۔[2]

علیؑ، پیغمبرؐ کے بغل میں کھڑے ہو کر تلوار چلا رہے تھے اور کئی مرتبہ انھوں نے پیغمبرؐ سے دشمنوں کے حملوں کو دور کیا[3] اور آپ کی بے نظیر استقامت و پائیداری کی بنا پر آسمان احد میں صدائے غیبی گونجی:

لا فتیٰ الا علی و لاسیف الا ذوالفقار۔[4]

یہاں تک کہ ایک مسلمان نے پیغمبرؐ کو پہچان لیا اور میدان جنگ میں باقی رہ جانے والے چند افراد (یا فرار کے بعد واپس آنے والے افراد) آنحضرتؐ کے گرد اکٹھا ہوئے اور جنگ کے عالم میں احد پہاڑ کے کنارے پہنچے[5] اور جنگ کی گرد و غبار بیٹھی۔

اس موقع پر ابوسفیان نے مسلمانوں کے حوصلہ کو کمزور کرنے کے لئے افواہیں پھیلانا شروع کر دیں اور نفسیاتی جنگ چھیڑ دی اور نعرے لگانے لگا: اعل ھبل اعل ھبل، سرفراز ہوا ے ھبل، سرفراز ہوا ے ھبل! پیغمبرؐ نے اس کے نعرے کے جواب میں فرمایا: اللّٰہ اعلیٰ و اجل۔ خدا بلند و برتر ہے! ابوسفیان نے کہا: لنا العزی ولا عزی لکم۔ ہم عزی بت رکھتے ہیں اور تم عزی نہیں رکھتے ہو۔ پیغمبرؐ کے حکم سے ایک مسلمان نے اس کے جواب میں کہا: اللّٰہ مولیٰ ولا مولیٰ لکم۔

خدا ہمارا مولا ہے اور تمہارا کوئی مولا نہیں ہے۔[6]

اس جنگ میں (بنابر مشہور) ستر[7] افراد مسلمانوں میں سے جن میں جناب حمزہ۔ رسولؐ کے چچا۔ اور مصعب بن عمیر بھی تھے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ جبکہ احد میں مسلمانوں نے شکست کھائی اور قریش کے سپاہیوں میں سے کوئی نہیں مرا اور ظاہری محاسبات کی بنیاد پر اگر وہ لوگ، اس وقت مدینہ پر بھی حملہ کرتے تو کامیاب ہو جاتے لیکن قریش کے سردار، اس اقدام[8] کے انجام سے پریشان ہوئے اور اس سے چشم پوشی کر

---

1 سورۂ آل عمران، آیت ۱۵۴۔ ۱۵۳؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۳۱۸؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۲۰؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۴۷؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۵، ص ۲۳ و ۲۵۔

2 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۴۷؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۵، ص ۲۱ و ۲۹۔

3 شیخ مفید، الارشاد، (قم: الموتمر العالمی لالفیہ الشیخ المفید، ۱۴۱۳ھ.ق)، ص ۸۹؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۱۴، ص ۲۵۰؛ حافظ بن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق (ترجمہ الامام علی ابن ابی طالبؑ)، تحقیق: محمد باقر المحمودی (بیروت: دار التعارف للمطبوعات، ط ۱، ۱۳۹۵ھ.ق)، ج ۱، ص ۱۵۰؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۸۸۔

4 طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۱۷؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۴؛ شیخ مفید، گزشتہ حوالہ، ص ۸۷؛ مجلسی گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۵۴، ۱۰۵، ۱۰۷۔

5 طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۱۹؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۸۹۔ ۸۸؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۵۴۔

6 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۴۸۔ ۴۷؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۳۲۷؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۲۴؛ ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج ۱۵، ص ۳۱۔ ۳۰؛ ابوسعید واعظ خرگوشی، شرف النبی، ترجمۂ نجم الدین محمود راوندی (تہران: انشارات بابک، ۱۳۶۱ھ.ق)؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۵۳۱؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۳۲ و ۴۵۔

7 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۳۲۸؛ طبرسی، اعلام الوریٰ (تہران: دارالکتب الاسلامیہ، ط ۳)، ص ۸۲؛ ابوسعید واعظ خرگوشی، گزشتہ حوالہ، ص ۳۴۶؛ سمہودی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۲۹۲۔ ۲۹۱؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۱۸؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۵۴۷۔

8 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۱۱۰؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۵۵۰۔

کے مکہ واپس چلے گئے اور مسلمانوں سے انتقام لیکر خوش ہوگئے تھے کہ بدر میں جتنے لوگ ان کے مارے گئے تھے اتنے کو انھوں قتل کر دیا ہے جبکہ نہ مدینے کو کوئی نقصان پہنچا تھا اور نہ شام کا تجارتی راستہ آزاد ہوا تھا۔ اس خیال سے کہ کہیں دشمن یہ گمان نہ کریں کہ مسلمانوں کو کچل دیا ہے۔ اور مدینہ پر حملہ کی جرات نہ کر سکیں، پیغمبرؐ نے جنگ کے ایک دن بعد، اسلامی سپاہیوں کے ساتھ جو زیادہ تر زخمی تھے، سرزمین ''حمراء الاسد'' تک مشرکوں کا پیچھا کیا اور جب اطمینان حاصل ہوگیا کہ وہ دوبارہ حملے کا ارادہ نہیں رکھتے تو آپ مدینہ پلٹ آئے۔[1]

جنگ احد کے نتائج

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے کچھ آثار و نتائج یہ ہیں :

۱۔ اگرچہ اس جنگ میں فوجی لحاظ سے مسلمانوں نے شکست کھائی۔ لیکن ان کے لئے یہ عبرت تھی کہ آئندہ فرمان پیغمبرؐ سے سرپیچی نہ کریں اور بعد کی جنگوں میں اس طرح کی خلاف ورزیاں دوبارہ نہ ہوں۔

۲۔ منافقین فتنہ انگیزی پر اتر آئے اور مسلمانوں کی شکست پر خوشی کا اظہار کرنے لگے لہٰذا ان کی مذمت کی گئی۔[2]

۳۔ یہودیوں نے بھی اپنے کینہ کو آشکار کر دیا اور کہا: محمدؐ، بادشاہی کے چکر میں ہیں۔ اور کوئی بھی پیغمبر اس طرح سے شکست نہیں کھایا ہے۔[3]

۴۔ دشمنان اسلام، اطراف مدینہ میں گستاخ ہوگئے اور سازش اور فتنہ انگیزی کرنے لگے۔

مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے قبیلۂ بنی اسد کی ناکام نقل و حرکت کا نمونہ واقعۂ ''رجیع'' اور واقعہ ''بئر معونہ'' ہے۔

۵۔ مسلمانوں کے مدینہ پلٹنے کے بعد غم و اندوہ کا بادل شہر پر چھا گیا اور مایوسی اور ناامیدی پورے شہر میں نظر آرہی تھی۔ اور منافقوں اور یہودیوں کے شیطانی وسوسے بھی احد میں ابوسفیان کی نفسیاتی جنگ کو مدینہ میں اپنائے ہوئے تھے اور اس طرح نقصان پہنچارہے تھے. خداوند عالم نے سورۂ آل عمران کی کچھ آیات کے ذریعہ ان کے اثرات کو ختم کیا اور مسلمانوں کے حوصلہ کو بلند کیا۔ ابن اسحاق کے کہنے کے مطابق اس سورہ کی ۶۰ آیتیں جنگ احد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔[4]

خداوند عالم نے ان آیات میں مسلمانوں کو شکست کے راز کی طرف متنبہ کیا ہے اور ان کو خبردار کیا ہے کہ اگر ''فوجی شکست'' کھائے ہیں تو وہ ناامید نہ ہوں کہ ''نفسیاتی شکست'' بھی کھائیں اور نیز ان کو متوجہ کیا کہ ان کے ''شکست کا راز'' ''فوجی قوانین کی عدم پابندی'' اور مال دنیا کی طرف توجہ تھی اگر بدر میں خدا کی مدد سے کامیاب ہوئے تو اس بنا پر تھا کہ صرف خدا کے لئے لڑ رہے تھے لیکن اس جنگ میں مال

---

1 ابن ہشام گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۱۰۷ اور ۱۱۰؛ ابن ابی الحدید گزشتہ حوالہ، ج ۱۵، ص ۳۳ ۔ ۳۱؛ حلبی گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۵۵۰؛ مجلسی گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۴۰، ۴۱ اور ۹۹.

2 واقدی گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۳۱۸ ۔ ۳۱۷.

3 واقدی گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۳۱۷؛ حلبی گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۵۴۹.

4 ابن ہشام گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۱۱۲.

غنیمت کے چکر میں پڑ گئے اور شکست کھا گئے۔ (یہاں پر سورہ آل عمران کی کچھ آیات کا ترجمہ پیش ہے) "اور اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی ہے جب کہ تم کمزور تھے لہٰذا اللہ سے ڈرو شاید تم شکر گزار بن جاؤ"۔

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرو کہ شاید رحم کے قابل ہو جاؤ۔ خبردار سستی نہ کرنا' مصائب پر محزون نہ ہونا اگر تم صاحب ایمان ہو تو سربلندی تمہارے ہی لئے ہے۔ اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو قوم کو بھی (دشمنوں) اس سے پہلے (بدر میں) ایسی ہی تکلیف پہنچ چکی ہے اور ہم ایام (فتح و شکست) کو لوگوں کے درمیان الٹتے پلٹتے رہتے ہیں تاکہ خدا صاحبان ایمان کو دیکھ لے اور تم میں سے بعض کو گواہ قرار دے اور وہ ظالمین کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے جب کہ خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو بھی نہیں جانا ہے۔ تم موت کی ملاقات سے پہلے اس کی بہت تمنا کیا کرتے تھے اور جیسے ہی اسے دیکھا' دیکھتے رہ گئے۔ خدا نے اپنا وعدہ اس وقت پورا کر دیا جب تم اس کے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے کمزوری کا مظاہرہ کیا اور آپس میں جھگڑا کرنے لگے اور اس وقت خدا کی نافرمانی کی جب اسنے تمہاری محبوب شے کو دکھلا دیا تھا۔ تم میں کچھ دنیا کے طلب گار تھے اور کچھ آخرت کے۔ اس کے بعد تم کو ان کفار کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تمہارا امتحان لیا جائے اور پھر اس نے تمہیں معاف بھی کر دیا کہ وہ صاحبان ایمان پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔

کیا جب تم پر وہ مصیبت پڑی جس کی دوگنی تم کفار پر ڈال چکے تھے تو تم نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ ایسے ہو گیا تو پیغمبرؐ آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب خود تمہاری طرف سے ہے اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔[1]

جنگ احد میں شکست سے مسلمانوں کے فوجیوں کا اعتبار ختم ہو گیا اور باعث بنا کہ مدینہ کے اطراف میں دشمنان اسلام' مسلمانوں کے خلاف سازش کریں اور مدینہ پر حملہ کی سازش اور نقشہ تیار کرنے کے لئے ایسے وقت کا انتخاب' مسلمانوں کی فوجی کمزوری کی خاطر تھا۔[2] ان سازشوں کے چند نمونے یہ ہیں :

۱۔ سریۂ ابو سلمہ : پیغمبر اسلامؐ کو خبر ملی کہ "قبیلۂ بنی اسد" نے مدینہ پر حملے کا ارادہ کر لیا ہے لہٰذا آنحضرتؐ نے 'ابو سلمہ' کو ایک سو پچاس افراد کا کمانڈر بنا کر ان کے علاقہ میں بھیج دیا اور حکم دیا کہ قبل اس کے کہ دشمن حملہ کریں تم ان پر حملہ کر دینا۔ لہٰذا یہ لوگ نزدیک راستے سے 'بہت تیزی کے ساتھ بنی اسد کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ جب ان کے قافلہ والوں نے دیکھا تو مبہوت اور ہواس باختہ ہو گئے اور فوراً فرار کر گئے اور ابو سلمہ مال غنیمت اور چند اسیروں کو لے کر مدینہ پلٹ آئے۔[3]

اس کامیابی سے کسی حد تک مسلمانوں کے فوجیوں کا اعتبار بلند ہوا اور منافقین و یہودی اور اطراف مدینہ کے قبائل سمجھ گئے کہ ان کی سوچ و فکر کے برخلاف' مسلمان ابھی کچلے نہیں گئے ہیں۔

۲۔ واقعۂ رجیع : ماہ صفر ۴ھ میں قبیلۂ "بنی لحیان" کے ورغلانے پر "قبیلۂ عضل و قارہ" کے چند افراد' مدینہ میں داخل ہوئے اور اظہار اسلام کے ساتھ پیغمبرؐ سے کہا : ہمارے قبیلہ سے کچھ افراد مسلمان ہو گئے ہیں' کسی کو آپ بھیجئے جو ہم کو قرآن اور اسلامی احکام کی تعلیمات دے'

---

1 سورۂ آل عمران' ۱۲۳' ۱۳۲' ۱۳۹' ۱۴۰' ۱۴۲' ۱۴۳' ۱۵۲ اور ۶۵ ویں آیتیں.

2 واقدی' گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۳۴۲.

3 گزشتہ حوالہ' ص ۳۴۳۔ ۳۴۰؛ محمد بن سعد' طبقات الکبریٰ' ج۲' ص ۵۰.

پیغمبر اسلاؐم نے دس افراد[1] کو ان کے ہمراہ بھیجا۔ جب وہ لوگ قبیلۂ ہذیل کے "رجیع" نامی مقام پر پانی کے کنارے پہنچے تو قبیلۂ عضل و قارہ کے افراد نے بنی لحیان کی مدد سے ان پر حملہ کر دیا' مبلغین اسلام نے دفاع کیا لیکن ایک طرفہ جنگ میں اکثر شہید ہوگئے اور دو افراد اسیر ہوئے۔ مشرکین ان دو اسیروں کو مکہ لے کر گئے اور انھیں جنگ بدر کے مقتولین کے ورثہ کے ہاتھوں بیچ دیا اور ان لوگوں نے ان دو اسیروں کو بہت ہی دردناک اور فجیع طریقہ سے شہید کر دیا۔[2]

ایسا لگتا ہے کہ مذکورہ دو قبیلوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز کر رکھا تھا اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے ایسی خیانت کی۔

۳۔ بئر معونہ کا قصّہ: یہ واقعہ' واقعۂ رجیع سے زیادہ دردناک اور دلخراش تھا۔ اور ماہ صفر ۴ھ میں رونما ہوا۔ ابوبراء۔ قبیلۂ بنی عامر کا بزرگ۔ مدینہ میں پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بغیر اسلام کا اظہار کئے یا اس کی طرف بے رغبتی کا اظہار کئے ہوئے درخواست کی کہ آنحضرتؐ اپنے اصحاب کے ایک گروہ کو "نجد" کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے' اس علاقہ میں بھیجیں' شاید وہ اسلام کو قبول کرلیں۔

پیغمبر اسلاؐم نے فرمایا: "میں نجد کے لوگوں سے مسلمانوں کے بارے میں ڈرتا ہوں" ۔

ابوبراء نے کہا: "یہ لوگ ہمارے پناہ میں رہیں گے"۔ پیغمبر اسلاؐم نے اپنے بہترین اصحاب اور قاریان قرآن میں سے ستر[3] افراد کو بھیجا۔ یہ گروہ جب "بئر معونہ" پر پہنچا' تو اپنے ایک قاصد کو پیغمبر اسلامؐ کا ایک خط دے کر عامر بن طفیل کے پاس بھیجا۔ اس نے خط کو نہیں پڑھا اور اس کو قتل کر دیا۔ اس وقت بنی عامر سے اس کے ساتھیوں کو قتل کرنے کے لئے مدد مانگی تو ان لوگوں نے ابوبراء کے امان کے احترام میں اس کام سے اجتناب کیا۔ عامر بن طفیل نے قبیلۂ "بنی سلیم" کے کچھ افراد کی مدد سے مبلغین اسلام کے گروہ پر حملہ کر دیا تو مجبور ہو کر انھوں نے اپنا دفاع کیا اور صرف کعب بن زید اور عمرو بن امیہ خمری کے علاوہ سب شہید ہوگئے۔[4]

عمرو بن امیہ دشمن کے ذریعہ اسیر ہوا اور پھر آزاد ہو کر مدینہ پلٹتے وقت بنی عامر کے دو افراد کو جو کہ پیغمبرؐ کے ساتھ عہد و پیمان کئے ہوئے تھے (اور وہ اس سے بے خبر تھا) قتل کر دیا۔[5]

---

1 بعض مورخین کے کہنے کے مطابق چھ یا سات افراد تھے (ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ج۳' ص ۱۷۸؛ ابن شہر آشوب 'گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۱۹۴؛ واقدی 'گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۳۵۵ .)

2 واقدی 'گزشتہ حوالہ' ج۱' ص ۳۶۲۔ ۳۵۴؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ' ج۲' ص ۵۶۔ ۵۵؛ ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ج۳' ص ۱۹۲۔ ۱۷۸؛ ابن شہر آشوب 'گزشتہ حوالہ' ص ۱۹۵۔ ۱۹۴؛ مجلسی 'گزشتہ حوالہ' ج۲۰' ص ۱۵۲۔ ۱۵۱.

3 ایک نقل کے مطابق چالیس آدمی تھے (طبری' تاریخ الامم والملوک' ج۳' ص ۳۴؛ ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج۳' ص ۱۹۴؛ واقدی' المغازی' ج۱' ص ۳۴۷ .)

4 طبری 'گزشتہ حوالہ' ج۳' ص ۳۴۔ ۳۳؛ طبرسی' مجمع البیان' (شرکۃ المعارف الاسلامیہ) 'ج۲' ص ۵۳۳؛ ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعۃ العلمیہ) 'ج۱' ص ۱۹۶۔ ۱۹۵؛ مجلسی 'گزشتہ حوالہ' ج۲۰' ص ۱۴۸۔ ۱۴۷؛ واقدی 'گزشتہ حوالہ' ص ۳۴۸۔ ۳۴۶؛ ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ج۳' ص ۱۹۳؛ ابن سعد' طبقات الکبریٰ' ج۲' ص ۵۳۔ ۵۱.

5 طبری 'گزشتہ حوالہ' ص ۳۴؛ ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ج۳' ص ۱۹۵؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ' ص ۵۳.

بنی نضیر کے ساتھ جنگ [1]

عمرو بن امیہ کے ذریعہ بنی عامر (پیغمبر اسلاؐم کے ہم پیمان) کے دو افراد کے قتل ہونے پر پیغمبر اسلاؐم نے اس واقعہ پر افسوس اور ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''ان کو ہمیں دیت دینی چاہیئے''۔[2]

دوسری طرف سے قبیلۂ بنی عامر نے ایک خط کے ذریعہ ان سے دیت کا مطالبہ کیا۔[3]

اس لئے کہ بنی عامر نے قبیلۂ بنی نضیر کے ساتھ بھی عہد و پیمان کیا تھا۔ پیغمبر اسلاؐم ان کو دیت دینے کے لئے مہاجر و انصار کے چند افراد کے ساتھ مدینہ کے اطراف میں ان کے ٹیلہ کے پاس گئے اور ان سے باتیں کیں۔ بنی نضیر کے سردار تیار ہوگئے۔ لیکن خفیہ طور پر ایک شخص کو بھیجا تاکہ دیوار کے اوپر جاکر جہاں پیغمبرؐ بیٹھے تھے ایک بڑا پتھر پھینک کر آپ کو قتل کردے. رسول اسلامؐ غیبی راستے سے ان کی اس سازش سے آگاہ ہوگئے۔[4] اور فوراً اس جگہ کو ترک کر کے مدینہ واپس چلے آئے اور ان کو خبردار کیا کہ مدینہ کو ترک کردیں اور اپنے مال و اثاث کو اپنے ساتھ لے کر چلے جائیں۔

وہ لوگ مرعوب ہو کر مدینہ سے چلے گئے؛ لیکن عبد اللہ بن ابی نے ان کو مقابلہ کرنے کے لئے کہا اور ان سے وعدہ کیا کہ جنگ پیش آنے کی صورت میں مسلح افراد کے ساتھ ان کی مدد کریں گے۔ اور اگر انھیں مدینہ سے نکالا گیا تو وہ بھی مدینہ کو ترک کردیں گے۔[5]

کچھ تاریخی خبریں بتاتی ہیں کہ اس واقعہ سے قبل، قریش نے ان کو مسلمانوں کے خلاف سازش اور جنگ کرنے کے لئے ورغلایا تھا۔[6] اور اس واقعہ میں ان کا بھڑکانا اور ورغلانا بے اثر نہیں تھا۔

بنی نضیر، عبد اللہ کے جھوٹے وعدوں سے دھوکہ کھاگئے اور مدینہ ترک کرنے سے پھر گئے۔

پیغمبرؐ کے حکم پر لشکر اسلام نے پندرہ دن تک ان کے قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اس عرصہ میں کہیں سے مدد کی کوئی خبر نہیں آئی لٰہذا وہ مجبور ہو کر، پیغمبر اسلامؐ کی موافقت پر اپنے اسلحوں کو زمین پر ڈال کر اپنے مال و اثاثہ زندگی کو اونٹوں پر لاد کر کچھ لوگ اذرعات شام اور کچھ لوگ جن میں ان کا رئیس حی ابن اخطب بھی تھا۔ خیبر کی طرف چلے گئے۔ اور اہل خیبر نے ان کا پرجوش استقبال کیا اور ان سے اظہار اطاعت کیا۔[7]

---

1 کچھ مورخین اور سیرت نگاروں نے (مشہور قول کے برخلاف) اس واقعہ کی تاریخ، جنگ احد سے قبل اور اس کی وجہ دوسری چیز ذکر کی ہے۔ استاد علامہ سید جعفر مرتضی العاملی نے اس نقل کو ترجیح دیا ہے (الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم، ج۶، ص ۴۴۔۳۲)

2 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج۲، ص ۵۳؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۱۹۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص ۳۵؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۵۲.

3 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۵۲ اور ۳۶۴.

4 بیہقی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۳۳۵؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۶۶۔۳۶۵؛ طبرسی، اعلام الوریٰ باعلام الہدیٰ (تہران: دار الکتب الاسلامیہ)، ص ۸۸.

5 سورۂ حشر، آیت ۱۱؛ طبرسی، مجمع البیان، (تہران: شرکۃ المعارف الاسلامیہ، ۱۳۷۹ھ.ق)، ج۱۰، ص ۳۶۴؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۰، ص ۱۶۵ اور ۱۶۹.

6 سمہودی، وفاء الوفاء، ج۱، ص ۲۹۸۔۲۹۷.

7 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص ۲۰۳۔۱۹۹؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۳۹۔۳۶؛ واقدی، المغازی، ج۱، ص ۳۸۰۔۳۶۳؛ بلاذری، انساب الاشراف، تحقیق: محمد حمید اللہ (قاہرہ: دار المعارف)، ص ۳۳۹؛ رجوع کریں: سمہودی، وفاء الوفاء، ج۱، ص ۲۹۸۔۲۹۷.

چونکہ بنی نضیر بغیر جنگ کے تسلیم ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کے مال و اثاثہ کو بہ شکل ''خالصہ''[1] پیغمبر اسلاؐم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے مہاجر وانصار کے درمیان پیمان اخوت و برادری کی بنیاد پر انصار کی مرضی اور موافقت سے اس کو مہاجرین کے درمیان تقسیم کر دیا۔[2]

خداوند عالم نے قرآن مجید میں بنی نضیر کی خیانت اور ان کے برے انجام کا اس طرح سے تذکرہ فرمایا ہے :

''وہی وہ ہے جس نے اہل کتاب کے کافروں کو پہلے ہی حشر میں ان کے وطن سے نکال باہر کیا تم تو اس کا تصور بھی نہیں کر رہے تھے کہ یہ نکل سکیں گے اور ان کا بھی یہی خیال تھا کہ ان کے قلعے انھیں خدا سے بچالیں گے لیکن خدا ایسے رخ سے پیش آیا جس کا انھیں وہم و گمان بھی نہیں تھا اور ان کے دلوں میں رعب پیدا کر دیا کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں سے اور صاحبان ایمان کے ہاتھوں سے اجاڑ نے لگے تو صاحبان نظر عبرت حاصل کرو۔ اور اگر خدا نے ان کے حق میں جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو ان پر دنیا ہی میں عذاب نازل کر دیتا اور آخرت میں تو جہنم کا عذاب طے ہی ہے۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے اللہ اور رسول سے اختلاف کیا اور جو خدا سے اختلاف کرے اس کے حق میں خدا سخت عذاب کرنے والا ہے۔[3]

جنگ خندق (احزاب)

یہ جنگ، ماہ شوال ۵ھ میں ہوئی[4] جنگ کا آغاز اس طرح سے ہوا کہ ''حی ابن اخطب'' اور ''بنی نضیر'' کے کچھ سردار جو خیبر میں پناہ لئے ہوئے تھے نیز قبیلۂ بنی وائل کا ایک گروہ مکہ میں قریش سے ملا اور ان کو پیغمبر اسلاؐم سے جنگ کے لئے رغبت دلائی اور اس راہ میں ان کی ہر طرح کی مدد و نصرت کا وعدہ کیا۔

قریش نے ان سے پوچھا: کیا ہمارا دین بہتر ہے یا محمدؐ کا دین؟ وہ یہودی اور خدا پرست تھے اور فطری طور پر انھیں بت پرستی کی تائید نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ کہنے لگے : تمہارا دین، محمدؐ کے دین سے بہتر ہے۔ اور تم حق سے نزدیک تر ہو۔

قریش ان کی باتوں سے خوش حال ہو کر جنگ کے لئے آمادہ ہوگئے۔ خداوند عالم ان کے دشمنانہ فیصلہ کی اس طرح مذمت فرماتا ہے۔

''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کو کتاب کا کچھ حصہ دے دیا گیا وہ شیطان اور بتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کفار کو بھی بتاتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے لعنت کی ہے اور جس پر خدا لعنت کر دے آپ پھر اس کا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔[5]

---

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص۲۰۱؛ سمہودی، گزشتہ حوالہ، ص۲۹۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۰، ص۱۶۶ور ۱۷۳.

2 سمہودی، گزشتہ حوالہ، ص۲۰۱؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص۲۰۱؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۷۷؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ص۱۷۲۔۱۷۱.

3 سورۂ حشر، آیت ۴۔۲؛ ابن عباس سورۂ حشر کو سورۂ ''بنی نضیر'' کہتے ہیں (طبرسی، مجمع البیان، ج۱۰، ص۲۵۸.)

4 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۴۳؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۶۵؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۲۲۴.

5 سورۂ نساء، آیت ۵۲۔۵۱.

یہودی لیڈروں کا یہ کینہ توز فیصلہ ' عدل و انصاف اور منطق سے اس قدر دور تھا کہ آج کے دور کے بعض یہودی ' اس فعل کی وجہ سے ان کی مذمت کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اسرائیل ولفنون یہودی ' "سرزمین عرب میں یہودیوں کی تاریخ" نامی ایک کتاب میں لکھتا ہے :

"ان کو اتنی واضح اور آشکار غلطی نہیں کرنا چاہیئے کہ قریش کے لیڈروں کے سامنے بتوں کی عبادت کو توحید اسلامی سے افضل و برتر بتائیں اگرچہ قریش ان کے تقاضا کو رد کر دیتے کیونکہ بنی اسرائیل بت پرستوں کے درمیان صدیوں سے پرچمدار توحید تھے۔[1]

بہرحال ' یہودیوں کے لیڈر پھر قبیلۂ "غطفان" کے پاس گئے اور ان سے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے میں ساتھ دینے کے لئے کہا[2] اس قبیلہ سے خاندان بنی فزارہ ' بنی مرہ اور بنی اشجع نے حمایت کا اعلان کیا[3] اور اسی طرح قبیلۂ بنی سلیم اور بنی اسد کی بھی حمایت حاصل کر لی۔[4]

قریش نے بھی اپنے اتحادیوں اور حامیوں ' جیسے قبیلۂ ثقیف اور بنی کنانہ کی حمایت حاصل کر لی۔[5] اور اس طریقے سے ایک طاقتور فوجی اتحاد وجود میں آگیا اور ایک دس ہزار کا لشکر[6] ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ مدینہ کے راستہ میں ' حی ابن اخطب نے ابوسفیان سے وعدہ کیا کہ قبیلۂ بنی قریظہ کو بھی جس کے پاس سات سو پچاس (۷۵۰)

جنگجو تھے ' ان کے لشکر کی حمایت میں جنگ میں شامل کریں گے۔[7]

اس لحاظ سے قریش اور یہودیوں نے اس جنگ کی تیاری میں عظیم دولت صرف کر دی اور سپاہیوں کو مختلف قبائل سے اکٹھا کیا وہ اس جنگ کو کامیاب ترین جنگ تصور کرتے تھے اور قصد کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں گے۔

پیغمبر اسلاؐم ' قبیلۂ خزاعہ (جو کہ مسلمانوں کے حامی تھے) کی خفیہ خبروں کے ذریعہ لشکر احزاب کی حرکت سے باخبر ہوگئے۔[8]

پیغمبرؐ کے حکم سے ایک فوجی کمیٹی تشکیل پائی اور گویا جنگ احد کے تجربہ کے پیش نظر کسی نے مدینہ سے باہر جانے کا مشورہ نہیں دیا اور سب شہر میں رہنے پر متفق ہوگئے۔[9]

---

1 محمد حسین ھیکل ' حیات محمد (قاہرہ : مکتبۃ النہضۃ المصریہ ' ط ۸ ' ۱۹۶۳ء) ' ص ۳۲۹.

2 انھوں نے غطفان سے وعدہ کیا کہ اس حمایت و نصرت کے بدلہ میں خیبر میں ایک سال خرمہ کی پیداوار کو انھیں دیدیں گے (بلاذری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۳۴۳؛ واقدی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۴۴)

3 طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۴؛ ابن ہشام ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۲۲۵.

4 محمد بن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۶؛ واقدی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۴۴۳؛ ابن شہر آشوب ' مناقب آل ابی طالب (قم : المطبعۃ العلمیہ) ' ج ۱ ' ص ۱۹۷؛ مجلسی ' بحار الانوار ' ج ۲۰ ' ص ۱۹۷.

5 بلاذری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۳۴۳.

6 ابن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۶؛ طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۶؛ ابن ہشام ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۲۳۰؛ سمہودی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۳۰۱؛ مجلسی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲۰ ' ص ۲۰۰.

7 واقدی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۴۵۴.

8 حلبی ' انسان العیون (السیرۃ الحلبیہ) ' (بیروت : دار المعرفہ ' ج ۲ ' ص ۶۳۱.

9 شیخ مفید ' الارشاد (قم : المؤتمر العالمی لالفیۃ الشیخ المفید ' ط ۱ ' ۱۴۱۳ھ . ق) ' ص ۹۶؛ ابن شہر آشوب ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۱۹۷

مدینہ کے ارد گرد قدرتی روکاوٹیں ، جیسے گھر ، کھجور کے باغ وغیرہ ، موجود تھیں جو دشمن کو شہر میں داخل ہونے سے روک رہی تھیں [1] سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ اطراف شہر کے جس حصہ میں اس طرح کی روکاوٹ موجود نہیں ' ایک خندق کھودی جائے جو لشکر کے گزرنے میں رکاوٹ بنے۔[2]

پیغمبرؐ اور مسلمانوں کی مسلسل کوشش اور زحمتوں کے ذریعہ اور پیغمبرؐ کی عملی شرکت سے ایک بڑی خندق کھودی گئی۔[3] پیغمبر اسلاؐم نے عورتوں ' بچوں اور عام لوگوں کو شہر کے اندر قلعوں اور پناہ گاہوں میں رکھا۔[4] لشکر اسلام میں (قول مشہور کی بناپر) کل تین ہزار افراد تھے۔[5] خندق اور ''سلع'' پہاڑ کے بیچ ٹھکانہ بنایا۔ اور پہاڑ کو اپنی پشت پر قرار دیا۔[6]

لشکر احزاب کا کمانڈر سمجھ رہا تھا کہ جنگ احد کی طرح شہر کے باہر مسلمانوں سے مقابلہ کریں گے۔ لیکن ایسا نہ ہوا اور جب وہ شہر کے دروازے کے پاس پہنچے تو خندق دیکھ کر حواس باختہ ہوگئے ! کیونکہ خندق کا استعمال ' جنگی ٹکنیک کے لحاظ سے عرب میں رائج نہ تھا۔[7] اس وجہ سے مجبور ہو کر خندق کے پیچھے ڈیرہ ڈال کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔

محاصرہ بیس روز تک باقی رہا اس دوران طرفین خندق کے دونوں طرف سے ایک دوسرے کے اوپر تیراندازی کرتے تھے اور قریش کے جنگجو مسلمانوں کی صفوں میں رعب و وحشت ڈالنے کے لئے فوجی مشقیں اور تیراندازی کرتے تھے[8] دشمن کے ذریعہ شہر کا محاصرہ کرنے سے مسلمان مشکلات اور دشواریوں میں پڑ گئے تھے اور شہر کے حالات برے اور خطرناک ہوگئے تھے جس کا تذکرہ خداوند عالم نے اس طرح سے کیا ہے :

---

1 حلبی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۳۶ ؛ واقدی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۶ ؛

2 بلاذری ' گزشتہ حوالہ ' ص ۳۴۳ ؛ ابن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۶ ؛ طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۴ ؛ ابن شہر آشوب ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۱۹۸ ؛ طبرسی ' اعلام الوریٰ ' ص ۹۰ ؛ مجلسی ' بحار الانوار ' ج ۲۰ ' ص ۲۱۸

3 ابن سعد کے نقل کے مطابق ' خندق کی کھودائی چھ دن میں تمام ہوئی۔ (طبقات الکبریٰ ' ج ۲ ' ص ۶۷) پروفیسر محمد حمید اللہ ' اس دور کا مسلمان دانشور جس نے ' دشمنان اسلام کے ساتھ رسول اکرمؐ کی جنگ کے میدانوں کو کئی مرتبہ قریب سے مشاہدہ کیا اور اس کے بارے میں تحقیقات کی ہیں وہ معتقد ہے کہ خندق بہ شکل N اور ساڑھے پانچ کلومیٹر لمبی تھی (رسول اکرمؐ در میدان ' ترجمہ سید غلام رضا سعیدی ' (تہران : کانونانتشارات محمدی ' ۱۳۶۳ش) ' ص ۱۱۴۔ ۱۱۳ ؛ گویا اس محاسبہ کا اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ اسلامی سپاہیوں کی تعداد تین ہزار (۳۰۰۰) افراد پر مشتمل تھی اور خندق کھودتے وقت دس دس افراد کے دستے بنائے گئے تھے اور ہر دستہ ۴۰ ہاتھ کھودتا تھا (طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۵ ؛ مجلسی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲۰ ' ص ۱۹۸ ؛ لہٰذا فطری طور پر ہر ایک کے حصہ میں ۴ ہاتھ آیا ہوگا جو تقریباً ۶ ہزار میٹر (۶ کلومیٹر) ہوگا۔

4 ابن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۷ ؛ طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۶ ؛ حلبی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۳۶۔

5 ابن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۶ ؛ طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۶ ؛ ابن ہشام ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۲۳۱ ؛ مجلسی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲۰ ' ص ۲۰۰ ' سمہودی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۳۰۱۔

6 بلاذری ' ج ۲۰ ' ص ۳۴۳ ؛ محمد بن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۶ ؛ ابن ہشام ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۲۳۱ ؛ طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۶ ؛ سمہودی ' ج ۱ ' ص ۳۰۱۔

7 بلاذری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۱ ' ص ۳۴۳ ؛ طبری ' گزشتہ حوالہ ' ج ۳ ' ص ۴۸ ؛ ابن واضح ' تاریخ یعقوبی ' (نجف : المکتبۃ الحیدریہ ' ۱۳۸۴ھ.ق) ' ج ۲ ' ص ۴۱ ؛ حلبی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۳۶ و ۶۵۷۔

8 ابن سعد ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۷ ؛ حلبی ' گزشتہ حوالہ ' ج ۲ ' ص ۶۳۷۔۶۳۶۔

"اس وقت جب کفار تمہارے اوپر کی طرف سے اور نیچے کی سمت سے آگئے اور دہشت سے نگاہیں خیرہ کرنے لگیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم خدا کے بارے میں طرح طرح کے خیالات میں مبتلا ہوگئے۔ اس وقت مومنین کا باقاعدہ امتحان لیا گیا اور انھیں شدید قسم کے جھٹکے دیئے گئے"۔[1]

بنی قریظہ کی خیانت

اس موقع پر ایک دوسرا واقعہ رونما ہوا جس نے مسلمانوں کی حالت کو بدتر کر دیا وہ یہ کہ قبیلۂ بنی قریظہ نے عدم تجاوز کے پیمان کو توڑ دیا اور لشکر احزاب کی حمایت کا اعلان کر دیا۔ اس قبیلہ کی خیانت' حی ابن اخطب کے شیطانی وسوسہ کے ذریعہ انجام پائی۔[2] اس سازش کے فاش ہونے سے بہت سارے مسلمانوں کے حوصلہ پست ہوگئے۔ لیکن پیغمبرؐ کی کوشش تھی کہ اس کے برے اثرات کو مٹا دیں۔

بنی قریظہ نے صرف عہد شکنی پر اکتفا نہ کی بلکہ عملی طور سے دو دوسری بڑی خیانتوں کے مرتکب ہوگئے۔ پہلی یہ کہ لشکر احزاب کے لئے غذائی رسد کا کام انجام دیا جو کہ آذوقہ کے لحاظ سے سخت مشکلات میں گرفتار تھے اسی طرح سے ایک مرتبہ مسلمانوں نے "قبا" کے علاقہ میں ایک قافلہ کو دیکھا جو خرما' جو اور چارہ لئے ہوئے تھا اور وہ قریظہ کی طرف سے سپاہ احزاب کے لئے بھیجا جا رہا تھا' لہٰذا اس کو ضبط کر لیا۔[3]

دوسری یہ تھی کہ شہر کے اندر پناہ گاہوں میں عورتوں اور عام لوگوں کے درمیان' دہشت گردی کے ذریعہ ان کے اندر رعب و وحشت پیدا کر دیا تھا اور ایک روز ان میں سے ایک شخص قلعہ کے اندر تک پہنچ گیا تھا جو "صفیہ" پیغمبرؐ کی پھوپھی کے ذریعہ مارا گیا۔[4]

ایک رات بنی قریظہ نے قصد کیا کہ مرکز مدینہ پر حملہ کریں اس وجہ سے حی ابن اخطب کو قریش کے پاس بھیجا اور ان سے کہا کہ ایک ہزار افراد قریش سے اور ایک ہزار افراد غطفان سے اس حملہ میں ان کی مدد کریں۔ اس نقل و حرکت کی خبر پیغمبرؐ کو ملی اور شہر میں سخت رعب و وحشت طاری ہوگیا۔

رسول خداؐ نے پانچ سو افراد کو اس شہر کی حفاظت کے لئے مامور کیا۔ وہ لوگ راتوں کو تکبیر کے نعروں کے ساتھ گشت کرتے تھے اور لوگوں کے گھروں کا پہرہ دیتے تھے۔[5]

لشکر احزاب کی شکست کے اسباب

---

1 سورۂ احزاب' آیت ١١-١٠.

2 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ص ٦٧؛ ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ج ٣' ص ٢٣١؛ طبری' گزشتہ حوالہ' ج ٣' ص ٤٧-٤٦؛ سمہودی' گزشتہ حوالہ' ج ١' ص ٣٠٣؛ مجلسی' گزشتہ حوالہ' ج ٢٠' ص ٢٠١-٢٠٠.

3 سمہودی' گزشتہ حوالہ' ج ١' ص ٣٠٤؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ج ٢' ص ٦٤٧.

4 بلاذری' گزشتہ حوالہ' ج ١' ص ٣٤٧؛ واقدی' گزشتہ حوالہ' ج ٢' ص ٤٦٣-٤٦٢؛ طبری' گزشتہ حوالہ' ج ٣' ص ٥٠؛ سمہودی' گزشتہ حوالہ' ج ١' ص ٣٠٢.

5 واقدی' گزشتہ حوالہ' ج ٢' ص ٤٦٠؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ج ٢' ص ٦٣٦؛ ابوبکر سے نقل ہوا ہے کہ وہ جنگ احزاب کو یاد کرتے تھے اور بنی قریظہ کی اس خیانت کے بارے میں کہتے تھے: ہم مدینہ میں اپنے بچوں (اور عورتوں) کے بارے میں قریش اور غطفان کے بہ نسبت بنی قریظہ سے زیادہ ڈرتے تھے (واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ٤٦٠)

لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود، خندق کھودنے کے علاوہ، چند دوسرے اہم اسباب کی وجہ سے حالات مسلمانوں کے حق میں بدل گئے تھے۔اور آخر کار لشکر احزاب کی ناکامی کا باعث بنا۔ وہ اسباب یہ تھے :

۱۔ بنی قریظہ اور لشکر احزاب کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا

نعیم بن مسعود، قبیلۂ غطفان کا ایک فرد تھا جو جلدی ہی مسلمان ہوا تھا اس نے پیغمبرؐ کی اجازت سے[1] بنی قریظہ سے جاکر ملاقات کی اور ان سے پرانی دوستی ہونے کی بناپر پہلے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا پھر عہد شکنی پر ان کی مذمت کی اور کہا: تمہاری صورت حال، لشکر قریش سے الگ ہے اگر جنگ کسی مرحلہ پر نہ پہنچی تو وہ اپنے وطن کی طرف پلٹ جائیں گے لیکن تم کہاں جاؤ گے؟ اگر جنگ تمام نہ ہوئی تو مسلمان تم کو نابود کردیں گے۔ اور پھر ان کو مشورہ دیا کہ لشکر احزاب کے کچھ کمانڈروں کو اغواہ کر کے ضمانت کے طور پر جنگ کے تمام ہونے تک رکھے رہیں ۔

پھر اس بات کو فوجی راز اور بنی قریظہ کے مخفی ارادے کے عنوان سے قریش اور اپنے قبیلہ غطفان کے سرداروں سے بتایا اور کہا کہ بنی قریظہ کا ارادہ ہے کہ اس بہانہ سے تمہارے کچھ افراد کو گرفتار کر کے حسن نیت اور پچھلی باتوں کی تلافی کے عنوان سے حضرت محمدؐ کے حوالہ کریں۔ اور ان کو خبردار کیا کہ ایسا مشورہ قبول نہ کریں۔ اس نے یہ چال اپنائی اور ان دو گروہوں کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا اور متحدہ احزاب کا محاذ اندر سے کمزور ہوگیا۔[2]

عمرو بن عبد ود کا قتل

گویا قریش تین لحاظ سے مشکلات اور دشواریوں میں گرفتار تھے اور چاہتے تھے کتنی جلدی جنگ کو تمام کریں۔

پہلا : یہ کہ جنگ میں تاخیر ہونے کی بناپر غذائی مواد کم ہوگیا تھا۔

دوسرا: یہ کہ آہستہ آہستہ ہوا ٹھنڈی ہونے لگی تھی جس کی وجہ سے خیموں میں رہنا دشوار ہوگیا تھا۔

تیسرا: یہ کہ ماہ ذیقعدہ جو کہ ماہ حرام تھا وہ قریب ہوگیا تھا لہٰذا اگر جنگ ماہ شوال میں تمام نہ ہو پائی تو مجبوراً انھیں تین مہینے مسلسل رکنا پڑے گا۔[3]

اس وجہ سے طے کیا کہ ہر صورت میں جنگی روکاوٹوں کو ختم کریں اس بناپر لشکر احزاب کے پانچ بہادر اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر خندق کے باریک حصہ سے دوسری طرف پہنچ گئے[4] اور تن بہ تن جنگ کے لئے رجز خوانی کرنے لگے ان میں سے ایک عرب کا سب سے بہادر اور نامور

---

1 ان الحرب خدعۃ.

2 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۶۹؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۲۴۰؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۵۱۔۵۰؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۶۵۰؛ سمہودی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۰۴؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۲۰۷.

3 محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ در میدان جنگ، ترجمہ: سید غلام رضا سعیدی، ص۱۲۸

4 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۶۸؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۴۷۰؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۴۸؛ شیخ مفید، الارشاد، (قم: المؤتمر العالمی لالفیۃ الشیخ المفید، ط۱، ۱۴۱۳ھ.ق)، ص۹۷؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۲۰۳۔

پہلوان ''عمرو بن عبدود'' تھا جو کہ ''شہشوار قریش'' اور ''شہشوار یلیل'' کے نام سے مشہور تھا۔[1] خندق کو پھاند کر ''ھل من مبارز'' کی صدا بلند کی۔ لیکن کوئی مسلمان اس سے مقابلہ کے لئے تیار نہ ہوا۔[2] یہ چیلنج کئی مرتبہ دھرایا اور ہر مرتبہ صرف علیؑ، پیغمبرؐ کی اجازت سے اس کی طرف بڑھے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: ''کل ایمان، کل کفر و شرک کے مقابلہ میں جارہا ہے''۔[3]

علیؑ نے ایک فردی جنگ میں بہادرانہ انداز میں عمرو بن عبدود کو ہلاک کر دیا، عمرو بن عبدود کے قتل ہوتے ہی چار دوسرے پہلوان جو اس کے ساتھ خندق پھاند کر آئے تھے اور علیؑ سے لڑنے کے منتظر تھے، فرار کر گئے! اور ان میں سے ایک گھوڑے کے ساتھ خندق میں گر گیا اور مسلمانوں کے ذریعہ قتل ہوا۔[4]

پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ کی اس عظیم شجاعت و بہادری پر ان سے فرمایا: ''آج اگر میں تمہارے اس عمل کو اپنی پوری امت کے اعمال سے موازنہ کروں تو تمہارا یہ عمل ان پر بھاری قرار پائے گا۔

کیونکہ عمرو بن عبدود کے قتل ہونے سے مشرکین کا کوئی گھر ایسا نہیں بچا جس میں ذلت و رسوائی نہ چھائی ہو اور مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جس میں عزت و سربلندی نہ آئی ہو۔[5]

اہل سنت کے ایک بزرگ محدث حاکم نیشاپوری کے نقل کے مطابق، پیغمبرؐ نے فرمایا: جنگ خندق میں علی بن ابی طالب کی لڑائی عمرو بن عبدود سے روز قیامت تک میری امت کے اعمال سے یقیناً افضل ہے''۔[6]

عمرو کے قتل ہوتے ہی لشکر احزاب کے حوصلہ پست ہوگئے اور شکست کے آثار ان کے لشکر میں نمودار ہوئے اور مختلف قبیلے جو جنگ کرنے کے لئے آئے تھے ہر ایک اپنے وطن کی طرف واپس جانے لگا۔[7]

---

1 چونکہ وہ ''یلیل'' نامی سرزمین پر تن تنہا، دشمن کے ایک گروہ پر غالب ہوا تھا لہذا وہ اسی نام سے مشہور ہوا (بحار الانوار، ج۲۰، ص ۲۰۳) وہ جنگ بدر میں زخمی ہو گیا تھا اسی وجہ سے جنگ احد میں شریک نہیں ہوا تھا۔ اور تین سال کے بعد پھر جنگ خندق میں آیا تھا لہذا اپنے کو ایک علامت کے ذریعہ مشخص کر رکھا تھا تاکہ لوگوں کی توجہ اپنی جانب جلب کرے۔ (ابن ہشام، السیرۃالنبویہ، ج۳، ص ۲۳۵؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص ۴۸؛ ابن اثیر، الکامل فی تاریخ، ج۲، ص ۱۸۱)۔

2 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۴۷۰؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم (دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۹۶۴ء)، ج۱۳، ص۲۹۱ و ج۱۹، ص ۶۳؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۰، ص ۲۰۳۔

3 برز الاسلام کلہ الی الشرک کلہ۔ (ابن ابی الحدید، گزشتہ حوالہ، ج۱۹، ص۶۱؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۲۱۵)

4 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۴۵؛ محمد بن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص ۶۸؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۲۳۶؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۴۸؛ سمہودی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص ۳۰۳.

5 ابوالفتح محمد بن علی الکراجکی، کنز الفوائد (قم: دار الذخائر، ۱۴۱۰ھ.ق)، ج۱، ص ۲۹۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۰، ص ۲۰۵، ۲۱۶.

6 المستدرک علی الصحیحین، تحقیق: عبدالرحمٰن المرعشی (بیروت: دار المعرفہ، ط۱، ۱۴۰۶ھ.ق)، ج۳، ص ۳۲.

7 کراجکی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۹۹.

غیبی امداد

آخری وار، خداوند عالم نے امداد غیبی کی شکل میں ان پر یہ کیا کہ ٹھنڈی ہوا اور شدید طوفان کو رات میں ان پر مسلط کر دیا۔ طوفان نے ان کے ٹھکانوں کو تہس نہس کر دیا اور ان کے لئے وہاں ٹھہر نا دشوار ہو گیا آخر کار ابوسفیان نے مکہ پلٹنے کا حکم صادر کیا۔ [1]

خداوند عالم نے اپنی نصرت کا اس طرح سے تذکرہ فرمایا ہے:

"ایمان والو! اس وقت اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب کفر کے لشکر تمہارے سامنے آگئے اور ہم نے ان کے خلاف تمہاری مدد کے لئے تیز ہوا اور ایسے لشکر بھیج دیئے جن کو تم نے دیکھا بھی نہیں تھا اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ اور خدا نے کفار کو ان کے غصہ سمیت واپس کر دیا کہ وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے اور اللہ نے مومنین کو جنگ سے بچالیا اور اللہ بڑی قوت والا اور صاحب عزت ہے"۔ [2]

اس جنگ میں احزاب کے سرداروں کی طرف سے عظیم سرمایہ خرچ کرنے، اور اتنی کثیر تعداد میں سپاہیوں کو اکٹھا کرنے کے باوجود ان کے لئے اس جنگ کا نتیجہ تلخ آور اور غم انگیز تھا۔ کیونکہ نہ مدینہ کو کوئی نقصان پہنچا اور نہ ہی وہ شام کے تجارتی راستے کو آزاد کرا سکے۔ اس وجہ سے ابوسفیان کی کمانڈری بدنام ہوئی اور قریش کی عظمت و ہیبت کم ہو گئی۔ یہ وہ جنگ تھی جس کے بعد مسلمان دفاعی حالت سے نکل کر تہاجمی قدرت کے مالک ہو گئے یعنی حملہ کرنے کی پوزیشن میں آگئے۔

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: "اس کے بعد ہم حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ نہیں کر سکتے" [3] اور اسی طرح سے ہوا بھی۔ اس جنگ میں چھ افراد شہید ہوئے [4] اور دشمن کی طرف کے تین افراد مارے گئے۔ [5]

جنگ بنی قریظہ

لشکر احزاب کے پلٹ جانے کے بعد، پیغمبرؐ مامور ہوئے کہ بے خوف بنی قریظہ کی طرف جائیں اور ان کا کام تمام کر دیں۔ پیغمبرؐ نے فوراً لشکر کے کوچ کا حکم دیا اور اسی روز عصر کے وقت لشکر اسلام نے قلعہ بنی قریظہ کا محاصرہ کر لیا۔ بنی قریظہ نے اپنے قلعہ میں مورچہ سنبھال کر تیر اندازی شروع کر دی اور پیغمبر اسلامؐ کی شان میں نازیبا کلمات کے ذریعہ گستاخی کی۔

---

1 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۴۵؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۷۱؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۵۲۔۵۱؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص۱۹۸؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۹۲؛ سمہودی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۰۵؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۲۰۹۔۲۰۸۔

2 سورۂ احزاب، آیت ۹ اور ۲۵.

3 شیخ مفید، الارشاد، ص۱۰۶؛ صحیح بخاری، تحقیق: الشیخ قاسم الشماعی الرفاعی (بیروت: دار القلم، ط۱، ۱۴۰۷ھ.ق)، ج۵، ص۲۱۵؛ کتاب المغازی، باب ۱۴۶، حدیث ۵۹۳؛ طبرسی، مجمع البیان، ج۸، ص۳۴۵؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص۲۰۹۔

4 ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۴۲؛ واقدی، المغازی، ج۲، ص۴۹۲؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۲۶۴؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۵۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب، ج۱، ص۱۹۸۔ اس جنگ کے شہداء کی تعداد اس سے زیادہ نقل ہوئی ہے۔ رجوع کریں: تاریخ پیامبر اسلامؐ، محمد ابراہیم آیتی (تہران: مؤسسہ انتشارات و طبع تہران یونیورسٹی، ۱۳۶۱)، ص۳۷۲۔

5 واقدی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۴۹۶؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۲۶۵؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۵۹؛ ابن شہر آشوب، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۹۸؛ یعقوبی نے دشمن کے مقتولین کی تعداد آٹھ بتائی ہے۔ (ج۲، ص۴۲)

۲۵ روز محاصرہ کے بعد آخر کار ان کے پاس تسلیم کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہ گیا قبیلۂ اوس جس نے پہلے بنی قریظہ کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا پیغمبرؐ سے درخواست کی کہ ان کے ہم نواؤں کے ساتھ بنی قینقاع کے یہودیوں جیسا برتاؤ کریں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: "تمہارے بزرگ، سعد بن معاذ کو اس سلسلے میں قضاوت کا حق حاصل ہے" اوسیوں اور بنی قریظہ نے اس قضاوت کو قبول کیا، سعد کو ایسی ماموریت ملنے کے بعد قبیلہ جاتی اور جاہلی رسم ورواج کے مطابق، بنی قریظہ کے حق میں فیصلہ کرنا چاہیئے تھا۔

لیکن وہ اپنے قبیلہ والوں کی باتوں سے متاثر نہیں ہوئے اور اعلان کیا کہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ اس کے بعد دونوں طرف کی تائید حاصل کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ ان کے لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو اسیر اور ان کے مال ودولت کو غنیمت سمجھ کر لے لیا جائے۔

یہ حکم اجرا ہوا، حی ابن اخطب، قبیلۂ بنی نضیر کا سردار بھی قتل ہونے والوں میں تھا، جس نے مسلمانوں کے ساتھ ان کی پیمان شکنی میں تشویق اور اہم کردار ادا کیا تھا۔ کیونکہ اس نے بنی قریظہ سے وعدہ کیا تھا کہ ان کا ساتھ دے گا اور شکست کھانے کی صورت میں ان کے انجام میں شریک رہے گا۔ اسے جب زندگی کے آخر لمحات میں، خیانت اور فتنہ گری کے باعث، برا بھلا کہا گیا تو بجائے گناہوں کے اعتراف اور اظہار پشیمانی کے، اپنی اور بنی قریظہ کی بری عاقبت کو خداوند عالم کے جبر و تقدیر کا نتیجہ قرار دیا۔ اس نے پیغمبر اسلاؐم سے کہا: میں تمہاری دشمنی سے پشیمان نہیں ہوں لیکن جو خدا جس کو رسوا کرے رسوا ہو جاتا ہے" اور پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: خدا کے ارادہ کے مقابلہ میں مجھے ڈر اور خوف نہیں ہے اور یہ شکست ورسوائی یقینی ہے جو خدا کی جانب سے بنی اسرائیل کے لئے مقرر ہوئی ہے"۔[1]

پیغمبر اسلاؐم نے اسیروں کے ایک گروہ کو ایک مسلمان کے ذریعہ نجد بھیجا تاکہ ان کو بیچ کر مسلمانوں کے لئے اسلحے اور گھوڑے خریدے۔[2]

قرآن کریم نے ان کے برے انجام کا اس طرح سے ذکر کیا ہے:

"اور اس نے کفار ومشرکین کی پشت پناہی کرنے والے اہل کتاب کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ تم نے ان میں سے کچھ کو قتل کیا اور کچھ کو قیدی بنالیا۔ اور پھر تمہیں ان کی زمینوں ان کے گھروں اور ان کے اموال اور ایسی زمین کا وارث بنادیا جن میں تم نے قدم بھی نہیں رکھا تھا اور بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔[3]

---

1 اس جنگ کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں: (طبقات الکبری، ج۲، ص۷۸۔ ۷۴؛ تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص۵۸۔ ۵۳؛ المغازی، ج۲، ص۵۲۴۔ ۴۹۶؛ السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۲۶۱۔ ۲۴۴؛ وفاء الوفاء، ج۱، ص۳۰۹۔ ۳۰۵؛ بحار الانوار، ج۲۰، ص۲۳۸۔ ۲۳۳۔

2 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص۲۵۶؛ طبری، تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص۵۸؛ ایک گروہ کو بھی، سعد ابن عبادہ کے ذریعہ اس سلسلہ میں شام بھیجا (واقدی، المغازی، ج۲، ص۵۳۳) جنگ خندق و بنی قریظہ کے بارے میں مذکورہ کتابوں کے علاوہ رجوع کریں: تفسیر المیزان، ج۱۶، ص۳۰۳۔ ۲۹۱.

3 سورۂ احزاب، آیت ۲۷۔ ۲۶.

تجزیہ و تحلیل

اگرچہ اس واقعہ کی تفصیلات (جیسے بنی قریظہ کے سپاہیوں کی تعداد یا جو لوگ فرمان قتل کو بجالائے) کے بارے میں مورخین کے درمیان اختلاف موجود ہے لیکن اصل واقعۂ زمانۂ قدیم سے مورخین کے درمیان مشہور اور مسلم تھا اور ہے یہاں پر اگر اس مسئلہ کے بارے میں دو نظریوں کا تجزیہ و تحلیل کریں تو بے جا نہ ہوگا۔

۱۔ بعض یورپی تاریخ نگاروں نے بنی قریظہ کے ساتھ پیغمبرؐ کے سلوک پر نکتہ چینی کی ہے اور اسے ایک وحشیانہ اور غیر انسانی اقدام کہا ہے۔[1] لیکن بنی قریظہ کے جرم و جنایات کو دیکھتے ہوئے اس نکتہ چینی کو قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان لوگوں نے نہ صرف عہد شکنی اور جنگ کے اعلان پر اکتفا کی بلکہ جیسا کہ بیان ہوا مدینہ کے اندر دہشت پھیلانے والی کاروائیاں اور نیز لشکر احزاب کے لئے غذائی رسد کا کام انجام دے کر اور حقیقت میں ان کی مالی امداد کے ذریعہ عملی طور پر جنگ میں شریک تھے اور ہم جانتے ہیں کہ اس طرح کے اقدامات جنگ کے مواقع پر کسی قوم کے نزدیک قابل چشم پوشی نہیں ہیں اور اس کے مجرموں کو سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ پیغمبر اسلامؐ اس عہد و پیمان کی رو سے جو ان سے کیا تھا ان کو سزائیں دینے کا حق رکھتے تھے لیکن اوسیوں کی درخواست پر فضل کے عنوان سے سعد کی قضاوت کا مشورہ دیا اور اس مشورہ کو اوسیوں اور بنی قریظہ نے قبول کر لیا. لہٰذا اعتراض کا کوئی سوال باقی نہیں رہ جاتا ہے۔

اس سے قطع نظر، یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عفو و درگزر کہاں اور کس کے بارے میں بہتر اور مناسب ہے؟ کیا وہ لوگ، جو انسانی صورت تو رکھتے ہیں لیکن انسانی وقار کو پائمال کر دیتے ہیں اور اپنے کسی معاہدہ کے پابند نہیں ہوتے۔ جن کا وجود، دشمنی، کینہ اور ہٹ دھرمی سے لبریز ہو، عفو و گزشت کے قابل ہیں؟[2]

کیا بنی نضیر کے یہودیوں کے ساتھ "حی ابن اخطب" کی رہبری میں نرمی کا سلوک نہیں کیا گیا تھا؟ لیکن وہ سازش کرنے سے باز نہ آئے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شریک ہوگئے۔ کیا ضمانت پائی جاتی تھی کہ حی ابن اخطب اور کعب بن اسد گزشتہ امور کی تکرار نہیں کریں گے۔ اور دوسرے بڑے لشکر کو اسلام اور مسلمانوں کی نابودی کے لئے اکٹھا نہیں کریں گے؟ کیا ان کے ساتھ نرمی اور مہربانی کا برتاؤ، ایک خونخوار جانور پر رحم کرنے جیسا نہیں ہے۔

---

1 مونٹ گری واٹ، محمد فی المدینہ، تعریب: شعبان برکات (بیروت: منشورات المکتبۃ العصریہ)، ص ۳۲۷، مولف کتاب نے بھی ۲۳ سال تک ان یورپی سیرت نگاروں کا ہم نوا بن کر بنی قریظہ کی مذمت پر اعتراض کیا ہے وہ بنی قریظہکی بڑی خیانت کا تذکرہ کرنے کے باوجود لکھتا ہے: "جنگ خندق میں مدینہ کا محاصرہ کرنے سے مسلمانوں کی زندگی دشوار ہوگئی تھی اور مکہ پر حملہ آوروں کے ساتھ بنی قریظہ کا مل جانا ایک ممکن الوقوع امر تھا اور جب بھی ایسا ہوتا، مسلمانوں کی شکست یقینی تھی اور احتمال قوی پایا جاتا تھا کہ محمدؐ کی تحریک بالکل مٹ جاتی..." اس کے باوجود وہ مزید لکھتا ہے. لیکن محمدؐ کو ان پر رحم کرنا چاہیئے تھا (مصطفیٰ حسینی طباطبائی، خیانت در گزارش تاریخ (تہران: انتشارات چاپخش، ط ۱، ۱۳۶۶)، ج ۳، ص ۱۶۵۔ ۱۶۴)

2 بنی قریظہ کے آخری ایام میں ان کے بعض مخفی مذاکرات (جیسے کعب بن اسد کا مشورہ، عورتوں اور بچوں کے قتل کرنے اور پھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا) اور نیز پھانسی دینے سے قبل ان کی بعض حرکتوں اور عکس العمل نے، ان کی شدید دشمنی، بے رحمی اور ہٹ دھرمی کا پردہ فاش کر دیا، جیسا کہ ان میں سے ایک کو بعض مسلمانوں کی درخواست پر پیغمبرؐ نے معاف کر دیا لیکن وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا اور اسے بھی قتل کرنا پڑا۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۲۵۴۔ ۲۵۳.)

مدینہ کے محاصرہ کے ایام میں ' ایک دن ابوسفیان نے پیغمبر اسلاؐم کوایک دھمکی آمیز خط میں لکھا: ''لات و عزیٰ کی قسم' اس لشکر کے ساتھ تجھ سے جنگ کرنے کے لئے آیا ہوں اور ہم چاہتے ہیں کہ ہرگز دوبارہ جنگ کی ضرورت نہ پڑے اس حملہ میں تم کو نیست و نابود کردیں گے۔ لیکن اگر (بغیر جنگ کے) مکہ پلٹ گئے تو روز احد کے مانند تمہارے لئے ایک دن ایسا لائیں گے کہ عورتیں اس دن گریبان چاک کر ڈالیں گی۔[1] کیا اگر ایسی صورت حال پیش آجائے تو بنی قریظہ دوسری بار لشکر احزاب کا ساتھ نہیں دیں گے؟

اس سے قطع نظر کہ سعد کا حکم توریت کے حکم کے مطابق تھا اور شاید وہ یہودیوں سے قریبی تعلقات اور ہم پیمان ہونے کی وجہ سے ان کے قضائی قوانین سے آگاہی بھی رکھتے تھے۔

توریت میں اس طرح سے نقل ہوا ہے: ''جس وقت کسی شہر کی طرف جنگ کے لئے جاؤ تو پہلے ان تک صلح کا پیغام پہنچاؤ اور اگر وہ تم کو صلح آمیز جواب دیں اور شہر کا دروازہ تمہارے لئے کھول دیں' جس میں تمام قوم کے لوگ پائے جاتے ہوں اور ٹیکس دیکر تمہارے تابع ہو جائیں ' تو ان سے جنگ نہ کرنا۔ اور اگر تم سے صلح نہ کرکے' جنگ کریں تو ان کا محاصرہ کرلو اور چونکہ تمہارے خدا نے کا ان کو تمہارے حوالے کر دیا ہے لہٰذا ان کے تمام مردوں کو تلوار سے قتل کرڈالو۔ اور ان کی عورتوں' بچوں اور مویشیوں اور جو کچھ ان کے شہر میں ملے یعنی ان کے تمام مال غنیمت کو لوٹ لو اور اسے کھاؤ۔[2]

۲۔ اس دور کا ایک محقق' بنی قریظہ کی سزاؤں کا منکر ہو گیا ہے اور کچھ دلائل اور قرائن کو دلیل بنا کر پیغمبرؐ کی جانب سے اس طرح کی سخت سزاؤوں کے دیئے جانے کو بعید قرار دیتا ہے۔[3]

یہ نظریہ۔ اگرچہ بعض یورپی تاریخ نگاروں کی تنقید یا صہیونزم کے پروپیگنڈہ کے مقابلہ میں ایک طرح کا دفاعیہ تو ہو سکتا ہے لیکن جیسا کہ بعض بڑے دانشمندوں نے اس نظریہ پر تنقید کی ہے'[4] یہ دلائل محکم نظر نہیں آتے' خاص طور سے اس استدلال میں سورۂ احزاب کی ۲۶ ویں آیت کی طرف توجہ نہیں دی گئی ہے جو کہ اصل واقعہ کی حکایت کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ' جنگ احزاب کے بعد سے تاریخ میں بنی قریظہ کا کوئی واقعہ نظر نہیں آتا جبکہ اگر واقعہ صحیح نہ ہوتا تو فطری طور ان کے بعد کے حالات' تاریخ میں ذکر ہوتے۔

---

1 واقدی' المغازی' ج ۲' ص ۴۹۲.

2 توریت' ترجمۂ ولیم کلن قیس اکسی' لندن' ۱۳۲۷ ھجری' سفر مثنی' بیسویں فصل اس سلسلہ میں مزید آگاہی کے لئے سعد کی کتابوں کی طرف رجوع کریں: جعفر سبحانی' فروغ ابدیت' ج ۲' ص ۱۵۷۔ ۱۵۴.

3 سید جعفر شہیدی' تاریخ تحلیلی اسلام تا پایان امویان (تہران: مرکز نشر یونیورسٹی' ط ٦' ۱۳٦۵)' ص ۷۵۔ ۷۳

4 سید علی میر شریفی' نگرشی کوتاہ بہ غزوۂ بنی قریظہ' مجلّہ نور علم' شمارہ ۱۱' اور ۱۲.

جنگ بنی مصطلق

شعبان ۶ ھ[1] میں پیغمبر اسلامؐ کو خبر ملی کہ حارث بن ابی ضرار، بنی مصطلق کا رئیس (قبیلۂ خزاعہ کا ایک خاندان)، اپنے قبیلہ والوں اور اس کے علاقہ کے کچھ عرب لوگوں کو مدینہ پر حملہ کے لئے تیار کر رہا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے اسلامی سپاہیوں کو آمادہ کیا اور "مریسیع"[2] کنواں کے پاس، بحر احمر کے ساحلی علاقہ تک گئے. اس علاقے میں جنگ ہوئی اور بنی مصطلق بہت جلد ہار کھا گئے اور ان سے بہت ساری دولت اور اسیر مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔[3]

جُویریہ۔ حارث کی لڑکی۔ بھی اسیروں میں تھی۔ حارث اپنی لڑکی کی آزادی کے لئے مدینہ میں پیغمبرؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب آنحضرتؐ نے اسے غیب سے خبر دی کہ وہ دو اونٹ اپنی لڑکی کی رہائی کے لئے لایا ہے اور راستے میں چھپا رکھا ہے، تو وہ مسلمان ہو گیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے جویریہ کو آزاد کر دیا اور پھر اس سے شادی کر لی۔[4]

مسلمانوں نے پیغمبرؐ کے احترام میں اسیروں کو جو اب پیغمبرؐ کی زوجہ کے رشتہ دار سمجھے جانے لگے تھے، آزاد کر دیا اس وجہ سے جویریہ کو اپنے رشتہ داروں کی بہ نسبت سب سے بابرکت عورت کے عنوان سے یاد کرتے تھے۔[5]

یہ شادی پیغمبر اسلامؐ کی شادیوں میں ایک نمونہ تھی جو بہت سارے اجتماعی فوائد رکھتی تھی اور ذاتی پہلوؤں سے ہٹ کر اجتماعی لحاظ سے انجام پائی تھی۔

عمرہ کا سفر

۶ ھ میں پیغمبر اسلامؐ نے قصد کیا کہ "عمرہ" کرنے کے لئے مکہ جائیں۔ ہجرت کے بعد سے اس دن تک مسلمان حج و عمرہ نہیں کر پائے تھے، اس مذہبی سفر میں معنوی پہلوؤں کے علاوہ ایک طرح کی مذہبی نمائش بھی تھی جو تبلیغی اثر رکھتی تھی، کیونکہ اس سے زائرین اور اہل مکہ کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا اور پیغمبر کو اپنے اصحاب کی کثرت تعداد کو دکھانا تھا۔ اور نیز یہ اقدام اس بات کی بھی علامت تھا کہ حج و عمرہ جو کہ مشرکین کے یہاں ایک عظیم اور مقدس عبادت ہے وہ دین محمدؐ میں بھی موجود ہے اور اسے ایک فریضہ واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ چیز ان کے قلوب و جذبات کو جلب کرنے میں موثر تھی. اور اگر قریش عمرہ بجالانے سے روکتے تو لوگوں کے خیالات ان کے حق میں مضر ثابت

---

1 مورخین کے بعض گروہ، جیسے واقدی، بلاذری، اور محمد بن سعد اس غزوہ کو پانچویں سال کے حوادث میں سے شمار کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے اس کو جنگ احزاب کے پہلے تحریر کیا ہے۔ بعض قرائن، ان کے اس نظریہ کی صحت پر دلالت کرتے ہیں۔ رجوع کریں: السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۰۲، حاشیۂ؛ وفاء الوفاء، ج ۱، ص ۳۱۴.

2 اسی مناسبت سے اس غزوہ کو غزوۂ مریسیع بھی کہا جاتا ہے۔

3 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۳۰۸۔ ۳۰۲؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۶۶۔ ۶۳؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج ۲۰، ص ۲۹۰۔ ۲۸۱)

4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۳۰۸؛ مفید، الارشاد (قم: المؤتمر العالمی لالفیۃ الشیخ المفید، ط ۱، ۱۴۱۳ھ.ق)، ص ۱۱۹۔ ۱۱۸؛ ابن شہر آشوب، مناقب آل ابی طالب (قم: المطبعۃ العلمیہ)، ج ۱، ص ۲۰۱.

5 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۳۰۸۔ ۳۰۷؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج ۱، ص ۴۱۱؛ طبری، اعلام الوریٰ، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ)، ص ۹۴؛ بعض تاریخی کتابوں میں یہ شادی دوسری طرح سے ذکر ہوئی ہے۔

ہوتے، کیونکہ قریش کعبے کی کنجی کے مالک تھے اور ہمیشہ حجاج کو حج کی تشویق اور ترغیب دلاتے تھے اور ان کے ٹھہرنے اور کھانے کا انتظام کرتے تھے اور اس کو اپنے لئے ایک افتخار اور سعادت سمجھتے تھے۔ لہٰذا اگر وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکتے تو لوگ ان سے نفرت کرنے لگتے اور سبھی سمجھ جاتے کہ اس کام کا مقصد صرف مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور جھگڑا کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔[1]

پیغمبر اسلامؐ ذیقعدہ کے مہینہ میں ایک ہزار آٹھ سو افراد[2] کے ہمراہ مکہ روانہ ہوئے اس سفر میں پیغمبرؐ کے حکم سے تمام افراد، صرف ایک تلوار اپنے ساتھ حمائل کئے تھے (جو کہ اس زمانہ میں ہر ایک مسافر اپنے ساتھ رکھتا تھا) اور نیز قربانی کے اونٹ، مدینہ سے اپنے ساتھ لے کر گئے تھے تاکہ قریش کو معلوم ہو جائے کہ وہ جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے ہیں۔

قریش جب پیغمبر اسلامؐ کی روانگی سے آگاہ ہوئے تو طے کیا کہ ان کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے اور ان کے سراغ میں سپاہیوں کے ساتھ مکہ سے باہر آگئے اور پیغمبرؐ مجبور ہو کر سرزمین "حدیبیہ" میں رک گئے۔ قریش نے کئی نمائندے پیغمبرؐ کے پاس بھیجے تاکہ ان کے مقصد سے آگاہ ہوں ہر مرتبہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا: "ہم جنگ کا اراہ نہیں رکھتے ہیں اور عمرہ کے قصد سے آئے ہیں" لیکن اس کے باوجود قریش ان کو اسی طرح شدت سے منع کرتے رہے اور مسئلہ مشکل میں پڑ گیا۔

بیعت رضوان

آخر کار پیغمبر اسلامؐ نے عثمان بن عفان کو ان کے پاس بھیجا تاکہ ان کے مقصد سے قریش کو آگاہ کریں۔ عثمان کے پلٹنے میں تاخیر ہوئی تو مسلمانوں کے درمیان یہ افواہ اڑی کہ قریش نے ان کو قتل کر دیا ہے۔[3]

اس موقع پر پیغمبرؐ نے اپنے اصحاب کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا اور ان کے ساتھ عہد و پیمان پائیدار کیا۔[4]

بیعت کی رسم ختم ہوئی ہی تھی کہ معلوم ہوا کہ عثمان کے قتل کی خبر غلط تھی یہ عہد نامہ چونکہ درخت کے نیچے کیا گیا اور اس میں شرکت کرنے والوں سے خدا نے خوشنودی اور رضایت کا اظہار کیا[5] لہٰذا اس کو "بیعت رضوان" اور "بیعت شجرہ" کہا گیا ہے۔

---

1 جیسا کہ جب قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا تو مکہ کے ایک بزرگ حلیس بن علقمہ نے قریش کو دھمکی دی کہ اگر وہ اس کام سے باز نہ آئے تو اپنے قبیلہ والوں کو ان سے جنگ کے لئے اکٹھا کریں گے۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۲، ص۹۶؛ حلبی، السیرۃ النبویہ، ج۲، ص۶۹۶.

2 کلینیؒ، الروضۃ من الکافی (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۲)، ص ۳۲۲؛ مورخین نے پیغمبرؐ کے ہمراہ اصحاب کی تعداد ۷۰۰، ۱۳۰۰، ۱۴۲۵، ۱۶۰۰، ۱۷۰۰ تک نقل کی ہے۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج۲، ص۶۸۹، المغازی، ج۲، ص ۶۱۴؛ طبقات الکبری، ج۲، ص۹۸۔۹۵؛ تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص ۷۲؛ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ج۳، ص ۳۳۲؛ مجمع البیان، ج۹، ص ۱۱۰.

3 المغازی، ج۲، ص ۶۰۲.

4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۳۳۰؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۷۸؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۹۹۔۹۷؛ بلاذری، انساب الاشراف، ج۱، ص ۳۵۰؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۹۶.

5 "لقد رضی اللّٰه عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرة فعلم ما فی قلوبهم فانزل السکینة علیهم و اثابهم فتحاً قریباً" سورۂ فتح، آیت۱۸۔

پیمان صلح حدیبیہ (فتح آشکار)

عثمان کے بے نتیجہ پلٹنے کے بعد آخرکار سہیل بن عمرو قریش کا نمائندہ بن کر پیغمبرؐ کے پاس آیا اور آنحضرتؐ سے مذاکرات کئے اور کہا کہ قریش کی طرف سے ہر طرح کی بات چیت کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس سال مسلمان عمرہ نہ کریں۔[1]

اس گفتگو کے ذریعہ جو عہد و پیمان کیا گیا وہ "صلح حدیبیہ" کے نام سے مشہور ہوا، جس کی شرطیں یہ ہیں:

۱۔ قریش اور مسلمان اس بات کا عہد کریں کہ دس سال تک ایک دوسرے سے جنگ نہیں کریں گے اور اجتماعی امن و امان برقرار رکھیں گے۔

۲۔ محمدؐ اور تمام مسلمان اس سال مکہ میں داخل نہیں ہوں گے لیکن آئندہ سال قریش اسی موقع پر مکہ سے باہر چلے جائیں گے اور مسلمان تین دن مکہ میں رہ کر عمرہ کریں گے؛ اور مسافر جتنا ہتھیار لے کر چل سکتا ہے اس سے زیادہ وہ اپنے ساتھ ہتھیار نہ رکھیں۔[2]

۳۔ اگر قریش کا کوئی آدمی اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمدؐ کے پاس چلا جائے تو اس کو مکہ واپس کیا جائے اور اگر محمدؐ کے ساتھیوں میں سے کوئی قریش کے پاس آجائے تو قریش اس کو واپس نہیں کریں گے۔

۴۔ ہر قبیلہ آزاد ہے چاہے وہ محمدؐ کے ساتھ عہد و پیمان کرے یا قریش کے ساتھ ' (اس مقام پر قبیلۂ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ عہد و پیمان کا اعلان کیا اور بنو بکر نے قریش کے ساتھ عہد و پیمان کا اعلان کیا)۔

۵۔ مسلمان اور قریش دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خیانت نہیں کریں گے اور ان کے دشمن کا ساتھ نہیں دیں گے اور دشمنی کا اظہار نہیں کریں گے۔[3]

۶۔ مکہ میں اسلام کی پیروی آزاد رہے گی اور کسی بھی شخص کو ایک خاص دین کی پیروی کی خاطر اذیت نہیں دی جائے گی اور اس کی مذمت نہیں کی جائے گی۔[4]

۷۔ اصحاب محمدؐ میں سے جو شخص حج یا عمرہ یا تجارت کے لئے مکہ جائے اس کی جان و مال امان میں رہے گی اور قریش میں سے جو شخص مصر یا شام جانے کے لئے مدینہ کے راستہ سے گزرے گا اس کی جان و مال امان میں رہے گی۔[5]

---

1 طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۷۸؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۳۳۱.

2 اس شرط کی رو سے، پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں نے ۷ھ میں عمرہ انجام دیا جس کو "عمرۃ القضاء" کہا گیا ہے۔

3 پیمان کی اس شرط کا عربی متن یہ ہے: "لا اسلال و لا اغلال و ان بیننا و بینهم عیبة مکفوفة" اسلال کے معنی خفیہ چوری اور کسی کی حمایت و مدد کرنا اور نیزرات کو حملہ کرنے کے معنی میں ہے۔ (ابن اثیر، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ج ۲، ص ۳۹۲، مادۂ سل) قرائن کے حساب سے، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں (احمد میانجی، مکاتیب الرسول، ج ۱، ص ۲۷۷)، اسی وجہ سے (بعض معاصر مورخین کے برخلاف) ہم نے اس کا ترجمہ چوری نہیں کیا ہے۔

4 طبرسی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۷؛ بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۳۵۱۔ ۳۵۰؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۳۳۲؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۹۷؛ بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۵۲؛ اور رجوع کریں: طبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۹۷، ۱۰۱، ۱۰۲۔

5 طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۹۷؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۲، ص ۷۷؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲۰، ص ۳۵۰ اور ۳۵۲.

پیغمبرؐ کی پیشین گوئی

پیمان صلح کے اصول پر موافقت کے بعد، جس وقت پیغمبرؐ کے کہنے پر علیؑ نے صلح نامے کا مضمون لکھا تو نمائندہ قریش نے صلح نامے کے اوپر، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، اور نام محمد کے بعد "رسول اللہ" لکھنے کی مخالفت کی اور اس موضوع پر گفتگو کافی طولانی ہو گئی اور آخر کار رسول خداؐ نے کچھ مصلحتوں کے پیش نظر جو اس عہد و پیمان میں پائی جاتی تھیں، مجبور ہو کر موافقت کی اور علیؑ رسول اللہ کا عنوان مٹانے سے کنارہ کش ہوگئے تو آپ نے فرمایا: ایسے حالات تمہارے لئے بھی پیش آئیں گے اور مجبور ہو کر تمہیں بھی ماننا پڑے گا[1] اور یہ پیشین گوئی جنگ صفین میں مسئلہ حکمیت کے موقع پر معاویہ کے اصرار پر علیؑ کے نام کے آخر سے "امیر المومنین کا عنوان" مٹانے پر، پوری ہوئی۔[2]

صلح حدیبیہ کے آثار و نتائج

چونکہ مسلمان مستقبل میں اس صلح کے آثار و نتائج سے بے خبر تھے، لہٰذا اس کو "شکست" سمجھتے تھے[3] اور کچھ لوگ اس کو منت و سماجت کہتے تھے۔[4] تاکہ رسول خداؐ کو اس صلح پر دستخط کرنے سے روک سکیں؛ لیکن جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ نے پیشین بینی کی تھی، اس صلح میں متعدد سیاسی و سماجی اثرات و نتائج پائے جاتے تھے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱۔ اس صلح کے نتیجے میں مشرکین نے مسلمانوں کے وجود کو تسلیم کیا۔ جبکہ اس سے پہلے مشرکین مسلمانوں کے وجود کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور ان کی نابودی میں لگے ہوئے تھے۔

۲۔ مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان جو آہنی دیوار حائل تھی وہ اس صلح کے نتیجہ میں گر گئی اور مکہ و مدینہ میں آمد و رفت، اور دونوں طرف کے لوگوں میں آزادانہ ارتباط اور اعتقادی بحث و مباحثہ کی وجہ سے مشرکین کی ایک بہت بڑی تعداد مسلمانوں کے استدلال اور نئی منطق کو

---

1 طبرسی، مجمع البیان، ج۹، ص ۱۱۸؛ مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص ۳۵۰۔ ۳۳۴؛ صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے رجوع کریں: مکاتیب الرسول، علی احمد میانجی، ج۱، ص ۲۷۵ اور ۲۸۷؛ کتاب وثائق، تالیف محمد حمید اللہ، ترجمہ: محمود مہدوی دامغانی، (تہران: ط و نشر بنیاد، ط ۱، ۱۳۶۵) ص ۶۶ و ۶۸.

2 نصر بن مزاحم، گزشتہ حوالہ، ص ۵۰۹۔ ۵۰۸؛ طبرسی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۷؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، (نجف: المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۴ھ.ق)، ج۲، ص ۱۷۹؛ ابو حنیفہ دینوری، الاخبار الطوال، تحقیق: عدالمنعم عامر (قاہرہ: داراحیاء الکتب العربیہ، ۱۹۶۰.)، ص ۱۹۴؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ج۳، ص ۳۲؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ص ۷۰۸.

3 مجلسی، گزشتہ حوالہ، ج۲۰، ص ۳۵۰.

4 واقدی، مغازی، ج۲، ص ۶۰۷؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۳، ص ۳۳۱؛ طبری، تاریخ الامم والملوک ج۳، ص ۹۷؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج۲، ص ۷۰۶؛ اس واقعہ میں پیغمبرؐ کے ارادہ کی بعض مسلمانوں کی طرف سے کھلی مخالفت ایک طرح سے حکم پیغمبرؐ یا در حقیقت حکم خدا کے مقابلہ میں ان کے بے جا اجتہاد یا خود رائے کی علامت تھی۔ اس قسم کی حرکت جو کہ بعد میں بھی پیغمبرؐ کے چند صحابیوں کی طرف تکرار ہوئی، تاریخ اسلام میں تلخ و ناگوار واقعات کا سر چشمہ بنی جبکہ مسلمان ہونے کا مطلب حکم خدا اور پیغمبرؐ کی اطاعت اور پیروی اور ان کے ارادہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: "وماکان لمؤمن و لامؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم و من یعص اللّٰہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً" (سورۂ احزاب، آیت ۳۶.)

سن کر اسلام کی طرف راغب ہو گئی اور مسلمان ہونے والوں کی تعداد اس صلح کے بعد فتح مکہ والے سال تک، ان کی گزشتہ مجموعی تعداد کے برابر یا اس سے زیادہ ہو گئی۔[1]

اس بارے میں یہ جاننا کافی ہو گا کہ اس سفر میں پیغمبرؐ کے اصحاب اٹھارہ سو (۱۸۰۰) سے زیادہ نہیں تھے جبکہ دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر اسلامی سپاہیوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

امام جعفر صادقؑ اسلام کے حق میں حالات کی اس بڑی تبدیلی کے بارے میں فرماتے ہیں :

''ابھی دو سال صلح کا زمانہ تمام نہیں ہوا تھا کہ قریب تھا کہ اسلام پورے مکہ پر چھا جائے''۔[2]

۳۔ قریش کی مخالفتیں اور دشمنیاں اور ان کے فوجی حملوں کی وجہ سے، پیغمبرؐ کے لئے اتنا موقع فراہم نہیں ہو سکا تھا کہ جزیرۃ العرب کے اندر اور باہر اعلیٰ پیمانے پر تبلیغ کر سکیں، لیکن صلح کے بعد رسول خداؐ کامیاب ہوئے کہ دشمنوں کو مدینہ کے اطراف سے ختم کر کے متعدد تبلیغی جماعتیں مختلف علاقوں میں بھیجیں۔ جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ دنیا کے سربراہوں اور اہم شخصیتوں کو اسلام کی طرف دعوت کے خطوط، صلح حدیبیہ کے بعد ہی بھیجے گئے ہیں۔

۴۔ یہ صلح ایک طرح سے فتح مکہ کا باعث قرار پائی۔ اس لئے کہ صلح کی چوتھی شرط کے بموجب قبائل کا قریش یا مسلمانوں سے ملنا، آزاد اعلان ہوا تھا اور قبیلہ ''خزاعہ'' مسلمانوں کے ساتھ متحد ہو گئے تھے اور قریش نے اس قبیلے پر حملہ کر کے عہد شکنی کی جس کے نتیجہ میں پیغمبرؐ نے فتح مکہ کا اقدام کیا۔

یہ صلح اپنے درخشندہ آثار و نتائج کے لحاظ سے، مسلمانوں کے لئے بہت بڑی فتح اور کامیابی قرار پائی۔ جیسا کہ حدیبیہ سے پلٹتے وقت، مدینہ کے راستے میں ''سورۂ فتح'' پیغمبرؐ پر نازل ہوا[3] اور خداوند عالم نے اس صلح کو ''فتح مبین'' کہا۔[4]

---

1 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۳۳۶؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۸۱؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۱۷.

2 طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۹۸؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۰، ص۳۶۳.

3 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۱۰۵-۱۰۴؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۳۳۴؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص۹۸؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ص۱۴۷.

4 '' انا فتحنا لک فتحاً مبیناً .''

پانچواں حصہ

- عالمی دعوت سے رحلت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک
- پہلی فصل: عالمی تبلیغ
- دوسری فصل: اسلام کا پھیلاؤ
- تیسری فصل: حجۃ الوداع اور رحلت پیغمبرؐ

پہلی فصل

عالمی تبلیغ

پیغمبر اکرمؐ کی عالمی رسالت

اگرچہ دین اسلام بظاہر جزیرہ نمائے عرب' اور ایک مختصر سے قبیلے سے شروع ہوا تھا اور پیغمبر اکرمؐ بھی اسی عرب قوم سے تعلق رکھتے تھے لیکن اسلام ایک علاقے یا عربوں سے مخصوص دین نہیں تھا جس پر قرآن مجید کی وہ بہت سی آیات دلیل اور شاہد ہیں جن میں عربوں یا قریش سے خطاب نہیں کیا گیا بلکہ قرآن کے مخاطب ناس (تمام لوگ) ہیں' البتہ جن مواقع پر اسلام کے پیروؤں سے کوئی پیغام مخصوص ہے یا انہیں کچھ شرعی احکامات بتائے گئے ہیں وہاں قرآن مجید کے مخاطب' صرف مومنین یا مسلمان ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ نے بھی اپنی بعثت کی ابتداء سے ہی مکہ میں اپنے دین کو عالمی عنوان سے پیش کیا۔ چنانچہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اسلام کے اس عالمی پیغام کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ جس کے چند نمونے ہم یہاں پیش کر رہے ہیں:

۱۔" اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے۔ اے لوگو! بیشک میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔[1]

۲۔"اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا ہے مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر"۔[2]

۳۔"یہ قرآن مجید تمام عالمین کے لئے یادآوری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے"۔[3]

۴۔"یہ کتاب ذکر اور قرآن مبین کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے جو زندہ ہیں"۔[4]

۵۔"پروردگار وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام ادیان پر کامیاب اور کامران کردے"۔[5]

۶۔"اور ہم نے آپ کو عالمین کے لئے سوائے رحمت کے اور کچھ نہیں بنا کر بھیجا ہے"۔[6]

---

١ قل یا ایہا الناس انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعاً، سورۂ اعراف، آیت ١٥٨۔

٢ و ما ارسلناک الا کافۃً للناس بشیراً و نذیراً، سورۂ سبا، آیت ٣٨۔

٣ و ماہو الا ذکر للعالمین، سورۂ قلم، آیت ٥٢۔

٤ ان ہو الا ذکر و قران مبین لینذر من کان حیاً، سورۂ یٰس، آیت ٧٠-٦٩۔

٥ ہو الذی ارسل رسولہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ...، سورۂ توبہ، آیت ٣٣۔

٦ و ما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین، سورۂ انبیاء، آیت ١٠٧۔

یہ تمام آیتیں مکی سوروں کی ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کی دعوت اور آپ کا پیغام سب لوگوں کے لئے تھا اور مکہ سے ہی آپ کے پیغام کی یہ خصوصیت واضح اور روشن تھی۔

لیکن ان تمام روشن اور واضح دلائل کے باوجود بعض مغربی لوگوں نے جیسے "گولت زیہر" نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبرؐ کے دین اور پیغام نیز آپ کی رسالت کو بعد میں عمومیت دی گئی اور آپ کی ابتدائی تعلیمات اس زمانہ کے عرب ماحول کی ضروریات سے زیادہ نہیں تھیں [1] جبکہ گزشتہ بیان کی روشنی میں یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اس مغربی مدعی کی بات میں کتنا دم ہے اور ہمیں اس کے بارے میں مزید گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔

عالمی تبلیغ کا آغاز

اگر پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں قیام کے دوران اور اس کے بعد ہجرت کے چند سال بعد تک، اسلام کو جزیرہ نمائے عرب سے باہر پھیلانے کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مکہ، یہودیوں اور دوسرے دشمنان دین کی ریشہ دوانیوں نے آپ کو اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ لیکن جب صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کے سامنے سے قریش کے تمام حملوں کے خطرات ٹل گئے اور آپ کو مدینہ میں نسبتاً سکون اور اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے ذی الحجہ ٦ھ یا محرم ٧ھ میں اس دور کے اہم بادشاہوں کو خطوط لکھے جن میں ان کو اسلام کی طرف دعوت دی، پیغمبر اکرمؐ نے ایک دن کے اندر چھ خطوط اپنے چھ صحابیوں کے ذریعے اس دور کے شہنشاہان مملکت کے نام بھیجے جن کے نام یہ ہیں: نجاشی بادشاہ حبشہ، قیصر روم، خسرو پرویز بادشاہ ایران، مقوقس بادشاہ مصر، حارث بن شمر غسانی حاکم شام، حوضہ بن عدی بادشاہ یمامہ۔[2]

البتہ یہ پیغمبرؐ کی عالمی تبلیغ کا آغاز تھا اور دنیا کے اہل اقتدار کی طرف آپ کے دعوت نامے صرف انھیں چھ خطوط میں محدود نہیں رہے بلکہ آپ نے اس کے بعد بھی اپنی وفات تک مختلف مواقع پر دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی اپنے سفیر بھیجے تھے[3] جن میں خطوط کا مضمون تقریباً ایک جیسا ہی تھا اور سب کے سب بہت ہی سادہ، بے تکلف اور صریح عبارت میں لکھے گئے تھے البتہ دنیا کے شہنشاہان مملکت کا عکس العمل ان کے مقابلے میں یکساں نہیں تھا۔

جنگ خیبر

خیبر چند قلعوں کے مجموعے کا نام تھا، جہاں کے لوگوں کا مشغلہ کھیتی باڑی کرنا اور مویشی پالنا تھا، وہ علاقہ چونکہ بہت ہی زرخیز تھا للذا اس کو حجاز کے غلّے[4] کا گودام کہا جاتا تھا۔ خیبریوں کی اقتصادی حالت بہت اچھی تھی جس کا پتہ اس غذا اور اسلحوں کے اس ذخیرے سے لگایا جاسکتا ہے

---

1 رجوع کیجئے: محاکمۂ گولت زیہر، یہودی، محمد غزالی مصری، صدر بلاغی کا ترجمہ (تہران، حسینیۂ ارشاد ۱۳۶۳)، ص ۸۰۔۷۹۔

2 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۱، ص ۲۶۲۔۲۵۸۔

3 علی احمدی میانجی، مکاتیب الرسول، ج ۱، ص ۳۱، ابن ہشام نے آنحضرتؐ کے خطوط کو دس عدد (سیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۵۴)، یعقوبی نے پیغمبرؐ کے کل تبلیغی خطوط کی تعداد تیرہ عدد (تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۶۷۔۶۶) اور مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف میں (ص ۲۳۶۔۲۲۷) ان خطوط کی تعداد چھ بتائی ہے۔ اس زمانے کے ایک محقق نے آپ کے خطوط کی کل تعداد بیس بتائی ہے۔ (احمد صابری ہمدانی، محمد وزمامداران، (قم: دار العلم، ج ۲، ص ۱۳۴۶)

4 واقدی، المغازی، تحقیق مارسڈن جونس، ج ۲، ص ۶۳۴، سیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ج ۴، ص ۳۶۰۔

جو مسلمانوں کے ہاتھوں ان قلعوں کی فتح کے بعد سامنے آیا تھا۔ یہ قلعے نظامی اعتبار سے مستحکم اور مضبوط بنے ہوئے تھے جن کے اندر موجود فوجیوں کی تعداد دس ہزار تھی[1] اسی وجہ سے یہودی اپنے کو سب سے طاقتور سمجھتے تھے اور یہ تصور کرتے تھے کہ مسلمانوں کے اندر ان سے جنگ کرنے کی ہمت اور طاقت نہیں ہے۔[2]

۶ھ میں سلام بن ابی الحقیق جو بنی نضیر کا ایک سردار تھا اور خیبر کے یہودیوں کی لیڈر شپ اس کے ہاتھ میں آگئی تھی اس نے قبیلۂ غطفان اور دوسرے مشرک قبیلوں کو جمع کر کے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی خاطر بڑی فوج تیار کرلی اس کی ان فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں اس کے قتل ہو جانے کے بعد خیبریوں نے اس کی جگہ اسیر ابن زارم[3] کو اپنا سردار چن لیااس نے بھی اسلام دشمنی کی وجہ سے ان قبائل کو اسلام کے خلاف اکسایا۔[4]

پیغمبر اکرمؐ نے گزشتہ دشمنیوں اور جھگڑوں کو مصالحت کے ساتھ حل کرنے کے لئے عبد اللہ بن رواحہ کی سرپرستی میں ایک وفد اس کے پاس بھیجا تاکہ اس کو راضی کرسکے وہ جب عبد اللہ بن رواحہ اور اپنے کچھ یہودی ساتھیوں کے ساتھ ایک وفد کی صورت میں مدینہ کی طرف آرہا تھا تو راستے میں اپنے اس فیصلے سے نادم ہوا اور اس نے سوچا کہ عبد اللہ کو قتل کردے' چنانچہ طرفین کی اس جھڑپ میں وہ اور اس کے ساتھی مارے گئے[5] اور اس طرح پیغمبر کی یہ مصالحت آمیز کوشش کارگر نہ ہوسکی۔

ان تمام سازشوں اور فتنوں کے علاوہ موجودہ دور کے ایک مورخ کے بقول اس وقت یہ خطرہ بھی پایا جاتا تھا کہ خیبر کے یہودی' مسلمانوں سے پرانی دشمنی کی بناپر اور بنی قینقاع' بنی نضیر اور بنی قریظہ کی شکست کا بدلہ لینے کے لئے ایران یا روم کے آلۂ کار بن سکتے ہیں اور ان کے اشارے پر مسلمانوں پر حملہکر سکتے ہیں۔[6]

پیغمبر اکرمؐ جب صلح حدیبیہ کے بعد جنوبی علاقے کے خطرات کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو آپ نے ۷ھ کے آغاز میں ۱۴۰۰' افراد پر مشتمل' لشکر کے ساتھ[7] ' یہودیوں کی گوش مالی کے لئے شمال کی طرف روانہ ہوئے اور اسلامی فوج کے لئے ایسے راستے کا انتخاب کیا جس سے غطفان جیسے طاقتور قبیلے کا رابطہ جس کا اس وقت خیبریوں سے معاہدہ تھا خیبریوں سے ٹوٹ گیا' جس کے بعد ان کے درمیان ایک دوسرے کی امداد اور تعاون کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا۔[8] یہودیوں پر اچانک اور ان کی بے توجہی سے فائدہ اٹھا کر حملہ کرنے کی حکمت عملی کے نتیجہ میں راتوں رات قلعۂ خیبر اسلامی فوج کے محاصرے میں آگیا اور جب صبح ہوئی تو یہودیوں کے سردار اس خطرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

---

1 واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ۶۰۳۔۳۶۷' یعقوبی نے ان کی تعداد بیس ہزار افراد لکھی ہے۔ (ج ۲' ص ۴۶)

2 واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ۶۳۷۔

3 یسیرم بن رزام یا رازم بھی لکھا گیا ہے۔ (ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج ۴' ص ۲۶۶.)

4 الکبریٰ ابن سعد' ج ۲' ص ۹۲۔۹۱.

5 ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ج ۴' ص ۲۶۷۔۲۶۶.

6 محمد حسین ہیکل' حیات محمدؐ' (قاہرہ: مکتبہ النہضہ المصریہ' ط۸)' ص ۳۸۶.

7 واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ۶۸۹' طبقات الکبریٰ محمد بن سعد' (بیروت: دار صادر) ج ۲' ص ۱۰۷' گزشتہ حوالہ' ابن ہشام' ج ۴' ص ۳۶۴.

8 واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ۶۳۹.

البتہ پھر بھی مسلمانوں اور خیبریوں کی یہ جنگ برابر کی لڑائی نہیں تھی کیونکہ وہ لوگ بہت ہی مضبوط و مستحکم اور مورچہ بند قلعوں کے اندر تھے اور انھوں نے قلعوں کے دروازے بند کر رکھے تھے اور میناروں کے اوپر سے تیر اندازی کر کے یا پتھر برسا کر اسلامی فوج کو قلعہ کی دیوار سے نزدیک نہیں ہونے دے رہے تھے چنانچہ ایک حملے میں اسلامی فوج کے پچاس سپاہی زخمی ہوگئے۔[1]

دوسری طرف سے ان کے پاس کافی مقدار میں خوراک کا ذخیرہ موجود تھا مگر اس محاصرہ کے طولانی ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے پاس خوراک کا ذخیرہ کم ہو گیا انجام کار نہایت دشواریوں اور زحمتوں کے بعد خیبر کے قلعے یکے بعد دیگرے مسلمانوں کے قبضہ میں آنے لگے لیکن آخری قلعہ جس کا نام قموص تھا اور اس کا سپہ سالار مرحب تھا جو یہودیوں کا مشہور پہلوان بھی تھا یہ قلعہ آخر تک کسی طرح فتح نہ ہو سکا اور اسلامی فوج کے سپاہی اس پر قبضہ نہ کر سکے۔ ایک روز پیغمبرؐ نے اسلامی فوج کا پرچم حضرت ابو بکر اور دوسرے روز حضرت عمر کے حوالہ کیا اور فوج کو ان کے ساتھ یہ قلعہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا لیکن دونوں افراد کسی کامیابی اور فتح کے بغیر رسول خدا کے پاس واپس آگئے[2]۔ آپ نے یہ صورت حال دیکھ کر ارشاد فرمایا: ''کل میں یہ پرچم اس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھوں خداوند عالم اس قلعہ کو فتح کرائے گا وہ ایسا شخص ہے جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسول بھی اسے دوست رکھتے ہیں وہ کرار غیر فرار ہوگا'' اس رات پیغمبرؐ کے تمام صحابہ کی یہی آرزو تھی کہ کل پیغمبر، اسلامی فوج کا پرچم اس کے حوالے کردیں جب سورج طلوع ہوا، پیغمبر نے فرمایا: علیؑ کہاں ہیں؟ سب نے عرض کی کہ علیؑ کو آشوب چشم ہے اور وہ آرام کر رہے ہیں، پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو طلب کیا اور آپ کی آنکھوں کو اپنی کرامت سے شفا بخشی اور اس کے بعد اسلامی فوج کا علم ان کے حوالے کیا اور فرمایا:

ان کی طرف جاؤ اور جب ان کے قلعہ کے پاس پہنچنا تو پہلے انھیں اسلام کی دعوت دینا اور خدا کے احکام کی اطاعت کے بارے میں جو ان کا وظیفہ ہے وہ ان کو یاد دلانا، خدا کی قسم اگر پروردگار نے تمہارے ہاتھوں ان میں سے ایک شخص کو بھی ہدایت کر دی تو یہ تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ تمہارے پاس سرخ بالوں[3] والے بہت سے اونٹ ہوں۔[4]

---

1 وہی حوالہ، ص ۶۴۶.

2 طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج ۳، ص ۹۳؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۳۴۹؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ (بیروت: مکتبۃ المعارف، ط ۲، ۱۹۷۷ع) ج ۴، ص ۱۸۶.

3 سرخ بالوں والے اونٹ سب سے زیادہ پسندیدہ اور قیمتی ہوتے تھے یہ مثال بہت زیادہ مال و دولت کی طرف اشارہ تھی۔

4 پیغمبر اسلامؐ کا یہ کلام اور حضرت علیؑ کی سرداری تھوڑے سے الفاظ اور تعبیرات کے اختلاف کے ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں میں نقل ہوئی ہیں:

صحیح بخاری، تحقیق: الشیخ قاسم اشماعی الرفاعی (بیروت: دار القلم، ط۱، ۱۴۰۷ھ.ق)، ج۵؛ کتاب المغازی، باب ۱۵۵، ص ۲۴۵؛ صحیح مسلم، بشرح النوی (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۱ھ.ق)، ج ۱۵، ص ۱۷۷۔ ۱۷۶؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ج ۲، ص ۱۱۱۔ ۱۱۰؛ صدوق، کتاب الخصال (قم: منشورات جماعۃ المدرسین، ۱۴۰۳ھ.ق)، ص ۳۱۱ (باب الخمسۃ)؛ طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج ۳، ص ۹۳؛ شیخ سلیمان قندوزی حنفی، ینابیع المودۃ (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات)، ج ۱، ص ۴۷؛ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ (بیروت: دار صادر)، ج ۲، ص ۲۱۹؛ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، (درحاشیۂ الاصابہ)، ج ۳، ص ۳۶؛ حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین (بیروت: دار المعرفہ، ۱۴۰۶ھ.ق)، ج ۳، ص ۱۰۹؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۴۹؛ ابن حجر ہیثمی مکی، الصواعق المحرقۃ، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۵ھ.ق)، ص ۱۲۱؛ واقدی، المغازی، ج ۲، ص ۶۳۵؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۴۶؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۴، ص ۱۸۶؛ حلبی، انسان العیون (السیرۃ الحلبیہ)، ج ۲، ص ۷۳۶۔ ۷۳۳؛ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی، الامالی (قم: دار الثقافہ، ۱۴۱۴ھ.ق)، ص ۳۸۰۔

حضرت علی۔ پیغمبر اکرمؐ کے حکم کے مطابق روانہ ہوئے اور ایک دلیرانہ جنگ میں مرحب کو قتل کیا اور بے نظیر و لاجواب شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس مستحکم اور مضبوط قلعے کو فتح کرلیا۔ جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس فتنہ اور فساد اور سازشوں کے اڈے یعنی خیبر کی فتح میں چند اسباب اور عوامل کارفرما تھے جن میں سے پیغمبر اکرمؐ کی بہترین سپہ سالاری اور جنگی حکمت عملی (جیسے دشمن کی غفلت سے فائدہ اٹھانا دشمن سے متعلق خبریں اور ان کے قلعوں کی اندرونی معلومات حاصل کرنا) اور بالآخر حضرت علی۔ کی بے نظیر شجاعت کا بھی اس میں کافی اہم کردار تھا۔ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت علیؑ کی اس بہادری اور فداکاری کو اس انداز سے سراہا کہ اس دور کے ہر مسلمان بچے بچے کی زبان پر آپ کی بہادری کا کلمہ تھا اور اس کے مدتوں بعد تک آئندہ نسلوں کو بھی یہ واقعہ معلوم تھا اور اس دور کی تاریخ میں اسے اتنا عیاں اور روشن سمجھا جاتا تھا کہ معاویہ نے اپنی حکومت میں حضرت علی۔ پر سب و شتم کو عام کرنے کے باوجود جب ایک دن سعد وقاص سے کہا کہ تم علیؑ پر سب و شتم کیوں نہیں کرتے ہو؟ تو اس نے کہا: میں یہ کام ہرگز نہیں کرسکتا ہوں، کیونکہ مجھے بخوبی یاد ہے کہ پیغمبرؐ نے ان کی ایسی تین فضیلتیں بیان فرمائی ہیں کہ میری آرزو اور تمنا ہے کہ کاش ان میں سے صرف ایک ہی فضیلت میرے اندر بھی پائی جاتی۔

ا۔ ایک جنگ (جنگ تبوک) میں جاتے وقت پیغمبرؐ نے ان کو مدینہ میں اپنا جانشین بنادیا تھا تو انھوں نے پیغمبرؐ سے کہا تھا کہ آپ نے مجھے شہر میں بچوں اور عورتوں کے ساتھ چھوڑ دیا! پیغمبرؐ نے فرمایا: "کیا تمھیں یہ پسند نہیں ہے کہ تمہاری نسبت میرے ساتھ ویسی ہی ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی (یعنی ان کی جانشینی اور خلافت) بس فرق اتنا سا ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا"۔

۲۔ آپ نے جنگ خیبر میں فرمایا: کل میں پرچم اس شخص کے سپرد کروں گا جو خدا اور پیغمبرؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور پیغمبر بھی اس سے محبت کرتے ہوں گے اس دن ہم سب کی یہی آرزو تھی کہ یہ مقام اور منصب ہمیں مل جائے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: علی کو بلاؤ! ان کو بلایا گیا جبکہ ان کی آنکھوں میں تکلیف تھی پیغمبرؐ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگایا اور آپ کی آنکھیں فوراً ٹھیک ہوگئیں اور آپ نے فوج کا علم ان کے حوالے کیا اور خدا نے ان کے سر پر قلعۂ قموص کی فتح کا سہرا باندھا۔

۳۔ جب مباہلہ سے متعلق قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی "فقل تعالوا ندع ابنائنا و ابنائکم"[1] تو پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور کہا: "خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں"[2]

حضرت علی۔ نے اس تاریخ ساز جنگ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا: "ہمیں جنگجوؤں، اسلحوں اور جنگی ساز و سامان کے ایک پہاڑ (طوفان) سے مقابلہ کرنا پڑا، ان کے قلعہ نا قابل تسخیر اور ان کی تعداد بہت زیادہ تھی ان کے دلاور اور بہادر ہر روز قلعوں سے باہر آتے تھے، مبارز طلب کرتے تھے اور ہماری فوج کا جو شخص بھی میدان میں قدم رکھتا تھا مارا جاتا تھا جس وقت جنگ کی آگ بھڑک گئی اور دشمن نے مبارز طلب کیا، ہمارے سپاہیوں کے ہاتھ پیر دہشت اور خوف کے مارے لرزنے لگے اور وہ ایک دوسرے کو عاجزانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے سب

---

1 سورۂ آل عمران، آیت ۶۱۔

2 شرح صحیح مسلم، النووی، ج۱۵، ص ۱۷۶، سعد وقاص (قبیلۂ بنی زہرہ سے) جو کہ سابقین اسلام میں سے تھا اور ۱۷سال کی عمر میں (الطبقات الکبریٰ، ج۳، ص ۱۳۹، یا ۱۹سال کی عمر میں (السیرۃ الحلبیہ، ج۹، ص ۴۳۴) مکہ میں دائرہ اسلام میں آگیا وہ جب مدینہ میں تھا تو اس کا شمار بڑے مہاجروں میں ہوتا تھا اور سیاسی طور پر حضرت علیؑ کا رقیب اور عمر کے قتل ہو جانے کے بعد خلافت کی چھ رکنی کمیٹی کا ایک ممبر تھا۔ اور اس کمیٹی میں اس نے علیؑ کو ووٹ نہیں دیا، (ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ج۱، ص۱۸۸) عثمان کے قتل ہو جانے کے بعد حضرت علیؑ لوگوں کے عظیم استقبال پر ظاہری طور پر خلافت و حکومت کی باگ ڈور سنبھالی اس وقت بہت ہی لوگ تھے جنھوں نے آپ کی بیعت نہیں کی ان میں یہ بھی ایک تھا۔ (مسعودی، مروج الذہب، ج۲، ص ۳۵۳؛ ابن اثیر، الکافی فی التاریخ، ج۳، ص۱۹۱) لیکن ان تمام باتوں کے باوجود علیؑ کی تین بڑی فضیلتوں کا معترف تھا۔

نے مجھ سے آگے بڑھنے کے لئے کہا: پیغمبرؐ نے بھی مجھ سے کہا کہ آگے بڑھو اور قلعہ پر حملہ کرو، میں نے قدم آگے بڑھایا اور ان کے جس پہلوان اور بہادر سے روبرو ہوا اس کو ہلاک کر ڈالا اور ان کے جس جنگجو نے میرا مقابلہ کرنا چاہا وہ زمین پر نظر آیا اور آخر کار وہ عقب نشینی پر مجبور ہوگئے، اس کے بعد اس شیر کی طرح جو اپنے شکار کا پیچھا کر رہا ہو میں نے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ انھوں نے قلعے میں پناہ لے لی اور اس کے دروازے کو بند کر لیا، میں نے قلعہ کے دروازے کو اکھاڑ پھینکا اور تنہا قلعہ میں داخل ہو گیا... اس موقع پر خداوند عالم کے علاوہ میرا اور کوئی معاون و مددگار نہیں تھا۔[1]

آخری قلعہ فتح ہونے کے بعد خیبریوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور ہتھیار ڈال دئے اور جنگ تمام ہو گئی۔ مورخین کے مطابق یہودیوں کے ۹۳ آدمی[2] مارے گئے اور شہداء اسلام کی تعداد ۲۸ تھی۔[3]

یہودیوں کا انجام

جب خیبر کے یہودیوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی تو انھوں نے اس بات کو دلیل بنا کر کہ وہ لوگ کھیتی باڑی کے ماہر ہیں، پیغمبرؐ سے یہ خواہش کی کہ وہ لوگ اپنے اس علاقہ میں اسی طرح باقی رہیں اور کھیتی باڑی کرتے رہیں۔ پیغمبرؐ نے ان کی اس درخواست کو قبول فرما لیا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ ہر سال اپنی کھیتی باڑی اور غلہ کی آمدنی کا آدھا حصہ اسلامی حکومت کو ادا کریں گے[4] اور جس وقت بھی آنحضرت کہیں ان لوگوں کو اس ملک سے باہر جانا ہوگا[5] یہ معاہدہ حضرت عمر کی خلافت کے زمانہ تک اسی طرح باقی رہا مگر خلیفۂ دوم کے دور حکومت میں ان لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف پھر شورش کرنا چاہی تو حضرت عمر نے ان کو شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔[6]

فدک

اہل خیبر کی شکست کے بعد، فدک کے یہودی کسی مقابلہ کے بغیر پیغمبرؐ کے سامنے تسلیم ہوگئے اور خیبریوں کے معاہدے کی طرح، پیغمبرؐ سے ایک معاہدہ کیا اور چونکہ فدک کسی جنگ کے بغیر فتح ہوا تھا لہٰذا اس کی آدھی آمدنی "خالصہ" یعنی رسول خدا کی ذاتی ملکیت قرار پائی۔[7]

---

1 صدوق، الخصال، ص ۳۶۹، باب السبعہ.

2 بحار الانوار، مجلسی، ج ۲۱، ص ۳۲.

3 تاریخ پیامبر اسلام: محمد ابراہیم آیتی، (تہران: ناشر دانشگاہ تہران، چ ۳، ۱۳۶۱) ص ۴۷۵۔۴۷۳.

4 واقدی، المغازی، ج ۲، ص ۶۹۰، معجم البلدان، یاقوت حموی، ج ۲، ص ۴۱۰ (لغت خیبر)

5 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۵۲.

6 یاقوت حموی، گزشتہ حوالہ، ص ۴۱۰، فتوح البلدان (بیروت: ۱۳۹۸) ص ۳۷۔۳۶.

7 بلاذری، گزشتہ حوالہ، ص ۴۲، گزشتہ حوالہ، ابن ہشام، ج ۲، ص ۳۵۲، الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۲۴، گزشتہ حوالہ واقدی، ج ۲، ص ۷۰۷، گزشتہ حوالہ، یاقوت حموی، ج ۴، ص ۲۳۸ (لغت فدک) : الاموال، ابو عبید قاسم بن سلام: تحقیق محمد خلیل ہراس (بیروت: دار الفکر، ط ۲، ۱۳۹۵ھ) ص ۱۶.

دوسری فصل

اسلام کا پھیلاؤ

جنگ موتہ

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے صلح حدیبیہ کے بعد اپنی عالمی رسالت کا آغاز کیا اور دنیا کے شہنشاہان مملکت کو اسلام کی طرف دعوت دی اس زمانے کے ملکوں میں روم اور ایران جیسی بڑی حکومتیں سپر پاور سمجھی جاتی تھیں، قیصر روم تک پیغمبر اکرمؐ کی نبوت کے بارے میں خبریں پہنچی تھیں جس کی بناپر وہ اسلام قبول کرنے کی طرف مائل تھا لیکن جب اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو اسے عیسائیوں اور روم کی فوج کی بہت سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا جس کی بناپر اسے مجبوراً اپنے فیصلہ کو تبدیل کرنا پڑا،[1] اس سے صاف واضح ہے کہ ان کے دوسرے امراء اور عہدے دار اسلام کے بارے میں معاندانہ رویہ رکھتے تھے۔ اس زاویہ نگاہ سے جنگ موتہ کی ابتدا کی صحیح علت تلاش کی جاسکتی ہے!! پیغمبر اسلامؐ نے جزیرۂ نمائے عرب سے باہر اپنی دعوت اور تبلیغ کو عام کرنے کے لئے ۸ھ میں حارث بن عمیر ازدی کو یہ خط دے کر بُصریٰ "شام" کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔[2]

شرحبیل بن عمرو غسانی جو اس وقت قیصر روم کی طرف سے شام کا گورنر تھا[3] اس نے رسول خدا کے سفیر کو قید کرلیا اور ان سے ان کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھ تاچھ کرنے کے بعد "موتہ" نامی گاؤں میں انھیں قتل کر ڈالا، پیغمبرؐ کے لئے یہ حادثہ تلخ اور ناگوار تھا اور آپ اس سے بہت غمزدہ اور متاثر ہوئے۔[4]

اگرچہ ایک آدمی کے قتل ہو جانے سے کوئی جنگ نہیں چھڑتی ہے لیکن اس دور میں سفرائے ملت کو جو اہمیت اور حقوق حاصل تھے ان کے مطابق اور دوسرے اخلاقی اصولوں کے برخلاف پیغمبرؐ کے سفیر کا قتل در حقیقت آپ کے لئے ایک طرح کی نظامی اور فوجی دھمکی تھی اور شام کے گورنر کی طرف سے پیغمبرؐ کی مسالمت آمیز دینی دعوت کے مقابلے میں اپنی قدرت کا اظہار تھا اسی وجہ سے پیغمبر اکرمؐ نے اس علاقہ میں ایک فوج روانہ کرنے کا ارادہ کیا آپ کے اس اقدام کو اسلام کا پیغام عزت اور دشمن کے مقابل اپنی نظامی قوت کے اظہار کا نام بھی دیا جاسکتا

---

1 زینی دحلان، السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ (بیروت: دار المعرفہ، ط۲) ج۲، ص۷۰۔۱۷۱؛ حلبی، السیرۃ الحلبیۃ (انسان العیون)، (بیروت، : دار المعرفۃ)، ج۳، ص ۲۸۹۔۲۹۰.

2 حلبی لکھتا ہے کہ یہ خط، روم کے بادشاہ ہرقل کے نام تھا جو اس وقت شام میں رہتا تھا، سیرۃ الحلبیہ، ج۲، ص۷۸۶.

3 وہی حوالہ، ج۲، ص۷۸۶.

4 واقدی، المغازی، تحقیق مارسڈن جونس (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات) ج۲، ص۷۵۵، طبقات الکبریٰ، ابن سعد، بیروت: دار احیاء، ج۲، ص۱۲۸.

ہے۔ اس بنیاد پر رسول خدا نے ۳ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر سر زمین موتہ کی طرف روانہ کیا جس کی سپہ سالاری بالترتیب جناب جعفر بن ابوطالب[1]؛ زید بن حارثہ اور عبد اللہ بن رواحہ کے حوالے کی۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک شخص شہید ہو جائے تو دوسرا شخص اس کے بعد فوج کا سپہ سالار ہو گا۔[2]

موتہ نامی ایک دیہات کے کنارے اسلامی فوج کا سامنا روم کی فوج سے ہوا جس کے فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ تینوں سپہ سالاروں نے ترتیب وار اسلامی فوج کا پرچم اپنے ہاتھوں میں بلند کرتے ہوئے جنگ کی اور منزل شہادت پر فائز ہو گئے اس کے بعد اسلامی فوج کے سپاہیوں نے خالد بن ولید کو اپنا سپہ سالار منتخب کیا اس نے مختلف طریقوں سے پہلے تو دشمن کو مرعوب کیا اور اس کے بعد عقب نشینی کا حکم دیدیا اور اسلامی فوج کو مدینہ واپس لے آیا۔[3]

واقدی نے... اس جنگ کے شہداء کی تعداد آٹھ[4] اور ابن ہشام نے بارہ[5] ذکر کی ہے اور بعض جدید کتابوں میں ان کی تعداد سترہ (۱۷)[6] ذکر کی گئی ہے آج بھی ان شہداء کی قبریں، شہر موتہ[7] کے نزدیک موجود ہیں اور تینوں سپہ سالاروں کی قبروں کے اوپر بہترین گنبد موجود ہیں اور جناب جعفر کی قبر کے نزدیک ایک خوبصورت مسجد بھی موجود ہے۔[8]

---

1 جعفر بن ابی طالب، حبشہ میں برسوں سکونت کے بعد ۷ھ میں مدینہ پلٹ کر آئے اور فتح خیبر کے بعد اسی علاقہ میں پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں شرفیاب ہوئے اور آنحضرتؐ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ (ابن سعد، الطبقات الکبری، (بیروت : دار صادر)، ج ۴، ص ۳۵؛ ابن اثیر، اسد الغابہ (تہران : المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۳۳۶ش)، ج ۱، ص ۲۸۷؛ ابن عبد البر، الاستیعاب، (حاشیہ اصابہ میں)، ج ۱، ص ۲۱۰؛ ابوالفرج اصفہانی، مقاتل الطالبیین، تحقیق سید احمد صقر (قم : منشورات الشریف الرضی، ۱۴۱۶ھ)، ص ۳۰؛ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، (بیروت : مکتبۃ المعارف)، ج ۴، ص ۲۰۶)

2 طبرسی، اعلام الوریٰ بأعلام الہدیٰ (دار الکتب الاسلامیہ)، ط ۳، ص ۱۰۷۔ مشہور یہ ہے کہ اس لشکر کی سپہ سالاری میں جناب زید جناب جعفر پر مقدم تھے لیکن کچھ شیعہ روایات (جیسا کہ طبرسیؒ نے نقل کیا ہے) جناب جعفر کے مقدم ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور قرائن و شواہد بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ (جعفر سبحانی، فروغ ابدیت (قم : مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۳۶۸، ط ۵، ج ۲، ص ۲۹۳۔ ۲۹۱۔) محمد بن سعد کی ایک روایت بھی اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ (الطبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۰) مزید اطلاع کے لئے مجموعۂ مقالات "دراسات و بحوث فی التاریخ والاسلام"، جعفر مرتضی، ج ۱، ص ۲۱۰ کے بعد، مراجعہ کریں۔

3 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (قاہرہ : مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۵۵ھ) ج ۴، ص ۲۱۔ ۱۹؛ محمد بن جریر طبری، تاریخ الامم و الملوک (بیروت : دار القاموس الحدیث)، ج ۳، ص ۱۱۰۔ ۱۰۷؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۷۶۹۔ ۷۵۵؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۱۳۰۔ ۱۲۸؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۷۹۳۔ ۷۸۷؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۱۰۴۔ ۱۰۲؛ زینی دحلان، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۷۲۔ ۶۸؛ مجلسی، بحار الانوار (تہران : دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۴ھ)، ج ۲۱، ص ۶۳۔ ۵۰؛ طوسی، الامالی (قم : دار الثقافہ، ط ۱، ۱۴۱۴ھ)، ص ۱۴۱۔

4 المغازی، ج ۲، ص ۷۶۹.

5 السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۳۰.

6 محمد ابراہیم آیتی، تاریخ پیامبر اسلامؐ (تہران : ناشر : تہران یونیورسٹی، ۱۳۶۱)، ص ۵۰۱.

7 یہ شہر ملک اردن کے جنوبی صوبہ کرک میں ہے جو کہ شہر امان (اردن کا دار الحکومت) سے ۱۳۵ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے.

8 جعفر سبحانی، ملک اردن کے سفر کی رپورٹ (موتہ : ایک یادگاری جگہ ہے) مجلۂ درسہائی از مکتب اسلام، سال ۳۸ شمارہ ۷، ماہ مہر ۱۳۷۷.

جیسا کہ گزر چکا صلح حدیبیہ کے معاہدے کی ایک شق دس سال تک مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان جنگ بندی تھی 'اس کی بناپر پیغمبر اسلاؐم کو قریش کی شرارتوں اور ان کے فوجی حملوں کی طرف سے سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا تھا۔ اسی کے بعد آپ نے بہت بلند اقدامات کئے اور مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لئے متعدد لوگوں کو بھیجااور اپنی عالمی رسالت کا باقاعدہ آغاز کیا۔ مدینہ کے اطراف میں بہت سے دشمن قبائل کو غیر مسلح کردیا یاان سے صلح اور دوستی کا معاہدہ کیااور خیبر جو تمام فتنوں کا اڈہ اور مرکز تھا وہ تو آپ کے ہاتھ پہلے ہی فتح ہو چکا تھا۔

قریش کی عہد شکنی

صلح حدیبیہ کے معاہدے کے دو سال بعد قریش نے اس معاہدے کو توڑ دیا کیونکہ اس صلح نامہ کی چوتھی شق کے مطابق ہر قبیلہ کو یہ اختیار تھا کہ وہ یا پیغمبرؐ کے ساتھ معاہدہ کرلے یا قریش کے ساتھ دوستی کرلے۔ اسی دوران قبیلۂ خزاعہ نے مسلمانوں کے ساتھ اور قبیلۂ بنو بکر (بنی کنانہ) نے قریش کے ساتھ اتحاد کرلیا[1] ۸ھ ہجری 'میں قبیلہ بنی بکر نے 'قبیلۂ خزاعہ پر حملہ کردیا 'اس حملہ میں قریش نے فوجی ساز و سامان اور لاؤلشکر کے ساتھ بنی بکر کا تعاون کیااور کچھ خزاعیوں کو قتل کرڈالا۔ جس کی بناپر حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔[2] اس کی وجہ سے قبیلۂ خزاعہ کے سردار نے پیغمبر اکرمؐ سے مدد طلب کی۔ حضرت نے عمومی تعاون کا اعلان کردیا[3] اور یہ ارادہ کیا کہ مکہ پر حملہ کردیا جائے مگر اس حملہ کی اطلاع قریش کو نہ ہونے پائے اور دشمن کو اس بات کا پتہ نہ چلے اور مکہ کسی طرح کی خونریزی اور جنگ کے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے 'آپ نے اپنے مقصد کو پوشیدہ رکھا[4] اور یہ حکم دیا کہ مکہ کے راستہ کو زیر نظر رکھا جائے[5] اور خدا سے دعا کی کہ قریش کو آپ کے اس اقدام سے بے خبر رکھے۔[6] پیغمبر اکرمؐ تمام قوت و طاقت کو جمع کر کے دس ہزار[7] کا لشکر لیکر مکہ کی طرف روانہ ہوگئے آپ کی یہ تدبیر کارگر ثابت ہوئی اور جب تک اسلامی فوج نے مکہ کے دروازہ کے سامنے (مرّالظہران کے مقام پر) پڑاؤنہ ڈال دیا قریش کے جاسوس اس سے باخبر تک نہ ہو سکے۔

جناب عباس 'پیغمبرؐ کے چچااس وقت تک مکے میں موجود تھے اور جب اسلامی لشکر مکہ کی طرف آرہا تھا تو یہ مدینے کی طرف جارہے تھے 'جحفہ کی منزل پر وہ پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پہونچے اور مسلمانوں کے ساتھ مکہ واپس پلٹ آئے۔ اسلامی لشکر نے مکہ کے باہر جو پڑاؤڈال رکھا تھااس کی

---

1 ظہور اسلام سے قبل ان دو قبیلوں کے درمیان دشمنی اور خون خرابہ ہوتا رہتا تھا۔ (السیرۃالنبویہ 'ابن ہشام 'ج ۴ 'ص ۳۱) اسی زمانہ سے خزاعہ نے عبد المطلب کے ساتھ عہد باندھا تھا۔ (المغازی 'واقدی 'ج ۲ 'ص ۷۸۱)

2 السیرۃالنبویہ 'ابن ہشام 'ج ا 'ص ۳۳ 'المغازی واقدی 'ج ۲ 'ص ۷۸۳ 'تاریخ یعقوبی 'ابن واضح (نجف 'المکتبۃالحیدریہ ' ۱۳۸۴ھ .ق) ابن ہشام کہتا ہے : ''اس حملہ میں ایک شخص قبیلۂ خزاعہ کا مارا گیا'' (ج ۴ 'ص ۳۳) لیکن واقدی اور ابن سعد نے مارے جانے والوں کی تعداد ۲۰ عدد لکھی ہے (المغازی 'ج ۲ 'ص ۷۸۴ ' طبقات الکبریٰ 'ج ۲ 'ص ۱۳۴)

3 واقدی 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۸۰۰۔ ۷۹۹ 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۱۳۵.

4 واقدی 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۸۰۲۔ ۷۹۶؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۱۳۴.

5 واقدی 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۷۹۶۔ ۷۸۶؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۱۳۴.

6 ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ 'ج ۴؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۳۴؛ تاریخ یعقوبی 'ج ۲ 'ص ۴۷.

7 ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ 'ج ۴ 'ص ۴۲۔ ۴۳؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۱۳۵؛ واقدی 'گزشتہ حوالہ 'ج ۲ 'ص ۸۰۱.

آخری شب میں شہر سے باہر ابو سفیان سے آپ کا سامنا ہوا آپ اس کو پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں لائے [1] ابوسفیان اسلامی لشکر کی عظمت اور کثرت کو دیکھ کر مبہوت رہ گیا رسول خدا نے اس کو معاف فرمادیا اور جناب عباس کی اس درخواست کے مطابق کہ جو شخص بھی مسجد الحرام میں پناہ لے لے یا اپنے گھر میں بیٹھا رہے یا ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے' وہ امان میں ہے۔

اسلامی لشکر کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ابوسفیان نے رسول خدا کی طرف سے جاری امان نامے کی اطلاع اہل مکہ کو دیدی اس تدبیر کی وجہ سے آپ کو کسی طرح کے خون خرابے کی نوبت نہیں آئی اور اہل شہر کی طرف سے کسی قسم کی مزاحمت اور مقابلہ کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور مکہ آسانی کے ساتھ فتح ہوگیا' شہر کے صرف ایک حصہ میں جہاں کچھ ہٹ دھرم قسم کے قریش رہتے تھے انھوں نے پیغمبرؐ کا مقابلہ کرنا چاہا جن میں سے کچھ لوگ مارے گئے۔[2]

پیغمبر اکرمؐ نے مکہ میں داخل ہونے کے بعد اونٹ پر سوار ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس دوران آپ کے ہاتھ میں جو عصا تھا اس کے ذریعہ کعبہ کے چاروں طرف رکھے ہوئے بتوں کو گراتے رہے اور فرماتے رہے : (حق آگیا اور باطل چلا گیا بیشک باطل' تو نابود ہونے والا ہے)۔[3]

اور اس کے بعد جیسا کہ مورخین اور محدثین کے درمیان مشہور ہے حضرت علیؑ پیغمبرؐ کے حکم سے آپ کی دوش مبارک پر چڑھے اور وہ بڑا بت جو کعبہ کے اوپر تھا اس کو نیچے گرادیا اور وہ زمین پر گرتے ہی چکنا چور ہوگیا۔[4]

---

1 ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ص ۴۲' ۴۴' ۴۶؛ واقدی 'گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۸۱۹۔ ۸۱۷.

2 ۱۵ سے ۲۸ افراد۔ (ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ص ۵۰؛ واقدی 'گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۸۲۵؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۱۳۶.)

3 (جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقاً)' سورۂ اسراء' آیت ۸۱.

4 ابن ہشام 'گزشتہ حوالہ' ج ۴' ص ۵۹؛ واقدی 'گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۸۳۲؛ ابن سعد 'گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۱۳۶؛ اسی طرح رجوع کریں' طوسی' امالی (قم : دار الثقافہ' ۱۴۱۴ھ ء)' ص ۳۳۶؛ حلبی' السیرۃ الحلبیہ (بیروت : دارالمعرفہ)' ج ۳' ص ۳۰؛ زینی دحلان' السیرۃ النبویہ و الآثار المحمدیہ (بیروت : دار المعرفہ' ط ا' ۱۴۱۶ھ ء)' ج ا' ص ۳۲۲؛ علی بن موسی بن طاووس' الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف (قم : مطبعۃ الخیام)' ج ا' ص ۸۱۔ ۸۰؛ ابن شہر آشوب' مناقب آل ابی طالبؑ (قم : المطبعۃ العلمیہ)' ج ۲' ص ۱۳۶۔ ۱۳۵؛ جار اللہ زمخشری' تفسیر کشاف' مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی' ج ۲' ص ۲۴۴. علامہ امینی نے اس واقعہ کو اہل سنت کے ۴۱ محدثین سے نقل کیا ہے (الغدیر' ج ۷' ص ۱۲۱' تذکرۃ الخواص' اور بحار اور دوسری کتابوں میں منقول کچھ روایات کے مطابق) یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کسی سال میں رونما ہوا ہے اور شب میں قریش کی نظروں سے دور انجام پایا ہے اور اس بات کا احتمال پایا جاتا ہے کہ واقعہ دو طرح سے رونما ہوا ہے۔ پیغمبر اسلاؐم کے شانے پر علیؑ کے سوار ہونے کا واقعہ قدیم زمانے سے متعدد شعراء کے اشعار میں بیان ہوا ہے ان میں سے ابن العرندس حلی نویں صدی ہجری کے شاعر نے ایک بہترین قصیدہ کے ضمن میں کہا ہے : وصعود غارب احمد فضل لہ دون القرابۃ والصحابہ افضلا (الغدیر' ج ۷' ص ۸) یعنی علیؑ کا احمدؐ کے شانے پر سوار ہونا ایک ایسی بڑی فضیلت ہے اور ان کے لئے یہ فضیلت قرابتداری اور صحابی ہونے کے علاوہ ہے۔ اسی طرح ابن ابی الحدید نے اپنے ''سبع علویات'' قصائد میں سے ایک قصیدے میں جو کہ فتح مکہ کے موقع کا ہے' کہا ہے کہ :

رغبت بأسمیٰ غارب احدقت بہ ملائک یتلون الکتاب المسطرا

بغارب خیر المرسلین و اشرف الأ نام و ازکیٰ فاعل و طیء الثّریٰ

''قرآن کی تلاوت کرنے والے ملائکہ جس بلندترین دوش مبارک کا احاطہ کئے ہوئے تھے اس پر آپ سوار ہوئے' جو اس دنیا میں سب سے بہترین ذات گرامی رسولوں میں سب سے بہتر لوگوں میں سب سے زیادہ باعظمت اور مقدس جس نے اس زمین پر قدم رکھا'' (دکتر محمد ابراہیم آیتی بیر جندی' تاریخ پیامبر اسلام' انتشارات دانشگاہ تہران' ص ۵۳۰۔ ۵۲۹)

امام جعفر صادقؑ سے منقول روایت کے مطابق حضرت علیؑ نے جس بت کو توڑا تھا اس کا نام ''ہبل'' تھا جس کو پیغمبر کے حکم سے باب بنی شیبہ میں دفن کر دیا جو مسجد الحرام کا ایک دروازہ ہے تاکہ لوگ مسجد الحرام میں داخل ہوتے وقت اس کے اوپر سے گزر کر جائیں اور اسی بناپر اس دروازے سے مسجد الحرام میں داخل ہونا مستحب قرار پایا ہے۔[1]

پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے عام معافی کا اعلان

اگرچہ قریش اور مشرکین مکہ نے آغاز اسلام سے لیکر اب تک مسلمانوں کی دشمنی، مخالفت اور ان پر دباؤ اور ظلم اور تشدد میں کسی قسم کی فروگزاشت نہیں کی تھی اور اس دن پیغمبرؐ کے پاس ہر قسم کا انتقام لینے کی قوت اور طاقت تھی اس کے باوجود آپ نے چند لوگوں کے علاوہ کہ جنھوں نے کچھ زیادہ ہی بڑے جرائم کا ارتکاب کیا تھا،[2] بقیہ سب لوگوں کو عام معافی دینے کا اعلان کر دیا اور فرمایا:

میں اپنے بھائی یوسف کی بات ہی کہوں گا کہ آج تمہارے اوپر کوئی سرزنش نہیں ہے خدا تمہیں معاف کرے اور وہ ارحم الراحمین، سب سے زیادہ مہربان ہے[3] جاؤتم لوگ جاؤ، تم لوگ آزاد شدہ ہو۔[4]

قریش جو ذلت کے ساتھ تسلیم ہوئے تھے اور انھیں حضرت کی طرف سے سخت انتقامی کاروائی کا خدشہ تھا آپ کی اس شرافتمندانہ اور کریمانہ عفو و بخشش سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ رسول خدا نے خانۂ کعبہ کے پاس لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

خداوند عالم نے اول تخلیق سے مکہ کو محترم اور مقدس قرار دیا ہے یہ شہر روز قیامت تک حرم اور مقدس سرزمین ہے کسی مسلمان کو حق نہیں ہے کہ اس سرزمین پر خون ریزی کرے اس کا درخت کاٹے، اس شہر کی حرمت مجھ سے پہلے کسی شخص پر حلال نہیں ہوئی اور نہ میرے بعد کسی پر حلال ہوگی اور میرے لئے بھی صرف اسی وقت (یہاں کے لوگوں پر غصہ کی وجہ سے) حلال ہوئی ہے اور اس کے بعد اس کی وہی صورت حال رہے گی یہ بات حاضرین، غائبین تک پہونچادیں۔[5]

---

1 حر عاملی، وسایل الشیعہ (بیروت: دار احیاء التراث الاسلامی)، ج ۹، ص ۳۲۳، ابواب مقدمات الطواف، باب استحباب دخول المسجد الحرام من باب بنی شیبہ، حدیث ۱۔

2 مورخین نے ان کی تعداد آٹھ سے دس تک لکھی ہے (السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ج ۴، ص ۵۳۔۵۱؛ المغازی واقدی، ج ۲، ص ۸۲۵، طبقات الکبریٰ ابن سعد، ج ۲، ص ۱۳۶، البتہ ان میں سے کچھ لوگوں کو معاف کر دیا گیا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا گیا۔

۳ ''لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم و ہو ارحم الراحمین''سورۂ یوسف، آیت ۹۲.

4 حلبی، السیرۃ الحلبیہ (انسان العیون)، ج ۳، ص ۴۹؛ زینی دحلان، السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ، ج ۲، ص ۹۸.

5 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۴، ص ۵۸؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۵۰؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۸۴۴؛ الفاظ کے کچھ اختلاف کے ساتھ۔

پیغمبر اسلاؐم نے فتح مکہ کے بعد وہاں کی مسلمان عورتوں سے یہ عہد لیا کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائیں، چوری نہ کریں، زنا نہ کریں، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں، اپنے ناجائز بچوں کو بہتان اور حیلے کے ذریعہ اپنے شوہروں کے سر نہ تھوپیں اور نیک کاموں میں پیغمبرؐ کی نافرمانی نہ کریں۔[1]

بعض شہرت یافتہ لوگوں نے جو بعد میں بہت ہی مشہور ہوئے اور کسی عہدے یا مقام تک پہونچے انھوں نے بھی فتح مکہ میں اسلام کا اظہار کیا، جس میں ابوسفیان[2] اور اس کا بیٹا معاویہ[3] بھی شامل تھا۔

فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے سخت اور دشوار گزار حالات کی بناپر اور فتح مکہ کے بعد اس کی جگہ، امن وسکون اور اطمینان کا ماحول پیدا ہو جانے کی وجہ سے پروردگار عالم نے فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو جانے والے افراد کو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے لوگوں سے بہتر اور باعظمت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ "تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم راہ خدا میں انفاق نہیں کرتے ہو جب کہ آسمان اور زمین کی میراث کا تعلق خدا سے ہے جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے انفاق اور جہاد کیا ان کا درجہ یقیناً ان لوگوں سے زیادہ افضل ہے جنھوں نے بعد میں انفاق اور قتال کیا ہے خدا کا ہر وعدہ نیک ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے۔[4]

فتح مکہ کے آثار اور نتائج

چونکہ مکہ مشرکین بلکہ اسلام مخالف تمام طاقتوں کا سب سے اہم اڈا اور سب سے مضبوط قلعہ اور مورچہ تھا اور مخالفین اسلام کی اصل حمایت اور پشت پناہی یہیں سے ہوتی تھی اور اسی کی بناپر ان کے حوصلے بلند رہتے تھے۔ اس بناپر اس شہر کی پسپائی اور اس شہر پر مسلمانوں کا قبضہ تاریخ اسلام میں ایک اہم باب ہے جس کے بعد یہ بالکل مسلم ہوگیا کہ اب یہاں بت پرستی کا کوئی وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ دوسری طرف عرب کے دوسرے قبیلے بھی فتح مکہ اور قریش جیسے بڑے قبیلے کے اسلام لانے کے منتظر تھے اور جس وقت مکہ فتح ہوا اور قریش مسلمان ہوگئے تو ہر طرف سے تمام قبائل کے نمائندے یکے بعد دیگرے دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے[5] صرف دو قبیلوں، ہوازن اور ثقیف کے علاوہ تمام عرب قبائل نے اسلام کے مقابلے میں اطاعت کا اظہار کیا،[6] جن میں مندرجہ ذیل قبیلوں کے نمائندے شامل تھے:

---

1 سید محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، ج۱۹، ص ۲۴۶۔ یہ عہد نامہ سورۂ ممتحنہ کی آیت نمبر ۱۰ "یاایہاالنبی اذا جاءک المؤمنات یبایعنک علی ان لا یشرکن باللّٰہ شیئاً ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادہن ولا یأتین ببھتان یفترینہ بین ایدیہن وارجلہن ولا یعصینک فی معروف فبایعہن واستغفر لہن اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم" کے نازل ہونے کے بعد انجام پایا، اس کو بیعۃ النساء بھی کہا جاتا ہے۔

2 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۵؛ ابن اثیر، اسد الغابہ (تہران: المکتبۃ الاسلامیہ، ۱۳۳۶)، ج ۴، ص ۳۸۵ وج ۵، ص ۲۱۶؛ ابن عبد البر، الاستیعاب (در حاشیہ الاصابۃ) ج ۲، ص ۸۵.

3 ابن اثیر، گزشتہ حوالہ، ج ۴، ص ۳۸۵؛ زینی دحلان، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۹۶.

٤ "وما لکم ان لا تنفقوا فی سبیل اللّٰہ و للّٰہ میراث السمٰوات والارض لایستوي منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولٰئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلاً و عد اللّٰہ الحسنی واللّٰہ بما تعملون خبیر" سورۂ حدید، آیت ۱۰.

5 شہاب الدین احمد نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، ترجمۂ محمود مہدی دامغانی، (تہران: امیر کبیر، ۱۳۶۵) ج ۳، ص ۱۱.

6 حلبی، السیرۃ الحلبیہ (بیروت: دار المعرفہ)، ج ۳، ص ۶۱.

قشیر بن کعب،[1] باھلہ،[2] ثعلبیہ،[3] صُدا،[4] بنی اسد،[5] بلّی،[6] عذرۃ،[7] ثمالہ،[8] اور حدّان،[9] ان سب نمائندوں نے پیغمبر اسلامؐ کی خدمت میں پہنچ کر آپ کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔

جنگ حنین (ھوازن) اور جنگ طائف کے بعد جو فتح مکہ کے بعد ہوئیں، قبیلۂ ثقیف، جس کی حیثیت طائف میں وہی تھی جو مکہ میں قبیلۂ قریش کو حاصل تھی اس طاقتور قبیلے کے نمائندے بھی رسول اللہ کی خدمت میں پہونچے اور اسلام قبول کرنے کے لئے آپ کے سامنے کچھ شرائط رکھے لیکن آپ نے ان میں سے کوئی ایک شرط بھی قبول نہیں کی جس کے بعد وہ لوگ کسی شرط کے بغیر اسلام لے آئے[10] جو اسلام کی پیش رفت کے لئے ایک بڑی کامیابی تھی۔

جنگ حنین[11]

پیغمبر اسلامؐ فتح مکہ کے بعد (جو بیس رمضان المبارک[12] کو حاصل ہوئی) دو ہفتہ تک اسی شہر میں قیام پذیر رہے۔[13] اور اس شہر کی صورت حال اور حالات کو درست کیا اور اپنے منادی کے ذریعے یہ اعلان کرایا کہ جس شخص کے گھر میں بھی کوئی بت ہو وہ اس کو توڑ دے۔[14] اس کے علاوہ آپ نے کچھ لوگوں کو مکہ اور اس کے اطراف کے بتوں اور بتکدوں کو توڑنے کے لئے مامور کیا۔[15]

---

1 ابن سعد، طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ج۱، ص ۳۰۳.

2 گزشتہ حوالہ، ص۳۰۷.

3 گزشتہ حوالہ، ص۲۹۸؛ نویری، گزشتہ حوالہ، ص۳۷.

4 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۳۲۶.

5 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۲۹۲؛ نویری، گزشتہ حوالہ، ۳۸.

6 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۳۳۰؛ نویری، گزشتہ حوالہ، ۸۹.

7 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۳۳۱؛ نویری، گزشتہ حوالہ، ۸۳.

8 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۳۵۲؛ نویری، گزشتہ حوالہ، ۱۰۳.

9 ابن سعد، گزشتہ حوالہ.

10 واقدی، المغازی، ج۱، ص۹۶۶.

11 ذوالمجاز کے قریب ایک درہ جس کا نام حنین تھا۔ یا طائف کے قریب ایک پانی کی جگہ جس کا فاصلہ مکہ تک تین رات تک کا تھا۔ (المواہب اللدنیہ، ج۱، ص۳۲۸)

12 واقدی، المغازی، تحقیق مارسدن جونس (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات)، ج۳، ص۸۸۹؛ طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج۳، ص۱۲۵.

13 واقدی، گزشتہ حوالہ، طبری، گزشتہ حوالہ؛ قسطلانی، المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط۱، ۱۴۱۶ھ) ج۱، ص۲۲۶.

14 ابن واضح، تاریخ، یعقوبی، (نجف: المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۴ھ.)، ج۲، ص۵۰.

15 قسطلانی، گزشتہ حوالہ، ص۲۲۷؛ نویری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، ترجمہ محمود مہدوی دامغانی (تہران: امیر کبیر، ط۱، ۱۳۶۵) ج۲، ص۲۸۱-۲۸۰؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ص۱۴۷-۱۴۵۔

اسی دوران رسول خدا کو یہ اطلاع دی گئی کہ قبیلہ ہوازن، قبائل ثقیف، نصر، جشم، سعد بن بکر اور قبیلۂ بنی ہلال کے ایک گروہ کی پشت پناہی میں، مالک بن عوف نصری کی سرکردگی میں مکہ کے اوپر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں،[1] جب تحقیق کی گئی تو یہ اطلاع بالکل صحیح نکلی کہ مذکورہ بالا قبائل پر مشتمل ایک بڑی فوج مکہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے اوطاس نامی سرزمین پر پڑاؤ ڈال چکی ہے۔ رسول خدا نے مزید تحقیق کے لئے اپنے ایک آدمی کو بھیجا اس نے خفیہ تحقیق کی جس کے نتیجے میں مکہ کی طرف ہوازن کی فوج کی پیش رفت مسلم ہو گئی۔[2]

اس وقت پیغمبر اکرمؐ نے یہ فیصلہ کیا کہ فوجی حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے یہ ترکیب اپنائی جائے کہ دشمن کو حملے کا موقع ہی نہ ملے اسی لئے آپ نے بڑی سرعت کے ساتھ عتاب بن اسید کو مکہ کا حکمراں قرار دیا[3] اور بارہ ہزار کی فوج (جن میں دس ہزار آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے اور دو ہزار مکہ میں تازہ مسلمان ہونے والے شامل تھے)،[4] لیکر دشمن کی فوج کی طرف چل پڑے اور قبیلۂ بنی سلیم کو اپنی فوج کا مقدمۃ الجیش قرار دیا۔[5]

راستے میں مسلمانوں کی فوج کی کثرت کو دیکھ کر بعض مسلمانوں کو غرور ہو رہا تھا اور وہ کہہ رہے تھے کہ اب ہم فوج کی قلّت کی بنا پر نہیں ہاریں گے۔[6] لیکن عملاً بات اس کے برعکس ثابت ہوئی چنانچہ خداوند عالم نے قرآن مجید میں اس امر کی صاف یاد دہانی کرائی ہے[7] کہ اس جنگ میں افراد کی کثرت اور فوجیوں کی زیادتی سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

آغاز جنگ میں مسلمانوں کی شکست اور عقب نشینی

اسلامی فوج صبح کی تاریکی میں وادی حنین پہونچی، وادی حنین میں پہنچتے ہی ہوازن کے جنگجو اور سپاہی جو پہلے ہی پتھروں کے پیچھے شگافوں اور درّوں کے اندر چھپے ہوئے تھے اور وہاں سے مورچے سنبھال رکھے تھے انھوں نے اچانک مسلمانوں پر دھاوا بول دیا،[8] دشمن کا اچانک یہ حملہ اتنا کاری تھا کہ مسلمان بالکل وحشت زدہ ہو کر رہ گئے۔ پہلے قبیلۂ بنی سلیم نے جو مقدمۃ الجیش تھا عقب نشینی اور راہ فرار اختیار کی،[9] اس کے بعد دوسرے لوگ بھی فرار کرنے لگے۔ اور نوبت یہاں تک پہونچی کہ صرف حضرت علیؑ دوسرے چند لوگوں کے ساتھ رسول خدا کے پاس باقی

---

1 ابن ہشام، سیرۃ النبویہ (قاہرہ: مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی)، ج ۴، ص ۸۰؛ تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج ۳، ص ۱۲۶.
2 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ج ۴، ص ۸۲؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج ۲، ص ۱۲۷؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ج ۳، ص ۸۹۳۔

3 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۸۸۹؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۲۷.
4 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۸۳؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۲۷؛ ابن سعد طبقات الکبریٰ (بیروت: دار صادر)، ج ۲، ص ۱۵۰؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ط ۳، المکتبۃ الاسلامیہ، ص ۱۱۳؛ ابن واضح، ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۵۲
5 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۸۹۳؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۰.
6 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۸۸۹؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۰؛ طبرسی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۱۳؛ شیخ مفید، الارشاد (قم: مکتبۃ بصیرتی)، ص ۷۴.
7 سورۂ توبہ، آیت ۹.
8 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۸۵؛ واقدی، گزشتہ، ص ۸۹۵؛ طبری، گزشتہ، ص ۱۲۸؛ طبرسی، اعلام الوریٰ، ص ۱۱۴؛ مجلسی، بحار الانوار، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۴ھ) ج ۲۱، ص ۱۶۹؛ شیخ مفید، گزشتہ، ص ۷۵۔
9 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۸۹۷؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۰.

رہ گئے اور دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا[1] شیخ مفید کی نقل کے مطابق صرف بنی ہاشم سے نو افراد رسول خدا کے پاس باقی رہ گئے تھے جن میں ایک حضرت علیؑ تھے، عباس بن مطلب آپ کے چچا آپ کے دائیں طرف اور فضل بن عباس رسول خدا کے بائیں طرف تھے اور حضرت علیؑ آپ کے روبرو تلوار سے جہاد کر رہے تھے۔[2]

مسلمانوں کی عالیشان فتح

اتنے مسلمانوں کے فرار کر جانے کے باوجود پیغمبر اسلامؐ صبر و استقامت، شجاعت اور بہادری کا بہترین نمونہ تھے چنانچہ آپ کے اندر کسی قسم کا ضعف و تنزلزل یا گھبراہٹ پیدا نہ ہوئی اور آپ سکون اور اطمینان کے ساتھ میدان جنگ میں ڈٹے رہے اور فرار ہونے والوں سے فرمایا: اے لوگو! تم لوگ کہاں بھاگ رہے ہو؟ واپس آؤ کہ میں پیغمبر خدا محمد بن عبد اللہ ہوں اور اپنے چچا جناب عباس (جو اس وقت آپ کے ساتھ میدان جنگ میں بنی ہاشم کے بچے افراد میں سے تھے اور بلند آواز رکھتے تھے) سے فرمایا کہ لوگوں کو آواز دو اور پکارو اور انھوں نے مجھ سے جو عہد و پیمان اور بیعت کی ہے اس کو انھیں یاد دلاؤ، جناب عباس نے ان لوگوں کو بلند آواز سے پکار کر کہا: ''اے اہل بیعت شجرہ! اے اصحاب سورہ بقرہ! تم کہاں فرار کر رہے ہو؟ تم نے پیغمبر اکرمؐ سے جو عہد اور پیمان کیا تھا اس کو یاد کرو''[3]

پیغمبرؐ کی استقامت آپ کی ثابت قدمی اور پائیداری نیز مسلمانوں کو بار بار واپسی کی دعوت دینے کا یہ اثر ہوا کہ بھاگ جانے والے مسلمان آہستہ آہستہ واپس پلٹنا شروع ہوئے اور رسول خدا کے پرچم تلے دوبارہ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ گئے، کچھ دیر نہ گزری تھی کہ دشمن کی فوج کا سپہ سالار اور علمبردار حضرت علیؑ کے ہاتھوں مارا گیا[4] اور خداوند متعال کی غیبی امداد[5] کے ذریعہ ہوازن کی فوج کو بہت سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا اور چار ہزار اسیر، بارہ ہزار اونٹ اور بہت زیادہ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔[6] جنگ کے اختتام پر جن قبائل کے سردار مسلمان ہو گئے تھے ان کی خواہش اور درخواست کی بنا پر پیغمبر اسلامؐ نے اسیروں کو آزاد کر دیا۔[7] اس جنگ کے شہداء کی تعداد چار افراد ذکر ہوئی ہے۔[8]

خداوند عالم نے اس جنگ میں مسلمانوں کی ابتدائی شکست اور آخر میں امداد غیبی کے سہارے ان کی بہترین کامیابی کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے:

---

1 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۰۰؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۵۲.

2 الارشاد، ص ۷۴، اس جنگ میں حضرت علیؑ کی شجاعت کے متعلق، رجوع کریں: امالی، شیخ طوسی (قم: دار الثقافہ، ط ۱، ۱۴۱۴ھ)، ص ۵۷۵-۵۷۴.

3 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ۱۵۱؛ ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۵۲؛ مجلسی، بحار الانوار، ج۲۱، ص ۱۵۰۔

4 ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص ۵۲۔

5 سورۂ توبہ، آیت ۲۶۔

6 طبرسی، اعلام الوریٰ، ج۲، ص ۱۱۶، کے مطابق اسیروں کی تعداد اور مال غنیمت کی مقدار چھ ہزار اسیر اور چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ گوسفند اور چار ہزار چاندی، (طبقات الکبریٰ، (بیروت: دار صادر)، ج۲، ص ۱۵۲.)

7 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۵-۱۵۳؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳۲ اور ۱۳۵۔

8 ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۱۰۱؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص ۱۵۲؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۲۲۹؛ ابن واضح، گزشتہ حوالہ، ص ۵۲؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ص ۱۳۲۔

"پروردگار عالم نے بہت سارے مواقع پر تمہاری مدد کی ہے اور حنین کے دن بھی کہ جب تمہاری کثرت نے تم کو غرور میں مبتلا کر دیا تھا لیکن تم سے اس نے کوئی خطرہ دور نہیں کیا اور زمین اپنی تمام وسعتوں سمیت تمہارے اوپر تنگ ہوگئی اور تم دشمن کو پیٹھ دکھا کر فرار کر گئے"[1] تب پروردگار عالم نے اپنے رسول اور مومنین کے اوپر اپنا سکون نازل کیا اور ایسے لشکر نازل کئے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا تھا ان پر عذاب نازل کیا اور کافرین کی سزا ایسی تھی"۔

جنگ تبوک[2]

جنگ موتہ کے اسباب اور عوامل پر غور اور فکر کے درمیان ہم اس سے واقف ہو چکے ہیں کہ شہنشاہ روم کو اس تازہ اور جدید اسلامی حکومت سے کس قدر دشمنی تھی اور آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ رومی فوج سے مسلمانوں کی فوج کی پہلی مڈبھیڑ میں مسلمانوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا' اس زمانے میں روم اور ایران دو بڑی طاقتیں تھیں اور ان میں آپس میں بہت طویل جنگیں بھی ہو چکی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کو یہ ہرگز برداشت نہیں تھا کہ ان کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی تیسری طاقت سر ابھار سکے ! اس لئے یہ فطری بات تھی کہ فتح مکہ میں مسلمانوں کی بے مثال کامیابی اور جنگ حنین میں ان کے ہاتھوں قبیلۂ ہوازن کی شکست 'رومیوں کے لئے (جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں شام کے علاقہ میں واقع تھا) ایک اچھی خبر نہ تھی' ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے اور جنگ موتہ میں رومیوں کی کامیابی کو نظر میں رکھتے ہوئے شہنشاہ روم کی طرف سے فوجی نقل و حرکت ایک فطری بات تھی ۹ھ ء میں مدینہ اور شام کے درمیان تجارت کرنے والے قافلوں نے پیغمبرؐ کو یہ اطلاع دی کہ شہنشائے روم ہرقُل مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہے۔[3]

حضرتؐ نے اس خبر کو سنجیدگی سے سنا اور اس سے مقابلہ کے لئے تیاریاں شروع کر دیں کیونکہ شہنشاہ روم اپنی سیاسی اور فوجی قدرت اور طاقت اور مسلمانوں سے سابقہ دشمنی کی بنا پر اسلام اور مسلمانوں کا بدترین اور خطرناک ترین دشمن تصور کیا جاتا تھا۔[4]

اطلاعات سے پتہ چلا تھا کہ ہرقل نے کچھ عرب قبائل جیسے لخم' حزام' عملہ اور غسان کو بھی اپنی اس نقل و حرکت میں اپنے ساتھ کر رکھا ہے اور اس کے لشکر کا مقدمۃالجیش عنوان سے بلقاء نامی علاقہ تک پیش روی کر کے آگے بڑھ آیا تھا۔[5]

---

1 سورۂ توبہ' آیت ۲۶۔ ۲۵۔

2 تبوک مدینہ اور دمشق کے بالکل درمیان ایک مشہور و معروف جگہ ہے (قسطلانی' المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ (بیروت : دار الکتب العلمیہ' ۱۳۱۶ھ.ق)' ج۱' ص۳۴۶؛ زینی دحلان' السیرۃالنبویہ والآثار المحمدیہ (بیروت : دار المعرفہ' ج۲' ص۱۲۵) مدینہ سے اس کا فاصلہ نوے فرسخ ہے اور یہ مسافت بارہ (۱۲) رات میں طے ہوتی تھی۔ (مسعودی' التنبیہ والاشراف (قاہرہ : دار الصاوی للطبع والنشر' ص۲۳۵) اور اس زمانہ میں جزیرہ نمائے عربستان کا سرحدی علاقہ تھا جو روم کی سرحد سے شام میں ملتا تھا آج تبوک سعودی عرب کا ایک شہر ہے جو اردن کی سرحد کے نزدیک ہے اور مدینہ سے اس کا فاصلہ تقریباً چھ سو کلومیٹر ہے.

3 واقدی' المغازی' تحقیق : مارسڈن جانس (بیروت : مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات)' ج۳' ص۹۹۰؛ ابن سعد' طبقات الکبری' (بیروت : دار صادر)' ج۲' ص۱۶۵؛ قسطلانی' گزشتہ حوالہ' ص۳۴۶؛ حلبی' السیرۃالحلبیہ (بیروت : دار المعرفہ)' ج۳' ص۹۹۔ یہ گزارش نبطی تاجروں کے ذریعے دی گئی تھی جو تیل اور سفید آٹا مدینہ لے جاتے تھے۔ (واقدی' گزشتہ حوالہ' ص۹۹۰۔ ۹۸۹۔

4 واقدی' گزشتہ حوالہ' ص۹۹۰۔

5 واقدی' گزشتہ حوالہ' ابن سعد' گزشتہ حوالہ۔

اور ہرقل نے خود حمص کے علاقہ میں پڑاوٗ ڈال رکھا ہے۔[1]

پیغمبرؐ تک یہ اطلاع اس وقت پہونچی جب گرمی اپنی شباب پر تھی،[2] فصل کاٹنے اور پھلوں کے چننے کا زمانہ آچکا تھا لوگ بہت تنگی میں تھے اور اپنے گھروں اور کاروبار زندگی کو ترک کرنا ان کے لئے بہت دشوار تھا۔[3] پیغمبر اسلاؐم نے سب کی رضاکارانہ شرکت کا اعلان کر دیا اور مکہ کے علاوہ عرب کے دوسرے بادیہ نشین قبیلوں سے مدد طلب کی اور مسلمانوں سے یہ خواہش بھی کی کہ جنگ کے وسائل اوراخراجات پورا کرنے میں مدد کریں،[4] اس سے پہلے حضرتؐ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ عام طور پر کسی بھی جنگ کے لئے نکلتے وقت اپنے مقصد اور اپنی منزل کا اعلان نہیں کرتے تھے لیکن اس بار آپ نے صاف طور پر یہ اعلان کر دیا کہ ہماری منزل اور ہمارا مقصد تبوک ہے تاکہ لوگ اس طویل اور مشکل سفر کی زحمتوں کو نظر میں رکھ کر اس کے لئے تیاری کریں۔[5]

ایسے نامناسب وقت اور حالات کے باوجود مسلمانوں نے بہت ہی اخلاص، لگن، انتہائی جوش اور جذبہ کے ساتھ آپ کی مدد کی۔[6] تقریباً تیس ہزار[7] کی فوج دس ہزار[8] گھوڑوں، بارہ ہزاراونٹوں[9] کے ساتھ روانگی کے لئے تیار ہوگئی اس کے برخلاف منافقوں نے نہ صرف یہ کہ کسی عذر کے بغیر میدان جنگ کی طرف حرکت نہیں کی،[10] بلکہ انھوں نے دوسرے لوگوں کو بھی مختلف بہانوں، جیسے گرمی زیادہ ہے وغیرہ وغیرہ میدان میں جانے سے روک دیا۔[11] جن کی مذمت میں قرآن کی آیت بھی نازل ہوئی۔[12]

بعض مسلمان کسی معقول عذر کے بغیر، اسلامی لشکر کے ساتھ نہیں گئے ان کو قرآن کریم نے متخلفین (اپنی جگہ پر رہ جانے والا) قرار دے کر ان کی مذمت فرمائی ہے۔[13] کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کو واقعاً جہاد میں جانے کا بے پناہ شوق تھا لیکن ان کے پاس جنگی سازوسامان نہیں تھا اس کی بناپر وہ جنگ میں جانے سے محروم رہ گئے۔[14]

---

1 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱٦٦۔

2 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، قسطلانی، گزشتہ حوالہ؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، طبری، تاریخ الامم والملوک (بیروت: دار القاموس الحدیث)، ج۳، ۱۴۲۔

3 واقدی، گزشتہ حوالہ، قسطلانی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۹۲؛ طبری، گزشتہ حوالہ؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ (قاہرہ: مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ھ. ق)، ج۴، ۱۵۹۔

4 ابن سعد، گزشتہ حوالہ؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۹۱۔ ۹۹۰؛ قسطلانی، گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۴۷؛ حلبی، گزشتہ حوالہ؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص ۱٦۰؛ طبرسی، اعلان الوری، دار الکتب الاسلامیہ ص ۱۲۲۔

5 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱٦۵اور ۱٦۷؛ واقدی، گزشتہ حوالہ؛ قسطلانی، ص۳۴٦؛ طبرسی، گزشتہ حوالہ؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ص۹۹؛ ابن ہشام، گزشتہ حوالہ، ص۱۵۹۔

6 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۹۹۱؛ طبری، گزشتہ حوالہ، ج۳، ص ۱۴۲۔

7 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱٦٦؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۹۹٦ و ۱۰۰۲؛ قسطلانی، گزشتہ حوالہ، ص۳۴۹؛ حلبی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۰۲

8 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۱۰۰۲؛ ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱٦٦۔

9 مسعودی، التنبیہ والاشراف (قاہرہ: دار الصاوی للطبع والنشر)، ص۲۳۵۔

10 ابن سعد، گزشتہ حوالہ، ص۱٦٦۔ ۱٦۵؛ واقدی، گزشتہ حوالہ، ص۹۹۵۔

11 واقدی، گزشتہ حوالہ، ص ۹۹۳؛ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج۴، ص۱۰٦؛ قسطلانی، گزشتہ حوالہ، ص ۳۴۲۔

12 سورۂ توبہ، آیت ۸۱۔

13 سورۂ توبہ، آیت ۸۱۔

14 سورۂ توبہ، آیت ۹۳۔ ۸۷۔

مدینہ میں حضرت علیؑ کی جانشینی

مدینہ کے حالات بھی کچھ کم حساس نہ تھے جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اسلامی فوج کو بہت دور دراز علاقے کا سفر درپیش تھا اور دوسری طرف منافقین' اسلام کا اظہار کرنے کے باوجود' پیغمبرؐ کی ہمراہی سے سرپیچی کر چکے تھے اور عبد اللہ بن ابی جو منافقوں کا سرغنہ تھا اس نے کافی لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کر رکھا تھا۔[1]

نیز منافقین کے علاوہ مکہ کے شکست خوردہ دشمنان اسلام یا مکہ اور مدینہ کے اطراف میں بادیہ نشین قبیلوں کی طرف سے بھی فتنہ اور فساد کا امکان تھا اس بنا پر یہ ضروری تھا کہ پیغمبرؐ کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا طاقت ور اور مضبوط شخص نئی اور تازہ حکومت کی باگ ڈور سنبھالے اور کسی قسم کے فتنہ کا سر نہ ابھرنے دے کیونکہ بہت ممکن تھا کہ کچھ ناگوار حادثات پیش آجائیں' اسی بنا پر پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین قرار دیا اور فرمایا: "مدینہ کو سنبھالنے کے لئے یا میرا رہنا ضروری ہے یا تمہارا رہنا ضروری ہے"[2]

مسعودی لکھتے ہیں: سب سے زیادہ مشہور قول یہی ہے کہ رسول خدا نے علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین اس لئے قرار دیا تاکہ جو لوگ پیغمبرؐ کے ساتھ سفر میں نہیں جا رہے ہیں ان کی نگرانی کرتے رہیں اور انھیں قابو میں رکھیں۔[3]

حضرت علیؑ اس جنگ کے علاوہ تمام جنگوں میں پیغمبر اسلام کے ہمراہ[4] اور آپ کے لشکر کے علمبردار رہ چکے تھے'[5] اسی بنا پر منافقین نے یہ مشہور کر دیا کہ رسول خدا نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ آپ کو ان سے کوئی لگاؤ اور محبت نہیں رہ گئی ہے' یہ افواہ سننے کے بعد حضرت علیؑ کو بہت ملال ہوا' آپ اسلحہ سجا کر منزل جرف[6] میں رسول خداؐ کے پاس پہونچے اور منافقین کی افواہ کو آپ کی خدمت میں بیان کیا اور آپ کے سامنے اس بات کا شکوہ بھی کیا' رسول خداؐ نے فرمایا: "وہ لوگ جھوٹے ہیں میں نے تم کو اپنا جانشین قرار دیا ہے۔ تم واپس جاؤ اور میرے اہل اور عیال اور اپنے گھر والوں کے درمیان میرے جانشین رہو کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسی سے تھی فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں ہے"۔[7]

---

1 واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ۹۹۵؛ ابن ہشام' گزشتہ حوالہ' ج ۴' ص ۱۶۲۔

2 مفید' الارشاد (قم: مکتبہ بصیرتی)' ص ۸۲؛ طبرسی' اعلام الوری' ص ۱۲۲۔

۳ و الاشہر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم استخلف علیاً علی المدینة لیکون مع من ذکرنا من المتخلفین۔ (التنبیه و الاشرف۔ ص۲۳۶)۔

4 ابن عبد البر' الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (حاشیہ الاصابہ میں)' ج ۳' ص ۳۴؛ حلبی' السیرۃ الحلبیہ' ج ۳' ص ۱۰۴؛ قسطلانی' المواہب اللدنیہ' ج ۱' ص ۳۴۸۔

5 ابن عبد البر' گزشتہ حوالہ' ص ۲۷؛ جعفر مرتضی العاملی' الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم' ۱۴۰۳ھ۔ق' ج ۴' ص ۱۹۶۔ ۱۹۳.

6 جرف' مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک محلّہ تھا۔

۷ افلا ترضی یا علی ان تکون منی بمنزلة ہارون من موسی الا انه لا نبی بعدی (ابن ہشام، السیرة النبویه، ج۴، ص۱۶۳; حلبی، السیرة الحلبیه، ج۳، ص۱۰۴))۲ (ارجع یا اخی الی مکانک، فان المدینة لاتصلح الا بی او بک، فانت خلیفتی فی اہل بیتی و دار ہجرتی و قومی، اما ترضی... (الارشاد، ص۸۳)

شیخ مفیدؒ کی روایت کے مطابق آپ نے یوں ارشاد فرمایا: ''اے میرے بھائی! تم اپنی جگہ واپس پلٹ جاؤ؛ چونکہ مدینہ کا نظام میرے یا تمہارے بغیر نہیں چل سکتا، بیشک تم میرے اہل بیتؑ، دار ہجرت اور میری قوم کے درمیان میرے خلیفہ ہو۔ کیا تم راضی نہیں ہو کہ ...[1]

ابن عبد البر قرطبیؒ پانچویں صدی ہجری کے عالم اہل سنت تحریر کرتے ہیں کہ جنگ تبوک میں حضرت رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنے اہل خانہ کے درمیان اپنا جانشین قرار دیا تھا۔ اور ان سے فرمایا تھا کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی ...''[2]

بخاری اور مسلم کی نقل کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے حضرت علیؑ کے شکوہ کے بعد جناب موسیٰؑ کے بھائی، ہارون سے ان کی تشبیہ دی اور مذکورہ جملہ ارشاد فرمایا۔[۳]

رسول اکرمؐ کی یہ مشہور حدیث اور آپ کا یہ مشہور فرمان جو حدیث منزلت کے نام سے مشہور ہے یہ حضرت علیؑ کی امامت اور جانشینی کی بہترین اور واضح دلیل ہے کیونکہ اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان صرف ایک خاص واقعہ یعنی سفر تبوک سے متعلق تھا لیکن اس میں مستثنیٰ منقطع اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؑ صرف عہدۂ نبوت کے علاوہ دوسرے تمام عہدوں میں جس میں سے ایک پیغمبرؐ کی جانشینی بھی ہے جناب موسیٰؑ کے بھائی جناب ہارون کے مثل اور برابر ہیں۔[4]

---

۱ خلفه رسول الله على المدينه و على عياله بعده فى غزوة تبوک و قال له انت منى.. (الاستيعاب، ج۳، ص۳۴.)

2 صحیح بخاری، شرح و تحقیق: شیخ قاسم شماعی رفاعی، (بیروت: دار القلم، ط۱، ص۱۴۰۷ھ.ق)، ج۶، ص۳۰۹؛ المغازی، باب ۱۹۵، ح ۸۵۷؛ صحیح مسلم، بشرح النووی (بیروت: دار الفکر، ۱۴۰۱ھ.ق)، ج۱۵،

3 ص ۱۷۵؛ فضائل الصحابہ، فضائل علی بن ابی طالب۔ رسول اسلامؐ کی یہ حدیث منزلت، مذکور کتابوں کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب میں بھی آئی ہے: المواہب اللدنیہ، ج۱، ص۳۴۸؛ الاستعیاب فی معرفۃ الاصحاب، (الاصابہ کے حاشیہ میں)، ج۳، ص۳۴؛ البدایہ والنہایہ، ج۵، ص۷ و ج۸، ص۷۷؛ مسند احمد، ج۱، ص۱۷۹؛ کنز العمال، ح ۲۲۴۲۱۴، ۳۲۸۸۱، ۲۷۶۵۳؛ الجامع الصحیح، ترمذی، المناقب، باب ۲۱، ح ۳۰۷۳؛ التنبیہ والاشراف، ص۲۳۵؛ الصواعق المحرقہ، ص۱۲۱؛ الاصابہ، ج۲، ص۵۰۹، شمارۂ ۵۶۸۸؛ سیرۂ زینی دحلان، ج۲، ص۱۲۶؛ مروج الذہب، ج۳، ص۱۴؛ امالی شیخ طوسی، ص۵۹۹۔ بعض کتابوں کی نقل کے مطابق، پیغمبر اسلامؐ نے اس سفر میں محمد بن سلمیٰ کو اور بعض دوسرے نقل کے مطابق سباع بن عرفطہ کو اپنا جانشین مدینہ میں مقرر کیا تھا۔ (رجوع کریں: ابن ہشام، سیرۃ النبویہ، ج۴، ص۱۶۲؛ السیرۃ الحلبیہ، ج۳، ص۱۰۲؛ تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص۱۴۳؛ طبقات الکبری، ج۲، ص۱۶۵؛ المواہب اللدنیہ، ج۱، ص۳۴۸) لیکن جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ روایات کی کثرت اور تواتر کے باوجود علیؑ کی جانشینی، کے متعلق جو شیعہ سنی کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں ان کی مخالف روایتوں کے اوپر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ابن عبد البر، پانچویں صدی کا بزرگ مورخ، رجال نویس اور فقیہ لکھتا ہے: حدیث ''انت منی بمنزلۃ ہارون من موسی...'' کو صحابہ کے ایک گروہ نے نقل کیا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ترین اور موثق ترین روایات میں سے ہے۔ اور اس کو سعد بن ابی وقاص، ابن عباس، ابو سعید خدری، ام سلمہ، اسماء بنت عمیس، جابر بن عبداللہ انصاری، اور بے شمار راویوں نے نقل کیا ہے کہ جن کے نام یہاں پر نقل کرنے سے بہت طویل فہرست بن جائے گی۔ (الاستیعاب، ج۳، ص۳۴)

4 اس واضح اور روشن بیان کے باجود علمائے اہل سنت کے درمیان حلبی شامی اور ابن تیمیہ نے تعصب کی بنا پر اس حدیث کی دلالت میں شک و شبہ ڈال دیا ہے۔ اس حدیث کی دلالت اور اس کے حوالوں اور تقریباً سو سے زیادہ طرق سے منقول اس حدیث کے بارے میں مزید آگاہی کے لئے 'کتاب الغدیر'، ج۳، ص۲۰۱۔۱۹۷؛ احقاق الحق، ج۵، ص۲۳۴۔۱۳۳ و کتاب پیشوائی از نظر اسلام، تالیف استاد آیت اللہ جعفر سبحانی (انتشارات مکتب اسلام، ۱۳۴۷ش)، پندرہویں فصل میں مراجعہ فرمائیں۔

راستے کی دشواریاں

ان تمام زحمتوں اور مشکلات کے باوجود اسلامی فوج مدینہ سے کوچ کر گئی لیکن جیسا کہ پہلے سے ہی اس بات کااندازہ لگایا جارہا تھا مسلمانوں کو تبوک کے راستے میں چند وجوہ کی بناپر مثلاً راستہ طولانی ہونے کی وجہ سے' سواریوں کی قلّت (کہ ہر تین آدمیوں کے لئے ایک گھوڑا تھا) گرمی کی شدت' پانی کی کمی اور تشنگی جیسی بے پناہ مشکلات اور زحمتوں کا سامنا کرناپڑااسی بناپر تاریخ اسلام میں اس جنگ کو ''غزوۃالعسرہ''[1] یعنی مشکلات کی جنگ یا ''جیش العسرۃ''[2] یعنی زحمت اور مشکلات کے لشکر کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

بہر حال اسلامی فوج اتنی طویل مسافت طے کرنے کے بعد سرزمین تبوک پہنچی 'لیکن وہاں رومی فوج کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں تھا. بعد میں معلوم ہوا کہ رومی فوج کی نقل و حرکت کی خبریں سب بے بنیاد تھیں۔[3] اور یہ افواہ صرف مسلمانوں کے اندر رعب اور اضطراب پیدا کرنے کے لئے پھیلائی گئی تھی۔[4]

اس علاقہ کے سرداروں سے پیغمبرؐ کے معاہدے

رسول خدؐا نے بیس دن تک تبوک میں قیام فرمایا[5] اور اس مدت میں ''ایلہ'' کے حاکم اور سرزمین ''جرباء'' اور ''اذرخ'' کے لوگوں سے صلح کا معاہدہ ہوااور انھوں نے جزیہ ادا کرنے کا عہد کیااس کے علاوہ پیغمبر اکرمؐ نے ایک مختصر فوجی نقل اور حرکت کے ذریعہ دومۃالجندل کے مقتدر بادشاہ کے ساتھ ایک صلح نامہ پر دستخط کئے اور وہ بھی جزیہ اور ٹیکس دے کر آپ کے سامنے تسلیم ہوگیا۔[6]

غزوہ تبوک رجب ۹ھ میں پیش آیا۔[7] جس کے کچھ مناظر سورۂ توبہ میں منعکس ہوئے ہیں خاص طور سے اس میں وہ دشواریاں مشکلات اور فوج کے کوچ کرنے سے پہلے یا اس کے بعد بعض مسلمانوں کی سستی 'کاہلی' اور منافقین کی خیانت اور گڑبڑیاں شامل ہیں۔ مسجد ضرار کا مشہور واقعہ بھی غزوۂ تبوک کے ساتھ ہی پیش آیا جس کا ذکر سورۂ توبہ کی ۱۰۷ویں آیت میں ہوا ہے۔

غزوۂ تبوک کے آثار اور نتائج

اگرچہ اس رنج و مشکلات بھرے سفر میں کوئی جنگ نہ ہوئی لیکن اس کے بہت ہی مفید نتائج سامنے آئے جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں :

---

1 ابن سعد' طبقات الکبری' ج ۲' ص ۱۶۷؛ قسطلانی' المواہب اللدنیہ' ج ۱' ص ۳۴۶؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ج ۳' ص ۱۰۶

2 صحیح بخاری' ج ۶' ص ۳۰۸؛ مسعودی' التنبیہ والاشراف' ص ۲۳۵؛ قسطلانی' گزشتہ حوالہ' ص ۳۴۶۔ یہ نام اور عنوان' سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۷ ''لقد تاب اللّٰہ علی النبی والمہاجرین والانصار الذین اتبعوہ فی ساعۃالعسرۃ...'' سے لیا گیا ہے۔

3 واقدی' المغازی' ج ۳' ص ۱۰۹۰-۱۱۹۱۔

4 حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ۹۹۔

5 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ج ۲' ص ۱۶۶' ۱۶۸؛ واقدی' گزشتہ حوالہ' ص ۱۰۱۵۔

6 طبرسی' اعلام الوری' ص ۱۲۳؛ قسطلانی' گزشتہ حوالہ' ص ۳۵۰؛ طبری' تاریخ الامم والملوک' ج ۳' ص ۱۴۶۔

7 ابن سعد' طبقات الکبری' ج ۲' ص ۱۶۵؛ ابنہشام' سیرۃالنبویہ' ج ۴' ص ۱۵۹؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ۹۹؛ قسطلانی' گزشتہ حوالہ' ص ۳۴۶۔

۱۔ پیغمبر اکرمؐ نے اس سفر میں حجاز اور شام کے سرحدی علاقوں کے قبائل اور سرداران قوم سے صلح کا معاہدہ کر کے ان علاقوں کی امنیت کو یقینی کر دیا اور آپ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ اب یہ لوگ قیصر روم سے ساز باز نہیں کریں گے۔

۲۔ آپ کی اس فوجی نقل و حرکت سے اسلامی فوج کے سپہ سالار اس علاقے کی مشکلات راہ و روش اور پانی کے ذخائر سے اچھی طرح واقف ہوگئے اور انھوں نے اس زمانے کی بڑی طاقتوں کے مقابلہ میں لشکر کشی کا طریقہ بھی سیکھ لیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اسلاؐم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے سب سے پہلے سرزمین شام کو ہی فتح کیا۔

۳۔ اس عمومی رضاکارانہ مشن میں مومن اور منافق کی باقاعدہ پہچان ہو گئی اور مسلمانوں کی صفوں میں ایک طرح کا تصفیہ ہو گیا اور کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہو گئی۔[1]

۴۔ اسلامی فوج کے اندر اعتماد نفس پیدا ہوا اور ان کا اعتبار بڑھ گیا اور دوسرے عرب قبائل بھی اسلام کی طرف مائل ہوگئے اور ان کے نمائندے بھی پیغمبر اسلام کی اطاعت اور پیروی کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہ بھی اس فوجی نقل و حرکت کا ایک بہترین اور اہم نتیجہ ہے جس کی وضاحت ہم مندرجہ ذیل سطروں میں پیش کر رہے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کا نفوذ اور اس کا پھیلاؤ

جس طرح کہ فتح مکہ جزیرہ نمائے عرب میں اسلام کے نفوذ اور اس کی وسعت کا اہم ترین موڑ تھا اسی طرح جنگ تبوک بھی اس راستے میں دوسرا اہم قدم تھا۔ کیونکہ یہ نقل و حرکت جو در حقیقت ایک بڑی فوجی مشق کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس سے مسلمانوں کی فوجی قوت اور طاقت کے اعتماد میں اضافہ ہوا اور سب نے یہ سمجھ لیا کہ اسلام کی فوجی طاقت اس منزل تک پہونچ چکی ہے کہ جو دور دراز علاقوں میں پہونچ کر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لے سکتی ہے۔ اس فوجی نقل و حرکت کا سیاسی، فوجی اور نظامی اثر اتنا زیادہ تھا کہ پیغمبر اسلاؐم کے واپس مدینہ پہونچ جانے کے بعد بہت سے قبیلوں کے وہ سردار جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے انھوں نے بھی سمجھ لیا کہ اب شرک اور بت پرستی کے خاتمہ کا دور آپہونچا ہے۔ چنانچہ وہ بھی مدینہ آئے اور پیغمبر اسلاؐم کی اطاعت کا اعلان کر دیا۔ اس سال جن قبیلوں کے نمائندے اور ان کے وفود پیغمبر اسلاؐم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ۹ھ کو "سنۃ الوفود" یعنی قبیلوں کے وفد اور ان کے سفیروں کے آنے کا سال قرار دیا گیا ہے۔[2]

مشرکین سے برائت کا اعلان

فتح مکہ کے بعد توحید کے پھلنے پھولنے اور شرک اور بت پرستی کے جڑ سے خاتمے اور دوسرے خرافات اور باطل افکار و خیالات جن کی بنیاد بھی بت پرستی ہی تھی سب کے خاتمے کا بہترین ماحول پیدا ہو چکا تھا اور اکثر شہروں اور دیہاتوں میں لوگ بت پرستی سے دور ہو کر اسلام کے پرچم

---

1 جعفر سبحانی، فروغ ابدیت، (قم: انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، ط۵، ۱۳۶۸)، ج۲، ص۴۰۴۔ ۴۰۳۔

2 ابن ہشام، سیرۃ النبویہ، ج۴، ص۲۰۵۔ سیرت لکھنے والوں نے ان فہرستوں کو ثبت کیا ہے اور ان کی تعداد کو ۶۰ سے زیادہ لکھا ہے۔ رجوع کریں: طبقات الکبریٰ، ج۱، ص۲۹۱؛ تاریخ پیامبر اسلام، محمد ابراہیم آیتی، ص۶۴۲۔ ۶۰۹۔

تلے آگئے تھے لیکن کچھ متعصب ' نادان اور ہٹ دھرم اب بھی اپنے جاہلانہ رسم و رواج سے دست بردار نہیں تھے اور پیغمبرؐ کے اس نئے دین کو قبول کرنا ان کے لئے بہت ہی دشوار تھا۔

دوسری طرف اگرچہ رسول خداؐ نے اس زمانہ تک چند بار عمرہ کیا تھا۔ لیکن آپ کو ابھی تک حج کرنے کا کوئی موقع نہیں مل سکا تھا اور مشرکین مکہ ' حج کو اپنے اسی پرانے طور طریقے اور خرافات کے ساتھ بجالاتے تھے اور تیسرے یہ کہ فتح مکہ کے بعد رسول خدا اور مشرکین کے درمیان دو طرح کے معاہدے ہوئے تھے :

ا۔ ایک عام معاہدہ یہ تھا کہ حج میں ہر ایک کی شرکت آزاد ہے اور کسی کو حج سے نہیں روکا جائے گا اور محترم مہینوں میں ہر ایک کے لئے امنیت قائم رہے گی اور کسی سے کوئی برا سلوک نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ دوسرا معاہدہ بعض عرب قبیلوں سے ایک معین مدت تک کیا گیا تھا۔[1]

غزوہ تبوک کے بعد سورۂ برائت نازل ہوا اور پیغمبرؐ کو خدا کی طرف سے یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ آپ مشرکین مکہ سے بیزاری کا اعلان کرنے کے ساتھ ساتھ ان معاہدوں کی ایک آخری مدت معین کر دیں اور اس کے علاوہ ان آیتوں میں جو دوسرے دستور العمل آئے ہیں ان کو بھی نافذ اور لاگو کریں۔

سورہ برائت کی ابتدائی آیات کا ترجمہ یہ ہے :

مسلمانوں جن مشرکین سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا اب ان سے خدا اور رسول کی طرف سے مکمل بیزاری کا اعلان ہے ۔ لہٰذا کافرو! چار مہینے تک آزادی سے زمین میں سیر کرو اور یہ یاد رکھو کہ خدا سے بچ کر نہیں جاسکتے ہو اور خدا کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔ اور اللہ و رسولؐ کی طرف سے حج اکبر کے دن انسانوں کے لئے اعلان عام ہے کہ اللہ اور اس کے رسول دونوں مشرکین سے بیزار ہیں لہٰذا اگر تم توبہ کرلو گے تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر انحراف کیا تو یاد رکھنا کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے ہو اور پیغمبر آپ کافروں کو دردناک عذاب کی بشارت دے دیجئے ' علاوہ ان افراد کے جن سے تم مسلمانوں نے معاہدہ کر رکھا ہے اور انھوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور تمہارے خلاف ایک دوسرے کی مدد نہیں کی ہے تو چار مہینے کے بجائے جو مدت طے کی ہے اس وقت تک عہد کو پورا کرو کہ خدا تقویٰ اختیار کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ پھر جب یہ محترم مہینے گزر جائیں تو کفار کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور گرفت میں لے لو اور قید کر دو اور ہر راستہ اور گزرگاہ پر ان کے لئے بیٹھ جاؤ اور راستہ تنگ کر دو۔ پھر اگر توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو کہ خدا بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔[2]

---

1 ابن ہشام ' السیرۃ النبویہ ' ج ۴ ' ص ۱۹۰۔

2 سورۂ برائت ' آیت ۵۔۱.

پیغمبر اکرمؐ کا مخصوص نمائندہ اور سفیر

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد پیغمبر اسلام نے اس سورۂ برائت کی ابتدائی آیتوں کی تعلیم حضرت ابو بکر کو دی اور ان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ ان آیتوں کو عید قربان کے دن حاجیوں کے درمیان پڑھ کر سنائیں حضرت ابو بکر مکہ کے لئے روانہ ہوگئے۔ اسی دوران وحی الٰہی نازل ہوئی اور پیغمبر کو حکم دیا گیا کہ یہ پیغام یا آپ خود پہنچائیں یا وہ شخص پہنچائے جو آپ سے ہو۔[1]

یہ حکم الٰہی نازل ہونے کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ مکہ کی طرف روانہ ہو جائیں اور راستے میں ابو بکر سے آیتوں کو لے لیں اور پھر حاجیوں کے مجمع میں ان کو مشرکین سامنے پڑھ کر سنادیں۔ حضرت علیؑ رسول اکرمؐ کے مخصوص اونٹ پر سوار ہو کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور پیغمبر اکرمؐ کا پیغام ابو بکر تک پہنچایا، انھوں نے آیتیں حضرت علیؑ کے حوالے کر دیں اور مایوس و دل ملول اور ناراض و غمگیں ہو کر مدینہ واپس پلٹ آئے اور پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں پہنچ کر یہ عرض کیا کہ ''آپ نے مجھے اس کام کے لئے لائق اور شائستہ سمجھا لیکن کچھ وقت نہیں گزرا تھا کہ آپ نے مجھے اس عہدے سے معزول کر دیا۔

کیا اس بارے میں خدا کا کوئی پیغام آیا ہے؟ ''

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: ''ہاں! خدا کا نمائندہ آیا ہے جس نے یہ کہا ہے کہ میرے علاوہ یا جو شخص مجھ سے ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص میں اس کام کی صلاحیت نہیں ہے''۔

اعلان برائت کا متن اور پیغمبر اکرمؐ کا الٹی میٹم

حضرت علیؑ مکہ میں داخل ہوئے اور دس ذی الحجہ کو سورۂ برائت کی ابتدائی آیات کو حاجیوں کے عام مجمع کے درمیان پڑھ کر سنایا،[2] اور پیغمبرؐ کا درج ذیل شرح کے ساتھ الٹی میٹم تمام حاجیوں کے گوش گزار کر دیا۔

۱۔ خدا اور پیغمبر اسلامؐ مشرکین سے بیزار اور دور ہیں۔

۲۔ آئندہ سال کسی مشرک کو حج کرنے کا حق نہیں ہے۔

۳۔ کسی شخص کو برہنہ ہو کر طواف کعبے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔[3]

---

1 ''لا یؤدی بہا عنک الا انت او رجل منک''۔

2 یہ واقعہ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں میں نقل ہوا ہے۔ تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص ۱۵۴؛ سیرۂ ابن ہشام، ج ۴، ص ۱۹۰؛ الکامل فی التاریخ، ج ۲، ص ۲۹۱؛ تفسیر مجمع البیان، ج ۵، ص ۳؛ تذکرۃ الخواص، ص ۵۷؛ البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۳۷ اور ۳۸ اور ج ۷، ص ۳۵۸؛ تفسیر روح المعانی، ج ۱، تفسیر سورۂ توبہ؛ تفسیر المنار، ج ۱۰، ص ۱۵۷۔

3 برہنہ ہو کر طواف کرنا مشرکوں کی دینی پستی کا ایک نمونہ تھا اور یہ قریش کی انحصار طلبی کی بنا پر تھا۔ اس سلسلے میں اس کتاب کے پہلے حصہ کی تیسری فصل میں ''پریشان کن'' دینی حالات کے بحث میں توضیح دی گئی ہے۔

۴۔ مشرکین کو آج سے لے کر چار مہینے تک یہ مہلت ہے کہ وہ اپنی پناہ گاہ اور اپنی سر زمین کی طرف لوٹ جائیں اور چار مہینے کے بعد کسی مشرک کیلئے کوئی عہد و پیان نہیں رہے گا مگر وہ لوگ جو رسول اللہ سے عہد و پیان رکھتے ہیں' ان لوگوں کا معاہدہ اس کی معینہ مدت تک اپنی پرانی شکل و صورت پر باقی رہے گا۔

۵۔ کوئی کافر جنت میں نہیں جاسکتا۔[1]

آپ کے اس الٹی میٹم اور اعلان برائت کے بعد جب تمام مشرکین اپنے وطن واپس گئے تو انھوں نے ایک دوسرے کی ملامت کرنا شروع کر دی اور یہ کہا کہ جب قریش ہی مسلمان ہوگئے تو اب ہم کیا کریں چنانچہ وہ لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔[2] اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہیں آیا کسی شخص نے برہنہ ہو کر خانہء کعبہ کا طواف نہیں کیا۔[3]

نجران کے عیسائی نمائندوں کی انجمن سے پیغمبرؐ کا مباہلہ[4]

پیغمبر اسلامؐ جس طرح دنیا کے مختلف بادشاہوں اور اہل حکومت کو اسلام کی طرف دعوت دینے کے لئے خطوط لکھتے تھے اسی طرح آپ نے ایک خط اسقف نجران کے پاس بھی لکھا ۔اس خط میں آپ نے جناب ابراہیم و اسماعیل' اسحاق و یعقوب کے خدا کی حمد و ثنا کیساتھ اس سے (اور دوسرے عیسائیوں سے) یہ تقاضا اور خواہش کی کہ بندوں کی عبادت سے پرہیز کرتے ہوئے خداوند عالم کی اطاعت کریں ۔ اور بندوں کی ولایت و بندگی سے نکل کر خدا کی بندگی کریں اور اس کی ولایت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں یا ٹیکس ادا کرو۔ ورنہ جنگ کیلئے تیار رہیں[5] بعض روایات کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے سورۂ آل عمران کی ۶۴ ویں آیت[6] کو بھی اپنے خط میں ذکر کیا تھا۔[7]

---

1 پیغمبر اسلامؐ کا یہ الٹی میٹم اختصار یا تفصیل کے ساتھ مندرجہ ذیل کتابوں میں نقل ہوا ہے : سیرۂ ابن ہشام' ج ۴' ص ۱۹۱؛ تفسیر المیزان' ج ۹' ص ۱۶۳ اور ۱۶۵؛ تفسیر المنار' ج ۱۰' ص ۱۵۷؛ البدایہ والنہایہ' ج ۷' ص ۵۸؛ الغدیر' ج ۶' ص ۳۴۷ اور ۳۴۸۔

2 طبری' تاریخ الامم والملوک' ج ۳' ص ۱۵۴؛ ابن اثیر' الکامل فی التاریخ' ج ۲' ص ۲۹۱.

3 ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج ۴' ص ۱۹۱؛ ابن اثیر' البدایہ والنہایہ' ج ۵' ص ۳۷۔

4 نجران یمن کا ایک علاقہ تھا جو مکہ کی سمت تھا۔ (یاقوت حموی' معجم البلدان (بیروت : داراحیاء التراث العربی' ج ۵' ص ۲۶۶) ' عماد الدین ابوالفداء (۶۷۲-۷۳۲) لکھتے ہیں کہ "نجران ایک چھوٹا سا شہر ہے جو نخلستان سے بھرا پڑا ہے' معتدل راستہ کے ذریعے مکہ سے نجران تک کا فاصلہ تقریباً بیس دن میں طے ہوتا ہے۔ (تقویم البلدان' عبد المحمد آیتی' انتشارات فرہنگ بنیاد ایران' ۱۳۴۱' ص ۱۲۷۔) یہ شہر چند صدیوں کے بعد وسیع و عریض ہوگیا تھا؛ کیونکہ زینی دحلان (۱۲۳۱-۱۳۰۴ھ۔ق) ' لکھتے ہیں : کہ نجران ایک بڑا شہر ہے جو مکہ سے سات منزلوں پر ہے۔ یمن کی سمت جس میں ۷۳ قریہ ہیں' سعودی عرب کے موجودہ نقشہ کے مطابق نجران اسی ملک کا ایک شہر ہے۔ جو یمن کی سرحد کے پاس ہے۔

5 ابن واضح' تاریخ یعقوبی (نجف : مکتبۃ الحیدریہ' ۱۳۸۴ھ.ق) ' ج ۲' ص ۷۰-۷۱؛ رجوع کریں : البدایہ والنہایہ (بیروت : مکتبۃ المعارف' ۱۹۷۷ء) ' ج ۵' ص ۵۳؛ بحار الانوار' ج ۲۱' ص ۲۸۵؛ وثائق' محمد حمید اللہ' ترجمہ : ڈاکٹر محمود مہدوی دامغانی' ص ۳۴؛ علی احمدی' مکاتیب الرسول' (ط ۳' ۱۳۶۳ش) ' ج ۱' ص ۱۷۵۔

6 "قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمتہ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئاً و لایتخذ بعضنا بعضاً ار باباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشہدوا بانا مسلمون۔"

7 سید بن طاووس' الاقبال بالاعمال الحسنہ فیما یعمل مرۃ فی السنہ' تحقیق : جواد الفیومی الاصفہانی (قم : مرکز انتشارات دفتر تبلیغات حوزۂ علمیہ قم' ط ۲' ص ۱۳۷۷) ' ج ۲' ص ۳۱۱۔

پیغمبر اسلاؐم کا خط ملنے کے بعد نجران کے پادری نے بزرگان نجران اور وہاں کی مذہبی اور سیاسی شخصیتوں کو ایک جگہ جمع کیا تاکہ ان سے اس موضوع کے بارے میں گفتگو کرسکے' کیونکہ عیسائی علماء کے پاس بعثت پیغمبر کی قریب الوقوع علامتیں موجود تھیں' لہٰذا ان کی میٹنگ میں یہ طے پایا کہ ایک وفد مدینہ جائے جو قریب سے پیغمبر سے گفتگو کرے اور آپ کی نبوت کے دلائل کے بارے میں تحقیق کرے۔

نصارائے نجران کا یہ وفد جب مدینے پہونچا۔ تو اس میں اس وقت کی ان کی تینبڑی شخصیتیں بھی موجود تھیں جس میں خود اسقف (پاپ) بھی موجود تھا' پیغمبر اسلاؐم نے ان سے گفتگو کر کے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی نیز ان کے سامنے قرآن مجید کی بعض آیتوں کی تلاوت بھی فرمائی۔ عیسائیوں نے کہا: ہم آپ سے پہلے ہی مسلمان تھے۔

حضرت نے فرمایا: تم لوگ جھوٹ کہتے ہو اسلام لانے سے تمہارے لئے تین چیزیں مانع ہیں (یعنی تم لوگوں کو تین چیزوں کی بنا پر مسلمان نہیں کہا جاسکتا) تم لوگ صلیب کی عبادت کرتے ہو' سور کا گوشت کھاتے ہو اور خدا کو صاحب اولاد سمجھتے ہو (یعنی جناب عیسیؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو)۔

اس کے بعد جناب عیسیؑ کی بندگی اور الوہیت کے بارے میں بحث شروع ہوگئی انھوں نے جناب عیسیؑ کے معجزات کو دلیل بنا کر' جیسے آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے' غیب کی خبر دیتے تھے' مریضوں کو شفا عطا کرتے تھے۔ کیونکہ آپ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے لہٰذا آپ کو وہ لوگ خدا کہہ رہے تھے۔ جب کہ پیغمبر اسلاؐم آپ کی بشریت اور آپ کے بشر ہونے کے بارے میں تاکید فرما رہے تھے' یہ بحث اور گفتگو کافی طولانی ہوگئی اور انھوں نے بالآخر جناب عیسیٰ کی بشریت کو قبول نہیں کیا' اسی دوران خداوند عالم کی طرف سے پیغمبر پر یہ وحی نازل ہوئی۔

جن لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ خدا وہی عیسیٰ بن مریمؑ ہے وہ کافر ہوگئے ہیں [1] در حقیقت جناب عیسیٰ کی مثال خدا کے نزدیک خلقت آدم کی طرح ہے کہ جن کو خاک سے پیدا کیا اور ان سے کہا ہو جاؤ تو وہ وجود میں آگئے۔ [2] (اگر جناب عیسیٰؑ کا بن باپ کے متولد ہونا ان کے فرزند خدا ہونے کی دلیل ہے تو جناب آدم تو اس منصب کے لئے زیادہ اولیٰ اور برتر تھے کیونکہ نہ ان کا کوئی باپ تھا اور نہ ماں۔ (جو کچھ جناب عیسیٰ کے بارے میں کہا گیا وہ) حق (ہے جو) آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے پس آپ انکار کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں)' [3] پیغمبر علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزندوں' اپنی اپنی عورتوں اور اپنے اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔ [4]

ان آیات کے نزول کے بعد پیغمبر اسلاؐم نے فرمایا: ''خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم اسلام قبول نہیں کرتے ہو تو میں تمہارے ساتھ ''مباہلہ'' [5] کروں۔''

---

1 سورۂ مائدہ' آیت ۷۱۔

2 طبری کے نقل کے مطابق سورۂ آل عمران کی تقریباً ستر (۷۰) آیتیں اسی مناسبت سے نازل ہوئیں ہیں۔ (اعلام الوری' ص۱۲۹)

3 سورۂ آل عمران' آیت ۶۰.

4 سورۂ آل عمران' آیت ۶۱۔

5 حلبی' السیرۃ الحلبیہ (بیروت: دار المعرفہ)' ج۳' ص۲۳۶۔ ۲۳۵؛ زینی دحلان' السیرۃ النبویہ' ج۲' ص۱۴۴؛ مجلسی' بحار الانوار' ج۲۱' ص۳۴۷ (تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ) علامہ مجلسی نے عیسائیوں کے وفود کے ساتھ پیغمبر اسلاؐم کے مناظرہ اور ملاقات کو بحار الانوار کی ۲۱ویں جلد میں صفحہ ۳۱۹ سے ۳۵۵ تک مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے۔

انھوں نے کہاکہ ہم اس بارے میں غور کریں گے۔اس کے بعد وہ اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف واپس چلے گئے پھر آپس میں بیٹھ کر مشورہ کیا ان کے پادری اور وفد کے سردار نے ان کو اس خطرے کی طرف متوجہ کردیا کہ دیکھو محمدؐ خدا کے رسول ہیں اور اگر تم ان سے مباہلہ کروگے تو عذاب نازل ہو جائے گا لیکن اس کے ساتھیوں نے اس کی ایک نہ سنی' مباہلہ پر اصرار کرتے رہے۔آئندہ روز' مباہلے کا وقت طے پایا۔اس وقت ان کے پادری نے کہا دیکھو کل یہ دیکھنا کہ محمدؐ مباہلہ کے لئے کس طرح آتے ہیں اگر اپنے بچوں اور اہل خانہ کے ساتھ آئیں تو ان سے مباہلہ نہ کرنا کیونکہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ انھیں اپنی بات پر یقین واعتماد ہے اور وہ اس راستے میں صرف اپنی ہی جان نہیں بلکہ اپنے قریب ترین بچوں اور خاندان والوں کی جان کو بھی خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں اور اگر بالفرض وہ اپنے ساتھیوں اور اصحاب کے ساتھ آتے ہیں تو ان سے مباہلہ کرلو اور یاد رکھو کہ ان کی بات اور دعویٰ بے بنیاد اور بے دلیل ہے۔یعنی وہ اپنے ساتھ ان لوگوں کو لاکر اپنے ظاہری عظمت وجلال کو ہمارے اوپر ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔[1]

آئندہ روز پیغمبر اکرمؐ مقررہ وقت پر اپنے ساتھ حضرت علیؑ' جناب فاطمہؑ 'امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو لیکر مباہلہ کے لئے روانہ ہوئے۔[2]

پادری نے آپ کے ساتھ ان حضرات کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں ؟ جواب دیا گیا کہ پیغمبر کے ابن عم ہیں وہ آپ کی بیٹی ہیں اور یہ دونوں آپ کی بیٹی کے بیٹے ہیں۔[3]

پادری نے کہا : میں اس وقت ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دے تو پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دے گا ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور روئے زمین پر ایک عیسائی بھی باقی نہ رہ جائے گا۔

پادری کی اس خطرے کی گھنٹی سے عیسائی مباہلہ کرنے سے باز رہے[4] اور پیغمبرؐ کے ساتھ ایک معاہدہ کر کے ٹیکس دینے کے لئے تیار ہوگئے جس کی تفصیل تاریخی کتابوں میں موجود ہے۔[5]

---

1 طبرسی'اعلام الوری' (تہران : دار الکتب'الاسلامیہ'ط ۳) 'ص۱۲۹؛ مجمع البیان'ج ۲'ص ۴۵۲؛ مجلسی' بحار الانوار'ج ۲۱'ص ۳۳۷۔

2 حلبی' سیرۃالحلبیہ' ج ۳'ص ۲۳۶؛ زینی دحلان'السیرۃالنبیویہ والآثار المحمدیہ' ج ۲'ص ۱۴۴۔

3 ابن واضح' تاریخ یعقوبی' ج ۲'ص ۷۲؛ طبرسی'اعلام الوری'ص۱۲۹۔

4 حلبی'گزشتہ حوالہ'زینی دحلان'گزشتہ حوالہ؛زمخشری' تفسیر الکشاف' (بیروت : دار المعرفہ) 'ج ۱'ص ۱۹۳؛ فخر رازی' مفاتیح الغیب' (التفسیر الکبیر) (بیروت : دار التراث الاسلامی) 'ج ۸'ص ۸۲؛ سید محمد حسین طباطبائی'المیزان فی تفسیر القرآن' ج ۳'ص ۲۳۱ (تفسیر ثعلبی کی نقل کے مطابق) ؛ قاضی بیضاوی'انوار التنزیل' ص ۷۴۔

5 رجوع کریں : تاریخ یعقوبی' ج ۲'ص ۷۲؛ طبقات الکبری' ج ۲'ص ۳۵۸؛ فتوح البلدان'ص ۷۶۔ ۷۵. وثائق'ترجمہ : محمود مہدوی دامغانی'ص ۱۳۵۔ ۱۳۴؛ السیرۃالنبویہ والآثار المحمدیہ' ج ۲'ص ۱۴۴؛ السیرۃالحلبیہ' ج ۳'ص ۲۳۶؛ تفسیر کشاف' ج ۱'ص ۱۹۱؛ التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب) 'ج ۸'ص ۱۸۲؛ المیزان فی تفسیر ان' ج ۳'ص ۲۳۲۔

تیسری فصل

حجۃالوداع اور رحلت پیغمبرؐ

حجۃالوداع

حج؛اسلام کا ایک عبادی اور سیاسی رکن ہے جس کے بانی حضرت ابراہیم ۔ تھے'اس کتاب کے پہلے حصہ کی دوسری فصل میں ہم نے ظہور اسلام سے پہلے تک قدرت وطاقت اور قریش کے نفوذ اور ان کی دینی حالتوں کی بحث میں روشنی ڈالی ہے کہ قریش اور تمام مشرکین کس طرح حج اور عمرہ کیا کرتے تھے جو ایک واقعی حج نہیں تھا بلکہ انھوں نے حج ابراہیمی کو بالکل مسخ کر کے رکھ دیا تھا اور اس میں طرح طرح کی رسم و رواج اور خرافات کی آمیزش کر دی تھی۔

یہاں پر یہ بھی بیان کرنا مناسب ہوگا کہ قریش اپنے کو ''سکان حرم اللہ'' (حرم نشین)'[1] سمجھتے تھے اور چونکہ سرزمین ''عرفہ'' حرم سے باہر ہے اس لئے قریش حج کے زمانے میں مشرکین کے برخلاف' میدان عرفات میں نہیں جاتے تھے بلکہ وہ لوگ مزدلفہ ''مشعر'' میں وقوف (ٹھہرا) کرتے تھے۔[2] اور وہاں سے منیٰ چلے جاتے تھے۔ دوسری طرف یثرب کے لوگ ''منات'' نامی بت کے پاس جو یثرب اور مکہ کے راستے میں سمندر کے کنارے پر موجود تھا۔ وہاں سے احرام باندھتے تھے۔[3] اور جو لوگ وہاں مُحرِم ہوتے تھے وہ لوگ صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کرتے تھے۔[4]

اسی طرح مشرکین حج کرتے وقت سنت ابراہیمی کے برخلاف غروب سے پہلے ہی میدان عرفات سے مزدلفہ کی طرف کوچ کر جاتے تھے[5] ان تمام باتوں کی وجہ سے حج ابراہیمی کا چہرہ بالکل تبدیل ہوگیا تھا اور یہ عظیم الٰہی اور توحیدی عبادت' شرک اور خرافات کا پلندہ بن گئی تھی وجوب حج کی آیت[6] نازل ہونے کے بعد رسول خداؐ اپنے پہلے سے اعلان شدہ پروگرام کے مطابق مدینہ اور اطراف کے مسلمانوں کے ساتھ

---

1 ازرقی' اخبار مکہ' تحقیق: رشدی (قم: منشورات الرضی' ط۱' ۱۴۱۱ھ۔ق)' ج۱' ۱۷۶؛ ابن عبد ربہ' العقد الفرید' (بیروت: دار الکتاب العربی' ۱۴۰۳ھ۔ق)' ج۳' ص ۳۱۳۔

2 واقدی' المغازی' ج۳' ص ۱۱۰۲؛ زینی دحلان' السیرۃ النبویہ' ج۲' ص ۱۴۳۔

3 ہشام کلبی' الاصنام' ترجمہ: سید محمد رضا جلالی نایینی' ۱۳۴۸ش' ص ۱۳؛ ابن ہشام' السیرۃ النبویہ' ج۱' ص۸۸؛ محمود شکری آلوسی' بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب' تصحیح محمد بھجۃ الاثری' (قاہرہ: دار الکتب الحدیث)' ج۲' ص ۲۰۲۔

4 حلبی' السیرۃ الحلبیہ' ج۳' ۳۱۷۔

5 واقدی' گزشتہ حوالہ' ج۳' ص ۱۱۰۴۔

6 سورۂ حج' آیت ۲۷۔

حج کی طرف روانہ ہوئے اور[1] اس سفر میں آپ نے جناب ابراہیمؑ کے حقیقی اورواقعی حج کی، عملی طور پر مسلمانوں کو تعلیم دی، حضرت، مناسک حج کے دوران مسلسل یہ تاکید فرماتے رہے کہ مسلمان مناسک حج کو آپ سے اچھی طرح سیکھ لیں کیونکہ شاید آئندہ سال آپ کو حج نصیب نہ ہو،[2] آپ فرماتے تھے کہ مواقف اور مشاعر حج کو دھیان میں رکھو کیونکہ یہ جناب ابراہیمؑ کی میراث ہے۔[3]

آپ نے اس سفر میں، مشرکین، خاص طور سے قریش کی بدعتوں سے حج کو پاک اور صاف کردیا باوجودیکہ آپ خود قریش سے تعلق رکھتے تھے آپ نے عرفات میں وقوف کیااور وہاں سے مزدلفہ تشریف لے گئے۔[4] کیونکہ حکم خدا یہی تھا کہ " پھر جہاں سے لوگ روانہ ہوتے ہیں وہیں سے آپ بھی روانہ ہوں "[5] اسی طرح آپ نے میدان عرفات سے سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ کی طرف کوچ کیا۔[6] یہ حج مختلف اسباب اور مناسبتوں کی وجہ سے " حجۃالوداع"،" حجۃالاسلام" اور "حجۃالبلاغ" کہا گیا۔[7]

پیغمبر اسلاؐم کا تاریخی خطبہ

پیغمبر اسلاؐم نے مناسک حج کے دوران روز عرفہ، عرفات کے میدان میں حاجیوں کے جم غفیر میں ایک بہت ہی اہم اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایااور اس کے دوران بہت سے اہم مسائل پر روشنی ڈالی اور ان کے بارے میں بار بار تاکید اور وصیت فرمائی اس میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جب آپ نے ذی الحجہ اور خاص طور سے اس روز عرفہ کی عظمت اور قداست کا تمام حاضرین سے اعتراف لے لیاتوفرمایا:

اے لوگو! جب تک تم لوگ خدا سے ملاقات نہ کرلو تم سب لوگوں کے خون، اموال ناموس اور آبرو بالکل اس مہینے اور اس دن کی حرمت اور قداست کی طرح محترم ہیں اور ان میں سے کسی پر تجاوز کرنا حرام ہے آپ نے فرمایا: جاہلیت میں بہائے جانے والے خون کا بدلہ، اسلام کے زمانہ میں ناقابل اجراء ہے۔ اور ربا حرام ہے۔

اسی طرح آپ نے حرام مہینوں میں تبدیلی یا ان کے مؤخر کرنے کا سبب کفر میں افراط کو قرار دیا اور فرمایا کہ یہ بات بھی آج کے بعد ممنوع ہے۔[8]

عورتوں کے حقوق کے بارے میں یہ تاکید اور وصیت فرمائی: "عورتوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرو کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں میں خدا کی امانتیں ہیں اور قوانین الٰہی کے ذریعہ تمہارے اوپر حلال ہوئی ہیں" اس کے بعد فرمایا: "حاضرین، غائبین تک میرا یہ پیغام پہونچادیں کہ میرے بعد

---

1 کلینیؒ، الفروع من الکافی (تہران: دارالکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۴ھ.ق)، ج۲۱، ص۳۹۰۔
2 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ج۲، ۱۸۱؛ حلبی گزشتہ حوالہ، ج۳، ص۳۲۷۔
3 واقدی گزشتہ حوالہ، ص۱۱۰۴۔
4 واقدی گزشتہ حوالہ، ص۱۱۰۲؛ زینی دحلان گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۱۴۳؛ مجلسی گزشتہ حوالہ، ج۲۱، ص۳۹۲۔
5 سورۂ بقرہ، آیت ۱۹۹۔
6 واقدی گزشتہ حوالہ، ص۱۱۰۴؛ مجلسی گزشتہ حوالہ، ص۳۷۹۔
7 زینی دحلان گزشتہ حوالہ، ج۲، ص۱۴۳۔
8 حرام مہینوں کی تبدیلی اور ان کے ناموں میں الٹ پھیر اس کتاب کے پہلے حصہ میں "اسلام سے پہلے عرب کی معاشرتی صورت حال، کی بحث میں "حرام مہینوں" کے عنوان کے تحت کی ہے۔

کوئی پیغمبر نہیں ہے اور تم مسلمانوں کے بعد کوئی امت نہ ہوگی"۔ اس کے بعد آپ نے جاہلیت کی رسم و رواج اور عقائد کو بالکل باطل اور کالعدم قرار دیدیا۔[1]

عظیم فضیلت

جیسا کہ بزرگ محدثین اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ آیۂ مباہلہ کے نزول کے بعد پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ چار لوگ مباہلہ کے لئے آئے تھے، یہ ان کے لئے بہت بڑی اور عظیم فضیلت ہے کیونکہ آیت اور واقعۂ مباہلہ نے یہ واضح کر دیا کہ حسن و حسین ۲۲۸ رسول خدا کے فرزند اور حضرت علیؑ آپ کا نفس ہیں اور آپ کی بیٹی جناب فاطمہؑ وہ تنہا خاتون ہیں جو مباہلہ میں تشریف لائیں آیت میں نساء کا مصداق آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

جناب عائشہ سے نقل ہوا ہے کہ روز مباہلہ، پیغمبر اسلامؐ نے ان چاروں افراد کو اپنی سیاہ (اور لکیر دار) عبا کے نیچے لیکر اس آیت کی تلاوت فرمائی:

(انما یرید اللّٰہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیراً)[2]

اس بارے میں تمام علماء شیعہ اور اہل سنت کا اتفاق ہے کہ مباہلہ کے دن یہی چاروں حضرات پیغمبر اسلامؐ کے ساتھ آئے تھے اور کتب تاریخ و تفسیر و حدیث میں اس بارے میں بے شمار روایتیں نقل ہوئی ہیں[3] اور تمام محققین نے ان حضرات کی اس عظیم فضیلت پر تاکید کی ہے۔

---

1 ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۴، ص ۲۵۲۔ ۲۵۰؛ حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۳۱۲؛ ابن سعد، طبقات الکبری، ج ۲، ص ۱۸۶؛ واقدی، المغازی، ج ۳، ص ۱۱۱۱؛ مجلسی، بحار الانوار، ج ۲۱، ص ۳۸۰۔ اس بات کا خیال رہے کہ ابن سعد اور واقدی کے کہنے کے مطابق پیغمبر اسلامؐ نے یہ خطبہ میدان منی میں ارشاد فرمایا ہے۔

2 (سورۂ احزاب، آیت ۳۲)؛ زمخشری گزشتہ حوالہ، ؛ فخر رازی نے عائشہ کا نام لئے بغیر، اس روایت کو نقل کیا ہے اور یہ جملہ بڑھایا ہے "جان لو کہ یہ روایت اہل تفسیر و حدیث کے درمیان صحیح حدیث کی طرح ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے" (تفسیر کبیر، ج ۸، ص ۸۲)؛ شبلنجی کہتا ہے: "یہ روایت متعدد صحیح سندوں کے ساتھ نقل ہوئی ہے۔

3 منجملہ مندرجہ ذیل منابع: تفسیر الکشاف، ج ۱، ص ۱۹۳؛ مفاتیح الغیب، (تفسیر الکبیر) ج ۸، ص ۸۲؛ الدر المنثور، (دار الفکر) ج ۲، ص ۲۳۱ تا ۲۳۳؛ (کتاب الدلائل میں حاکم، ابن مردویہ، ابونعیم کے نقل کے مطابق؛ ترمذی، ابن المنذر، بیہقی، در کتاب السنن، وابن جریر) تاریخ یعقوبی، ج ۲، ص ۱۷؛ ابوسعید واعظ خرگوشی، شرف النبی، ترجمہ: نجم الدین محمود راوندی (تہران: انتشارات بابک، ۱۳۶۱) ص ۲۶۲؛ قاضی بیضاوی، انوار التنزیل، (ط قدیم رحلی) ص ۷۴؛ نور الابصار، ص ۱۱۱؛ مناقب علی بن ابی طالب، ابن مردویہ، تدوین وترتیب و مقدمہ: عبدالرزاق حرز الدین، ص ۲۲۶۔ لیکن اس ضمن میں وسیع ترین اور تفصیلی بحث مرحوم سید بن طاووس کی کتاب "الاقبال بالاعمال الحسبۃ فیما یعمل مرۃ فی السنہ"، ج ۲، ص ۳۴۸۔ ۳۱۰؛ میں پائی جاتی ہے۔ میدان مباہلہ میں اہلبیتؑ کی موجودگی کے بارے میں ان تمام روایات کی حکایت کے باوجود بعض مورخین کی طرف سے تعصب کے تحت مباہلہ کی روایت میں خرد برد ہوئی ہے اور اپنے اپنے سلیقہ کے مطابق اس میں کمی اور زیادتی کی گئی ہے ان میں سے، بلاذری، ابن کثیر اور شعبی نے حضرت علیؑ کے نام کو حدیث مباہلہ سے حذف کردیا ہے (رجوع کریں: فتح البلدان، ص ۷۵، البدایہ والنہایہ، ج ۵، ص ۵۴؛ الدر المنثور، ج ۲، ص ۲۳۲) اور حلبی وزینی دحلان نے عائشہ اور حفصہ کو میدان مباہلہ میں موجودگی کیلئے نامزد قرار دیتے ہوئے عمر سے نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: اگر عیسائیوں سے میں مباہلہ کرتا تو علی، فاطمہ، حسن، حسین، ۲۲۲ عائشہ اور حفصہ کو لیتا اور حاضر ہوتا۔ (السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۲۳۶. السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ، ج ۲، ص ۱۴۵۔ ۱۴۴؛ اور سیوطی نے ابن عساکر سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے مباہلہ کے لئے، ابو بکر اور ان کے لڑکوں کو، عمر اور ان کے لڑکوں کو، عثمان اور ان کے لڑکوں کو اور علیؑ اور ان کے لڑکوں کو دعوت دی!! (الدر المنثور، ص ۳۳۳.) ان روایات کا جعلی اور تحریف شدہ ہونا اس قدر واضح ہے کہ توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف بطور اشارہ یاددہانی کراتے ہیں کہ اگر کلمہ "نسائنا" پیغمبرؐ کی ازواج کو بھی شامل ہوتا تو کیوں اور کس طرح صرف ان میں سے دو بیویاں (دو خلیفہ کی لڑکیاں) مباہلہ میں حاضر ہونے کی لیاقت رکھتی تھیں؟!

اہل سنت والجماعت کے عظیم محدث ،"مسلم"، سعد وقاص سے نقل کرتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ جس روز یہ آیت "فقل تعالوا ندع ابنا ئنا وابنائکم" نازل ہوئی، رسول خداؐ نے علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور فرمایا: "خدایا! یہ میرے اہل بیت ہیں"[1]

زمخشری نے واقعۂ مباہلہ اور روایت عائشہ کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ واقعہ اصحاب کساء کی سب سے طاقتور دلیل ہے اور پیغمبر اسلاؐم کی حقانیت کا سب سے واضح اور روشن برہان ہے۔[2]

قاضی بیضاوی نے بھی واقعۂ مباہلہ کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ یہ واقعہ پیغمبر کی نبوت کی حقانیت اور آپ کے ساتھ آنے والے آپ کے اہل بیت کی فضیلت کی بہترین دلیل ہے۔[3]

سید بن طاوٗس نے کتاب سعد السعود میں تحریر کیا ہے کہ "محمد بن عباس بن مروان نے اپنی کتاب "ما نزل من القرآن فی النبی واہل بیتہ" میں حدیث مباہلہ کو صحابہ اور غیر صحابہ کی ۵۱ سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے"[4]

اس بحث کے اختتام پر صرف یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ واقعۂ مباہلہ کی تاریخ، سن اور مہینہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے[5] کیونکہ اس مقام پر اس کی تحقیق کی گنجائش نہیں ہے لہٰذا ہم نے مورخین کے طریقۂ کار اور سنت کے مطابق اس کو ۱۰ھ کے واقعات میں ذکر کر دیا ہے۔

مصر عراق اور مدینے کا راستہ وہیں سے جدا ہوتا تھا۔

واقعۂ غدیر اور مستقبل کے رہنما کا تعارف

حجۃالوداع سے واپسی کے موقع پر ۱۸ ذی الحجہ کے دن جحفہ سے تین میل کے فاصلہ پر سرزمین "غدیر خم"[6] میں آیۂ (یا ایہاالرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ ...)[7]

کے نزول کے بعد پیغمبر اسلاؐم نے بے آب و گیاہ میدان میں شدید گرمی کے باوجود ایک لاکھ حاجیوں کے کاروان کو رکنے کا حکم دیا اور نماز ظہر ادا کرنے کے بعد ایک بلند مقام پر تشریف لے گئے اور ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں پہلے تو آپ نے اپنی عمر کے تمام ہونے کی اطلاع دی اور اس کے بعد اپنی تبلیغ اور رسالت سے متعلق مسلمانوں کے خیالات معلوم کئے تو سب نے ایک زبان ہو کر آپ کی تبلیغ، ہدایت اور ارشاد و راہنمائی کی تعریف کی۔ اس کے بعد آپ نے کتاب و عترت یعنی ثقلین کے بارے میں نصیحت فرمائی اور یہ تاکید کی کہ مسلمان

---

1 صحیح مسلم، بشرح النووی، ج۱۵، ص۱۷۶۔

2 تفسیر الکشاف، ج۱، ص۱۹۳۔

3 انوار التنزیل، طبع قدیم، رحلی، ص۷۴۔

4 مجلسی، بحار الانوار، ج۲۱، ص۳۵۰۔

5 اس کے متعلق مزید معلومات کے لئے رجوع کریں: مکاتیب الرسول، ج۱، ص۱۷۹ وفروغ ابدیت، ط۵، ج۲، ص۴۴۵۔۴۴۱۔

6 یہ وہ جگہ تھی جہاں سے مختلف ممالک کے حاجیوں کے راستے الگ ہو جایا کرتے تھے۔

7 اے پیغمبر! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا، اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا ہے۔ (سورۂ مائدہ، آیت ۶۷)

دونوں سے متمسک رہیں تا کہ گمراہ نہ ہوں اور آپ نے مزید فرمایا کہ خداوند عالم نے ان کو یہ اطلاع دی ہے کہ یہ دونوں قیامت تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے لہٰذا لوگ ان سے آگے نہ بڑھیں اور نہ ہی ان سے پیچھے رہ جائیں۔

اس موقع پر آپنے حضرت علیؑ کا ہاتھ بلند کیا اور ان کو مسلمانوں کے آئندہ رہبر اور خلیفہ کے عنوان سے پہچنواتے ہوئے یہ فرمایا: خداوند عالم میرا مولا ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں (اور ان کے اوپر ان سے زیادہ اولویت رکھتا ہوں) اور جس کا میں مولا ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں۔ پروردگارا! تو اس سے محبت فرما جو علیؑ سے محبت کرے اس کو دشمن رکھنا جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔ خدایا! علی کے مددگاروں کی مدد فرما ان کے دشمنوں کو خوار اور ذلیل فرما' پروردگارا! علی کو حق کا محور قرار دے۔

اسی وقت یہ آیۂ قرآن نازل ہوئی: (الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً ...)[1] جس میں دین کی تکمیل اور ہدایت کی نعمت کے اتمام کا اعلان پیغمبرؐ کے ہاتھوں حضرت علیؑ کے خلیفہ منسوب ہو جانے کے بعد کر دیا گیا اس کے بعد پیغمبرؐ کے اصحاب نے حضرت علیؑ کو اس منصب کی مبارکبادی۔[2]

یہ واقعۂ غدیر کا ایک مختصر سا خاکہ ہے اور چونکہ یہ اہم واقعہ اتنا مشہور اور متواتر ہے جس کی وجہ سے ہم نے اس پورے واقعہ کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی' کیونکہ دوسرے اسلامی محققین اور دانشوروں نے اس واقعہ کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں کو بیان کیا ہے خاص طور سے علامہ امینیؒ نے اپنی بیش قیمت اور اہم کتاب الغدیر میں اس واقعہ کی سند اور متن اور دلالت پر ہر اعتبار سے بحث کی ہے اور اس واقعہ کے تمام اہم پہلوؤں کے بارے میں تحقیق اور جستجو فرمائی ہے لہٰذا اسی بنا پر ہم اس مقام پر صرف چند نکتوں کو بطور یاد دہانی ذکر کر کے چند اہم سوالات کے جوابات دینا چاہتے ہیں۔

ا۔ واقعۂ غدیر' حضرت علیؑ کی ولایت اور امامت کی اہم دلیل اور سند ہے اور زمانہ کی ترتیب کے اعتبار سے یہ آخری سند ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کی امامت کی صرف یہی ایک تنہا دلیل ہے کیونکہ جیسا کہ آپ نے اس کتاب میں بھی ملاحظہ فرمایا کہ امت کی رہبری اور امامت کی اہمیت کے پیش نظر' پیغمبر اسلامؐ نے بعثت کے ابتدائی ایام میں ہی اپنے اعزاء اور اقرباء کو اپنی رسالت اور اسلام کی طرف دعوت دیتے وقت واقعۂ ذوالعشیرہ میں آپ کی امامت کا بھی تذکرہ کیا تھا اور اس کے بعد بھی آپ مختلف مواقع پر (جیسا کہ تبوک میں) اس بات کی مسلسل یاد دہانی کراتے رہے۔

پیغمبرؐ کی جانشینی' ایک خدائی مسئلہ ہے اس کے بارے میں بھی آپ پہلے یہ پڑھ چکے ہیں کہ پیغمبرؐ نے علنی دعوت کے ابتدائی سالوں میں جب مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دی تو قبیلۂ بنی عامر بن صعصعہ کے سردار کے جواب میں آپ نے فرمایا: "میری جانشینی خدا سے مربوط ہے اور وہ اس کو جہاں چاہے گا قرار دیدے گا"[3]

اپنی جانشینی سے متعلق پیغمبر اکرمؐ نے اپنی تبلیغ کے دوران جو طریقۂ کار اپنایا تھا اور ایک ہی شخصیت پر آپ کی نگاہ مسلسل ٹکی ہوئی تھی اگر ہم اس کو انصاف کے ساتھ دیکھیں نیز اگر ہم علمی برتری' ایثار و فداکاری' لیاقت و شائستگی اور تجربہ کے لحاظ سے اصحاب پیغمبرؐ کے درمیان غور سے

---

1 آج کفار تمہارے دین سے مایوس ہوگئے ہیں لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسندیدہ بنا دیا ہے۔ (سورۂ مائدہ' آیت ۳)

2 علامہ امینیؒ' الغدیر فی الکتاب والسنہ والادب (بیروت: دار الکتاب العربیہ)' ج ا' ص ۱۱۔ ۱۰۔

3 الامر للّٰہ یضعہ حیث یشاء۔

دیکھیں اور ان تمام باتوں اور فضیلتوں کو پیغمبرؐ کی جانشینی کا معیار قرار دیں تو ہم اس نتیجہ تک پہونچیں گے کہ حضرت علیؑ ہر لحاظ سے بے مثال اور لاجواب نظر آتے ہیں کیونکہ پیغمبر کھلم کھلا اور علی الاعلان آپ کو اپنی جانشینی کے لئے پیش کرنے پر تاکید فرماتے تھے اور ہر موقع اور مناسبت پر کسی نہ کسی طرح آپ کی برتری، فضیلت اور افضیلت کو لوگوں کے گوش گزار کرتے تھے اور ان تمام فضائل اور کمالات میں پیغمبر کا کوئی صحابی بھی حضرت علیؑ کے ہم پلہ نہیں تھا۔

۲۔ جیسا کہ اس بارے میں اشارہ کیا گیا ہے کہ حدیث غدیر کی شہرت اور تواتر کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں پایا جاتا اور علماء اہل سنت کے ایک گروہ نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔[1] جیسا کہ علامہ امینی نے الغدیر میں یہ ثابت کیا ہے کہ اس اہم تاریخی واقعہ کو ایک سو دس (۱۱۰) صحابیوں اور ۸۴ تابعیوں نے نقل کیا ہے اور ۳۶۰ علماء و محققین اہل سنت نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا اور ان میں سے کچھ لوگوں نے اس کی سند کی صحت کا بھی اعتراف کیا ہے[2] اسلامی تاریخ کے اہم واقعات میں سے شاید ہی کوئی واقعہ ہو جس کی شہرت اور سند اتنی محکم اور مستحکم ہو۔

البتہ واقعۂ غدیر کو اکثر محدثین نے نقل کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ (مختلف اسباب کی بنا پر جو اہل علم اور تحقیق سے پوشیدہ نہیں ہے) مورخین نے اس واقعہ کو ہضم کر لیا ہے صرف مورخین کے درمیان یعقوبی نے اس کو حجۃالوداع کے بعد مختصر طور پر ذکر کیا ہے۔[3]

---

1 وہ لوگ حضرت علیؑ کی امامت سے متعلق اس کی دلالت کی بارے میں شک و شبہ پیدا کرتے ہیں کہ جس کی وضاحت ہم پیش کریں گے۔ مثلاً ۱۳۷۱ھ ش، میں ترکی کے شہر استانبول میں شیعہ شناسی سے متعلق ایک بین الاقوامی کانفرس منعقد ہوئی تھی جس میں اسلامی ممالک کے علماء اور دانشوروں نے شرکت کی تھی اور اس میں ایک وفد ایران کے برجستہ علماء اور محققین پر مشتمل تھا اسی کانفرنس میں کسی مقرر نے جب حدیث غدیر کا انکار کیا تو سوریہ یونیورسٹی کے مشہور اور معروف دانشمند ڈاکٹر محمد سعید رمضان بوتی نے یہ کہا تھا کہ حدیث غدیر پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے یہ آپ سے نقل ہوئی ہے اس میں کسی قسم کی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ یہ شیعوں کے مدعا پر دلالت نہیں کرتی... البتہ اگرچہ اس کے بعد اس جملہ کا جواب بھی، ایران کے محقق نے اس طرح سے پیش کر دیا کہ "یہ شیعہ عقیدہ پر دلالت کرتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: "منطق شیعہ ھا در کنکرھا و مجامع علمی" آیۃاللہ سبحانی، انتشارات مکتب اسلام ط۱، ۱۳۷۶ ش، ص۲۱، ۲۷۔

2 الغدیر، ج۱، ص۱۵۱۔ ۱۴۔

۳ ... و خرج صلى الله عليه و آله و سلم ليلاً منصرفاً الى المدينة فصار الى موضع بالقرب من الجحفة يقال له "غديرخم" لثمانية عشر ليلة من ذى الحجة و قام خطيباًو أخذ بيد على بن ابى طالب عليه السلام فقال:ألست اولى بالمؤمنين من أنفسهم؟ قالوا: بلى يا رسول الله، قال: فمن كنت مولاه فعلى مولاه، اللّهم و ال من والاه و عاد من عاداه۔ (ج۲، ص۱۰۲) مسعودی نے (مشہور کے خلاف) اس کو حدیبیہ کے سفر سے پلٹتے وقت ذکر کیا ہے، وہ یوں رقمطراز ہے: ..."و فى منصرفه عن الحديبية قال لامير المؤمنين على بن ابى طالب رضى الله عنه بغدير خم: من كنت مولاه فعلى مولاه و ذلک فى اليوم الثامن عشر من ذى الحجه..." (التنبيه و الاشراف (قاهره: دار الصاوى للطبع و النشر و التأليف)، ص۲۲۱)

وہ مروج الذہب میں حضرت علیؑ کے برجستہ فضائل کو شمار کرتے ہوئے حدیث ولایت کو اختصار کے ساتھ یوں نقل کرتے ہیں:

"الاشياء التى استحق بها اصحاب رسول الله صلى الله عليه و آله و سلم الفضل ہی: السبق الى الايمان، والهجرة، والنصرة لرسول الله صلى الله عليه و آله و سلم، والقربى منه، والقناعةو بذل النفس له، والعلم بالكتاب و التنزيل، والجهاد فى سبيل الله، والورع، والزہد، والقضاء، والحكم، والفقه، والعلم، و كل ذلک لعلى عليه السلام، منه النصيب الاوفر، و الحظ الأكبر، الى ما ينفرد به من قول رسول اللهؐ حين آخى بين اصحابه: "انت أخى" وہو صلى الله عليه و آله و سلم لاضد له و لاند. و قوله صلوات الله عليه: "انت منى بمنزلة ہارون من موسىٰ الا انه لانبى بعدى" و قوله عليه الصلاة والسلام: "من كنت مولاه فعلى مولا، اللّهم وال من والاه و عاد من عاداه..." (مروج الذہب، (بيروت: دار الاندلس، ط۱، ۱۹۶۵)، تحقيق: يوسف اسعد داغر، ج۲، ص۴۲۵.)

اگرچہ تاریخ طبری میں جن کا طریقۂ کار ہی یہ ہے کہ وہ ہر واقعہ کی تفصیل اور گہرائی تک جاتے ہیں لیکن توقع کے برخلاف اس واقعہ کو ذکر ہی نہیں کیا، اگرچہ انھوں نے غدیر کے اثبات کے لئے ایک مستقل کتاب "کتاب الولایۃ"[1] کے نام سے تالیف کی کہ جو آٹھویں صدی ہجری تک موجود تھی اور نجاشی[2] [متوفی ۴۵۰ھ] اور شیخ طوسی[3] [متوفی ۳۸۵-۴۶۰ ہجری قمری] نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے اور اس کتاب تک اپنی سند کو بھی ذکر کیا ہے۔

ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے بھی واقعہ غدیر کو حجۃالوداع کے بعد ذکر کر کے یہ کہا ہے: ابو جعفر محمد بن جریر طبری مولف تفسیر اور تاریخ نے اس حدیث پر توجہ کی ہے اور اس کی سند اور الفاظ کو دو جلدوں میں جمع کیا۔[4] اس کے بعد انھوں نے طبری کی کچھ روایات کو حدیث غدیر سے متعلق نقل کیا وہ دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: میں نے طبری کی ایک کتاب دیکھی ہے جو دو بڑی جلدوں پر مشتمل تھی اور اس میں انھوں نے حدیث غدیر کو جمع کیا ہے۔[5]

ابن شہر آشوب متوفی ۵۸۸ھ لکھتے ہیں اس (طبری) نے کتاب غدیر خم کو تالیف کی اور اس میں اس واقعہ کی شرح کی اور اس کتاب کا نام "الولایۃ" رکھا۔[6]

ابن طاوٴس بھی راوۃ حدیث غدیر کو شمار کرتے وقت کہتے ہیں: حدیث غدیر کو محمد بن جریر مولف تاریخ نے ۷۵ سندوں کے ساتھ روایت کیا اور اس بارے میں ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے جس کا نام حدیث الولایہ ہے۔[7]

---

1 ابن شہر آشوب، معالم العلماء (نجف: المطبعۃ الحیدریہ، ۱۳۸۰ھ.ق)، ص۱۰۶؛ ابن طاوس، الطرائف فی معرفۃ مذاہب الطوائف (قم: مطبعۃ الخیام، ۱۴۰۰ھ.ق)، یہ بطریق، عمدۃ عیون صحاح الاخبار، تحقیق: مالک المحمودی و ابراہیم البھادری (قم: ۱۴۱۲ھ.ق)، ج۱، ص۱۵۷۔ اس کتاب کے دوسرے نام بھی ذکر ہوئے ہیں۔ جیسے: کتاب الفضائل، حدیث الولایہ اور کتاب غدیر خم، گویا انمیں سے کچھ عنوان ایسے ہیں جو کتاب کے مطالب کے لحاظ سے کتاب شناس لوگوں کے ذریعہ سے رکھے گئے ہیں۔ اور کچھ دوسرے نام شاید کتاب کے ایک خاص حصہ کا ہے جو مستقل طور پر شائع ہوا ہے جیسا کہ بعد کے حاشیہ میں آیا ہے نجاشی نے اس کو "الرد علی الحرقوصیہ" کے نام ذکر کیا ہے۔ "حرقوص بن زہیر" خوارج کا ایک سردار تھا۔ گویا اس نام گزاری کا مقصد یہ تھا کہ مخالفین ولایت علیؑ کو ناصبی اور خارجی بتائیں۔

2 محمد بن جریر ابوجعفر الطبری عامی له کتاب الرد علی الحرقوصیة ذکر طرق خبر یوم الغدیراخبرنا القاضی ابواسحاق ابراہیم بن مخلد قال حدثنا ابی قال حدثنا محمد بن جریر بکتابه "الرد علی الحرقوصیة" (نجاشی، فہرست مصنفی الشیعہ، قم: مکتبۃ الداوری، ص۲۲۵؛) "سید ابن طاووس" نے بھی کتاب الاقبال، ج۲، ص۲۳۹، میں اسی نام سے ذکر کیا ہے۔

3 محمد بن جریر طبری، ابو جعفر صاحب التاریخ، عامی المذہب له کتاب غدیر خم و شرح امرہ بصفتہ اخبرنا بہ احمد بن عبدون عن الدوری عن ابن کامل عنہ (طبرسی، الفہرست، مشہد: مشہد یونیورسٹی ۱۳۵۱ش، ص۲۸۱.)

4 وقد اعتنی بأمر ہذا الحدیث ابوجعفر محمد بن جریر طبری صاحب التفسیر و التاریخ فجمع فیه مجلدین اورد فیهما طرقه والفاظه... (البدایہ والنہایہ، ج۵، ص۲۰۸.) یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن کثیر نے عین حادثۂ غدیر کو نقل کرتے وقت اس میں خدشہ ظاہر کیا ہے انشاء اللہ ہم بعد میں اس کے متعلق بحث کریں گے۔

5 و قدرأیت له کتاباً فجمع فیهااحادیث غدیر خم فی مجلدین ضخمین۔ (گزشتہ حوالہ، ج۱۱، ص۱۴۷، حوادث سال ۳۱۰ کے ضمن میں جو کہ طبری کے مرنے کا سال ہے)

6 له (طبری) کتاب غدیر خم و شرح امرہ و سماہ کتاب الولایۃ۔ (معالم العلماء، ص۱۰۶)

7 وقد روی الحدیث فی ذالک محمد بن جریر الطبری صاحب التاریخ من خمس و سبعین طریقاً وافرد له کتاباً سماہ حدیث الولایۃ. (الطرائف، ج۱، ص۱۴۲)

یحییٰ بن حسن معروف جو "ابن بطریق" کے نام سے معروف ہیں (۶۰۰ھ۔ ۵۲۳ھ) تحریر کرتے ہیں : محمد ابن جریر طبری مولف کتاب تاریخ نے روایت غدیر کو ۷۵ سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس بارے میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام کتاب "الولایہ" ہے۔[1]

جن محققین اور مورخین کے نام ہم نے ذکر کئے ہیں ان لوگوں نے کتاب الولایہ کا ایک مختصر اور اجمالی خاکہ ہی بیان کیا ہے اور بعض حضرات جیسے ابن کثیر نے اس کی صرف بعض روایات نقل کرنے پر اکتفا کی ہے، قاضی نعمان مغربی مصری (ابو حنیفہ نعمان بن محمد تمیمی متوفی ۳۶۳ھ) وہ واحد شخص ہیں جنھوں نے طبری کی روایات میں سے ۷۵ روایتیں حضرت علی۔ کے فضائل میں اپنی کتاب "شرح الاخبار فی فضائل الائمۃ الاطہار" میں نقل کی ہیں اور اسی طرح انھوں نے طبری کی باتوں کو آئندہ نسلوں کے لئے منتقل کر دیا۔[2]

وہ کہتے ہیں کہ : "یہ کتاب بہت ہی دلچسپ کتاب ہے جس میں طبری نے حضرت علیؑ کے فضائل کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔[3]

طبری نے اس کتاب کو کس بنا پر تالیف کیا ہے۔[4] قاضی نعمان اس سبب اور وجہ کو بیان کرنے کے بعد مزید یہ کہتے ہیں کہ طبری نے اس کتاب میں ولایت علیؑ سے متعلق ایک باب مختص کیا ہے اور اس میں پیغمبر اسلامؐ سے مروی صحیح روایات کو ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے خواہ حجۃ الوداع سے پہلے یا حجۃ الوداع کے بعد فرمایا :

"من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللّٰہم وال من والاہ و عاد من عاداہ و انصر من نصرہ و اخذل من خذلہ" اور یہ بھی فرمایا :

علی امیر المومنین ، علی اخی، علی وزیری، علی وصیی، علی خلیفتی علی امتی من بعدی، علی اولی الناس بالناس من بعدی"

اور اس کیعلاوہ دوسری روایتیں بھی ہیں جو حضرت علیؑ کی جانشینی کو ثابت کرتی ہیں اور جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ امت کی رہبری اور اس کی قیادت کی باگ ڈور آپ کو ہی ملنا چاہئے تھی اور کسی کو آپ سے آگے بڑھنے کا یا آپ کے اوپر حکومت کرنے کا حق نہیں ہے"۔[5]

---

1 وقد ذکر محمد بن جریر الطبری، صاحب التاریخ خبر یوم الغدیر و طرقہ من خمسۃ و سبعین طریقاً و افرد لہ کتاباً سماہ کتاب الولایۃ۔ (عمدۃ عیون صحاح الاخبار، ج۱، ص۱۵۷)

2 یہ کتاب ۱۴۱۴ھ.ق، میں مؤسسہ نشر اسلامی در قم، کے توسط سے تین جلدوں میں طبع ہو چکی ہے اور پہلی جلد میں صفحہ ۱۳۰ کے بعد طبری کی روایات نقل ہوئی ہیں۔

3 وہو کتاب لطیف بسط فیہ ذکر فضائل علی علیہ السلام (گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۱۳۰)

4 گزشتہ حوالہ، ج۱، ص۳۱۰؛ ان کے کتاب تالیف کرنے کا سبب یہ تھا کہ انھیں اطلاع ملی کہ علمائے بغداد میں سے ایک نے حدیث غدیر کا انکار کیا ہے اور یہ دعوی کیا ہے کہ حضرت علیؑ حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر رسول خداؐ کے ساتھ نہیں تھے بلکہ یمن میں تھے، طبری کو یہ بات سن کر بہت غصہ آیا اور انھوں نے اس کی رد میں کتاب الولایہ تحریر کی اور اس میں حدیث غدیر کو مختلف سندوں کے ساتھ ذکر کر کے اس کی صحت کو ثابت کیا۔ حافظ ابن عساکر اور شمس الدین محمد ذہبی کے بقول مذکورہ شخص ابو بکر ابو داؤد [سلیمان بن اشعث] سجستانی مؤلف [سنن] تھا۔ اور یہ حضرت علیؑ کے بغض و دشمنی میں مشہور تھا۔ (تاریخ مدینہ دمشق، ج۲۹، ص۸۷؛ میزان الاعتدال، ج۲، ص۴۳۴؛ تاریخ بغداد، ج۹، ص۴۶۸، ۴۶۷.)

5 شرح الاخبار، ج۱، ص۱۳۵۔ ۱۳۴۔ اسی طرح کتاب الولایہ کے متعلق مزید معلومات کے لئے رجوع کریں : پارہ ھای بر جای ماندۂ کتاب فضائل علی بن ابی طالب، رسول جعفریان، فصلنامۂ میقات حج، شمارۂ ۳۴۔

۳۔اس بارے میں جو لائق ذکر شبہ ایجاد کیا گیا ہے وہ بعض علمائے اہل سنت جیسے فخر رازی اور قاضی عضد ایجی کی طرف سے اس کے مفاد میں شک و شبہ پیدا کرنا ہے۔انھوں نے اصل واقعہ کو تو قبول کیا ہے لیکن رسول خداؐ نے خطبۂ غدیر میں حضرت علیؑ کے بارے میں جو کلمۂ مولیٰ استعمال کیا ہے اور اس سے ولایت الٰہیہ اور امامت کے معنی سمجھ میں آتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ یہ کلمۂ مولا' دوست اور ناصر وغیرہ کے معنی میں ہے اور ان کا دعویٰ یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت علیؑ کی ولایت اور خلافت پر دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ پیغمبر اکرمؐ نے اس خطبہ میں حضرت علیؑ کی دوستی اور محبت کا حکم دیا تھا یہ لوگ کہتے ہیں کہ مَفعَل (مولیٰ) لغت میں اَفعَل (اولیٰ) کے معنی میں نہیں آیا ہے اس بنا پر پیغمبر اکرمؐ کے اس خطبہ میں لفظ مولیٰ کے معنی دوست کے ہیں۔[1]

علامہ امینیؒ نے اپنی بہت ہی علمی' تحقیق اور جستجو کے بعد قرآنی' حدیثی' لغوی اور دوسرے شواہد ذکر کرنے کے بعد ادیبوں اور بڑے بڑے لغت شناس کے کلام سے استشہاد کرنے کے بعد اس دعویٰ کی بے مائیگی اور کمزوری کو ثابت کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان تینوں مقامات پر لفظ مولا' اولیٰ کے معنی میں شائع اور رائج تھا۔نمونہ کے طور پر مندرجہ ذیل آیتوں میں سیاق و سباق کا لحاظ رکھتے ہوئے لفظ مولا کے معنی ولی یا متولی امر یا صاحب اختیار کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتے۔

آیہ: (فالیوم لایؤخذ منکم فدیة و لا من الذین کفروا مأویٰکم النار هی مولیٰکم و بئس المصیر۔[2]

واعتصموا باللّٰه ہو مولیٰکم فنعم المولیٰ و نعم النصیر۔[3] ذٰلک بأن اللّٰه مولی الذین آمنوا و ان الکافرین لا مولیٰ لہم۔[4]
بل اللّٰه مولیٰکم و ہو خیر الناصرین۔[5] قل لن یصیبنا الا ماکتب اللّٰه لنا ہو مولیٰنا۔[6]

یدعوا لمن ضره أقرب من نفعه لبئس المولی و لبئس العشیر۔)[7]

مفسرین نے ان آیات میں ''مولیٰ'' کے معنی کی تفسیر اور اس کے معنی ''اولیٰ'' ہی ذکر کئے ہیں۔

حدیث میں یہ بھی آیا ہے ''ایما امرأة نکحت بغیر اذن مولاه فنکاحها باطل''[8]

(جو عورت اپنے مولا کی اجازت کے بغیر' نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے)' محدثین اور فقہاء نے اس حدیث میں مولیٰ کے معنی بھی عورت کا ولی اور سرپرست بیان کئے ہیں۔

---

1 الغدیر' ج۱' ص۳۵۰' ۳۵۴ و ۳۵۶۔

2 سورۂ حدید' آیت ۱۵۔

3 سورۂ حج' آیت ۷۸۔

4 سورۂ محمد' آیت ۱۱۔

5 سورۂ آل عمران' آیت ۱۵۰۔

6 سورۂ توبہ' آیت ۵۱۔

7 سورۂ حج' آیت ۱۳۔

8 ابو جعفر محمد بن الحسن طوسی' الاقتصاد الهادی الی طریق الرشاد (تہران: مکتبہ جامع چہل ستون' ۱۴۰۰ھ۔ق)' ص۲۱۷۔ مسند احمد کے نقل کے مطابق' ج۶' ص۴۴؛ یہ بطریق' عمدة عیون صحاح الاخبار' ج۱' ص۱۵۹؛ ابن حزم' ابو محمد علی بن احمد' المحلی' تحقیق: احمد محمد شاکر' (بیروت: دار الآفاق الحدیثہ)' ج۹' ص۴۴۷' مسألة ۱۸۳۸۔

علامہ امینی نے "لفظ مولا" کے ستائیس احتمالی معنی گنوائے ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ بروز غدیر خطبۂ پیغمبرؐ میں ان معانی میں سے بعض معنی کا مراد لینا مستلزم کذب ہے اور بعض کاارادہ کرنا مستلزم کفر ہے، بعض دوسرے معنی کامراد لینا ناممکن اور بعض کا مراد لینا لغو اور بے فائدہ، یا بالکل ہلکااور سبک، لہٰذا صرف اور صرف "اولیٰ بالشیء" ہی مراد لیا جا سکتا ہے۔[1]

اس کے بعد علامہ امینیؒ نے ان چودہ جید علماء اور محدثین اہل سنت کی گفتگو کو بھی ذکر کیا ہے جنھوں نے "خطبہ غدیر" میں لفظ مولیٰ سے اولیٰ بالشیء کے معنی مراد لیئے ہیں جن میں شمس الدین ابوالمظفر سبط ابن جوزی حنفی (۶۵۴-۵۱۱ ہجری قمری) بھی ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں :

"اہل سیرت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ واقعۂ غدیر حجۃالوداع سے پیغمبرؐ کی واپسی کے موقع پر ۱۸ ذی الحجہ کو اصحاب کی کثیر تعداد اور ایک کثیر مجمع کے درمیان جنکی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی پیش آیا اور رسول خداؐ نے فرمایا: "جس کا میں مولا ہوں اس کے علی مولا ہیں "

اس کے بعد انھوں نے لفظ مولا کے دس احتمالی معنی ذکر کئے اور پھر اس کے نو معنی میں رد وقدح کرنے کے بعد صرف دسویں معنی یعنی وہی اولی بالتصرف کے معنی کی تصدیق کی ہے اور اس کے لئے سورۂ حدید کی ۱۵ویں آیت کو شاہد اور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور تعبیر مولیٰ کو، حضرت علیؑ کی امامت اور آپ کی اطاعت کو قبول کرنے کے بارے میں صریح اور واضح نص قرار دیا ہے۔[2]

اس کے بعد اس زمانے کے کچھ شعراء کے اشعار منجملہ حسان بن ثابت (جو خود واقعۂ غدیر میں موجود تھے) کے اشعار نقل کئے ہیں کہ انھوں نے کلمۂ مولیٰ سے لفظ "امام" سمجھا ہے اور اس کو اپنے اشعار میں نظم بھی کیا ہے۔

شواہد اور قرائن

خطبہ کے اندر اور اس سے الگ ایسے متعدد شواہد وقرائن بھی موجود ہیں جن سے معنئ مذکور کی تائید ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسئلہ حضرت علیؑ کی دوستی اور محبت کے اعلان سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے جن میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں :

الف: ایک لاکھ حاجیوں کو اس چلچلاتی دھوپ میں، صرف حضرت علیؑ کی دوستی اور محبت کے اعلان کے لئے رکنے کا حکم دینا کوئی معقول بات نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی برادری اور بھائی چارگی اور آپسی محبت کوئی ایسے ڈھکی چھپی بات نہیں تھی جو مسلمانوں سے پوشیدہ ہو اور اس کے لئے پیغمبرؐ کو اعلان کی ضرورت پیش آئے خاص طور سے حضرت علیؑ کی شخصیت سے دوستی اور محبت، کس سے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

ب: خطبے کا مقدمہ جو پیغمبر کی رحلت کے قریب ہونے کے بارے میں ایک طرح کی پیشین گوئی ہے آنحضرتؐ کی جانشینی سے ارتباط اور مناسبت رکھتا ہے نہ کہ حضرت علیؑ کی دوستی سے۔

---

1 الغدیر، ج۱، ص۳۷۰-۳۶۷۔

2 ---فتعین الوجه العاشر و ہو "الاولی" و معناه من کنت اولی به من نفسه فعلی اولی به--- فعلم ان جمیع المعانی راجعة الی الوجه العاشر ودل علیه ایضاً قوله صلی اللّٰه علیه وآله وسلم، الست اولی بالمؤمنین من أنفسهم۔ و ہذا نص صریح فی اثبات امامته و قبول طاعته--- (تذکرة الخواص، (نجف: المکتبة الحیدریه، ۱۳۸۳ھ-ق)، ص۳۳-۳۰۔

ج: پیغمبر اسلامؐ نے پہلے اپنے بارے میں "اولیٰ بالنفس" کی تعبیر استعمال کی اس کے بعد حضرت علیؑ کو دوسروں سے اولیٰ ہونے کے طور پر پہچنوایا یہ مقارنت واضح اور روشن دلیل ہے کہ آنحضرتؐ، حضرت علیؑ کے لئے اسی مقام ولایت امر مسلمین کو ثابت کر رہے تھے جس منصب پر آپ خود فائز تھے[1]۔

د: خطبۂ پیغمبرؐ کے بعد مسلمانوں کا حضرت علیؑ کو "مولائے مومنین" کے عنوان سے مبارکباد پیش کرنا یہ صرف امامت سے مناسبت رکھتاہے۔ خداوند عالم کی طرف سے دین کے اکمال اور نعمت کے اتمام کا اعلان دوستی کے موضوع اور عنوان سے کسی طرح میل نہیں کھاتا ہے۔

و: حسان بن ثابت شاعر رسول خداؐ اور اس زمانہ میں عرب کا مشہور شاعر اور ادیب جو خود واقعۂ غدیر میں موجود تھا اس نے پیغمبر اسلامؐ کی اجازت سے پیغمبرؐ کے خطبہ کو نظم میں پیش کیا اور اس میں کلمۂ مولیٰ کو "امام" اور "ہادی" کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ ایک شعر :

و قال له قم یا علی فاننی رضیتک من بعدی اماماً و ہادیاً

امیر المومنینؑ نے معاویہ کو جو اشعار لکھ کر بھیجے تھے، اس میں اس طرح لکھا ہے :

واوجب لی ولایته علیکم رسول اللّٰہ یوم غدیر خم۔[2]

۴۔ ابن کثیر نے واقعۂ غدیر کو حضرت علیؑ کے سفر یمن سے مربوط قرار دیا ہے جو حجۃالوداع سے پہلے پیش آیا تھا اور اس میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ چونکہ اس سفر میں حضرت علیؑ نے اپنے ہم سفر ساتھیوں کے مال غنیمت میں بے جا اور غیر شرعی استعمال کی (قبل اس کے کہ اس کو رسول اسلامؐ کی خدمت میں پیش کرتے) مخالفت کی تھی اور آپ کے ساتھی آپ کی اس عدالت پر رنجیدہ ہوئے تھے۔[3] اسی بناپر پیغمبر اسلامؐ نے غدیر

---

1 احمد بن حنبل نے اپنی مسند جلد۱، ص۱۱۹، پر اور ابن اثیر نے اسد الغابہ، ج۴، ص۲۸۔ پر ایک روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا:

"الست اولی من المومنین من انفسہم وازواجی امہاتہم"

کیامیں مومنین پر ان کی جانوں کی بہ نسبت اولی بالتصرف اور مقدم نہیں ہوں اور کیا میری بیویاں ان کی مائیں نہیں ہیں۔ یہ بالکل واضح اور طے شدہ بات ہے کہ آنحضرتؐ کی بیویوں کا مسلمانوں کی ماں ہونا، سورہ احزاب کی چھٹی آیت کے مطابق صرف حضرت سےمخصوص ہے جو آپ کے منصب سے مناسبت رکھتا اور اس مقام پر اس کو مسلمانوں کی جان ومال پر اولویت کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ پیغمبرؐ اپنے عہدہ نبوت کو پہچنوانا چاہتے تھے اور پھر اسی کے مثل یعنی حضرت علیؑ کی ولایت اور خلافت کا اعلان کرنا مقصود تھا۔ واضح رہے کہ ابن کثیر کہ جس کا ایک خاص نظریہ اور عقیدہ ہے اور اس نے مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد کسی وضاحت اور دلیل کے بغیر اس روایت کو ضعیف اور غریب کہاہے۔ البدایہ والنہایہ، ج۵، ص۲۱۱۔

جبکہ اس کے پہلے راوی یعنی عبد الرحمان بن ابی لیلیٰ علماء اہل سنت کے مطابق موثق ہیں اور یہ روایت دوسری سندوں سے بھی نقل ہوئی ہے۔ رجوع فرمائیں : الغدیر، ج۱، ص۱۷۸۔۱۷۷۔

2 مکمل طور سے ان قرائن اور شواہد کے بارے میں آگاہی کے لئے رجوع کریں : الغدیر، ج۱، ص۳۸۵۔۳۷۰؛ پیشوائی از نظر اسلام، جعفر سبحانی، ص۲۳۸۔۲۳۴۔
3 اس واقعہ کی مزید معلومات کے لئے رجوع کریں : واقدی، مغازی، ج۳، ص۱۰۸۱؛ البدایہ والنہایہ، ج۵، ص۲۰۹۔۲۰۸۔

خم میں حضرت علیؑ کی فضیلت اور امانتداری اور عدالت کو بیان کیا اور آپ کے نزدیک جو قرب و منزلت ان کو حاصل تھی اس کو بیان کیا۔ اور بہت سارے لوگوں کے دلوں میں جو آپ کے تئیں کینہ و کدورت اور حسد تھا اسے ختم کیا۔[1]

یہ تاویل اور توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یمن کے سفر سے متعلق، پیغمبر اسلامؐ نے پہلی ملاقات میں حضرت علیؑ کے ہم سفر ساتھیوں کا جواب مکے میں (حج سے پہلے) دیدیا تھا۔ اور فرمایا تھا: لوگ علی کی شکایت نہ کریں۔ خدا کی قسم وہ حکم الٰہی کے نافذ کرنے میں بہت سخت اور بے خوف ہیں۔[2]

رسول خداؐ کے اس صریحی بیان سے مسئلہ ان لوگوں کے لئے تمام ہو گیا جو آنحضرتؐ سے کچھ سننا چاہتے تھے اور پھر کوئی بات نہیں رہ جاتی کہ تین سو (۳۰۰) افراد[3] کے لئے جو رنجش حضرت علیؑ سے پیدا ہو گئی تھی اور اس کو آپ نے بھی دور کر دیا تھا۔ دوبارہ اس کو پیغمبر اسلامؐ ایک لاکھ کے مجمع میں بیان فرماتے۔

۵۔ اگر حضرت محمدؐ نے حضرت علیؑ کو غدیر میں امام بنایا ہوتا تو اصحاب آپ کے بعد آپ کے اس حکم کی مخالفت نہ کرتے اور آپ کی صریحی تاکید اور وصیت سے منہ نہ موڑتے کیونکہ آپ کے اصحاب صالح اور باایمان لوگ تھے۔ جنھوں نے راہ اسلام میں اپنی جان اور مال کے ذریعے کامیاب امتحان دیا تھا لہٰذا یہ بہت ہی بعید بات ہے کہ اتنا عظیم واقعہ پیش آئے اور وہ لوگ اس کی مخالفت کر بیٹھیں خاص طور سے جبکہ آنحضرتؐ کی رحلت اور غدیر کے درمیان میں تقریباً ستر (۷۰) دنوں کا مختصر سا فاصلہ پایا جاتا ہے لہٰذا یہ بہت بعید ہے کہ اتنی جلدی لوگ ایسے واقعہ کو فراموش کر دیں۔

اس سوال کے جواب کے لئے اگر ہم رسول خداؐ کے دور کے حادثات اور واقعات پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو اگرچہ اصحاب کے روحانی مراتب اور درجات مجموعی طور سے اپنی جگہ پر مسلم ہیں مگر پھر بھی پیغمبر اکرمؐ کے فرمان سے سرپیچی کرنا ان لوگوں کے درمیان کوئی نئی بات نہیں تھی کیونکہ اس دور میں بھی کچھ مسلمانوں کا ایمان ایسا ناپختہ تھا کہ وہ لوگ خدا و پیغمبرؐ کے احکام کے سامنے مکمل طور پر سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے خاص طور پر جب پیغمبرؐ کا حکم ان کے ذاتی مفادات، قبیلہ کے رسم و رواج اور ان کے سیاسی افکار سے میل نہیں کھاتا تھا تو پھر وہ لوگ ایک طرح سے اپنی رائے اور اجتہاد کے ذریعہ یہ کوشش کرتے تھے کہ پیغمبرؐ کی رائے کو تبدیل کر دیں ورنہ خود ہی اس پر عمل پیرا ہونے میں کوتاہی کرتے تھے اور بسا اوقات آپ کے اوپر اعتراض بھی کرتے تھے۔ اس طرح کے حادثات اور مخالفتوں کے نمونے، جیسے صلح حدیبیہ میں صلح نامہ لکھتے وقت، حجۃالوداع میں احرام سے خارج ہونے کا مسئلہ، لشکر اسامہ کی روانگی اور حیات پیغمبرؐ کے آخری ایام میں قلم و دوات جیسے

---

1 ۔۔۔ فبین فیہا فضل علی بن ابی طالب و براءۃ عرضہ مماکان تکلم فیہ بعض من کان معہ بأرض الیمن، بسبب ماکان صدر منہ الیہم من المعدلۃ التی ظنہا بعضہم جوراً و تضییقاً و بخلاً، و الصواب کان معہ۔۔۔ و ذکر من فضل علی و امانتہ و عدلہ و قربہ الیہ ما ازاح بہ ماکان فی نفوس کثیر من الناس منہ۔۔۔ (البدایہ والنہایہ، ج۵، ص۲۰۸۔)

2 یا ایہا الناس لاتشکوا علیاً فواللہ انہ لاخشن فی ذات اللہ او فی سبیل اللہ [من ان یشکی]۔ (تاریخ الامم والملوک، ج۳، ص۱۶۸؛ (نہایۃ الارب فی فنون الأدب، ترجمہ: محمود مہدوی دامغانی، ج۲، ص۳۲۹؛ الدایہ والنہایہ، ج۵، ص۲۰۹؛ رجوع کریں: ترجمۃ الامام علیؑ من تاریخ مدینۃ دمشق، تالیف: حافظ ابن عساکر، تحقیق: الشیخ محمد باقر المحمودی (بیروت: دار التعارف للمطبوعات، ۱۳۹۵ھ۔ق)، ج۱، ص۳۸۶۔

3 مورخین اور سیرت نگاروں نے یمن کی ماموریت میں حضرت علیؑ کی سپہ سالاری کے ماتحت سپاہیوں کی تعداد تین سو (۳۰۰) افراد لکھی ہے۔ رجوع کریں: واقدی، مغازی، ج۳، ص۱۰۱۹؛ طبقات الکبری، ج۲، ص۱۶۹۔

مشہور واقعات بھی تاریخ میں ثبت ہیں ایسے تمام واقعات کو علامہ سید شرف الدینؒ نے اپنی گراں قدر کتاب ''النص والاجتہاد'' میں ذکر فرمایا ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات، پیغمبر اکرمؐ کے حکم کی پیروی کے واجب و لازم ہونے کے اوپر تاکید کرتی ہیں اور اس کو ایمان کا جز قرار دیتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اس خطرہ کی طرف متوجہ بھی کیا ہے کہ حکم پیغمبرؐ سے سر پیچی یا آپ کے اوپر سبقت نہ کریں اور یہ امید نہ رکھیں کہ پیغمبرؐ، ان کی اطاعت کریں گے۔ مندرجہ ذیل آیات سے یہ صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی پیغمبرؐ کی مخالفت ہوتی رہتی تھی جیسا کہ ارشاد ہے:

(فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ أن تصیبہم فتنۃ او یصیبہم عذاب الیم)[1]

''جو لوگ حکم خدا کی مخالفت کرتے ہیں وہ اس امر سے ڈریں کہ ان تک کوئی فتنہ پہنچ جائے یا کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے''

(یاایہا آمنوا لاتقدموا بین یدی اللّٰہ و رسولہ و اتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ سمیع علیم)[2]

''ایمان والو! خبردار خدا اور رسول کے سامنے اپنی بات کو آگے نہ بڑھاؤ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے''

(واعلموا ان فیکم رسول اللّٰہ لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم)[3]

''اور یاد رکھو کہ تمہارے درمیان خدا کا رسول موجود ہے یہ اگر بہت سی باتوں میں تمہاری بات مان لیتا تو تم زحمت میں پڑ جاتے''

(و ما کان لمومن و لا مومنۃ اذا قضی اللّٰہ و رسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ من امرہم و من یعص اللّٰہ و رسولہ فقد ضل ضلالاً بعیداً)[4]

''اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا و رسول کسی چیز کا فیصلہ کر دیں (یا کوئی حکم دیں) تو وہ بھی اپنے امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے اور جو بھی خدا و رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں ہے''

(و ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ فلا و ربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً)[5]

''اور ہم نے کسی رسول کو بھی نہیں بھیجا ہے مگر صرف اس لئے کہ حکم خدا سے اس کی اطاعت کی جائے پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں۔ اور پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں''

---

1 سورۂ نور، آیت ۶۳۔
2 سورۂ حجرات، آیت ۱۔
3 سورۂ حجرات، آیت ۷۔
4 سورۂ احزاب، آیت ۳۶۔
5 سورۂ نساء، آیت ۶۵۔ ۶۴۔

(یأ ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و رسولہ و لاتولوا عنہ و انتم تسمعون)[1]

"ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور اس سے رو گردانی نہ کرو جب کہ تم سن بھی رہے ہو"

ان تمام باتوں کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگرچہ پیغمبر اسلاؐم نے بے پناہ محنت و مشقت اور زحمتیں اٹھا کر قبیلہ یا قوم پرستی کے نظام اور اس کے خطرناک اثرات جیسے قبیلہ جاتی تعصب، ایک دوسرے سے رقابت، یا قبیلوں کے درمیان میں رقابتیں جو خود دور جاہلیت کے لوگوں کے لئے ایک درد سر تھا، ان سب کو ختم کر دیا تھا، لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تمام رسم و رواج بعض مسلمانوں کے اندر اسی طرح چھپے ہوئے تھے جس طرح سے راکھ کے نیچے آگ دبی ہوتی ہے اور اسی لئے مختلف اوقات میں وہ ابھر کے سامنے آجاتے تھے۔

جیسا کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے فوراً بعد اوس اور خزرج دونوں قبیلے والوں نے اپنے پرانے قبیلہ جاتی نظام کو زندہ کر دیا اور دونوں طرف سے یہ آوازیں بلند ہو گئیں "نحن الامراء وانتم الوزراء و منا امیر و منکم امیر" ہم لوگ حاکم اور امیر ہیں اور تم لوگ وزیر ہو یا ایک امیر اور حاکم ہمارے درمیان سے ہو جائے اور ایک امیر و حاکم تمہارے درمیان سے ہو جائے۔[2]

جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق "میں اور ہم" کی حدوں کو قبیلوں کی سرحدوں سے اٹھا دیا گیا تھا اور سب کے سب ایک "ہم" کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ایمانی بھائی تھے جیسا کہ ارشاد ہے "انما المومنون اخوۃ"

اس بنا پر یہ بالکل طے شدہ بات ہے کہ چاہے کتنی ہی خوش فہمی اور حسن ظن کیا جائے پھر بھی قریش کے بعض سیاسی لوگ مکہ کے زمانہ کی طرح بنی ہاشم سے رقابت کا احساس رکھتے تھے اور اس طرح کے معیاروں کی بنا پر انھیں ایک ہاشمی کی خلافت قبول نہیں تھی۔
۶۔ سورۂ مائدہ کی تیسری اور ۶۷ ویں آیت کی شان نزول کے بارے میں کتب تفسیر و حدیث میں دوسرے اور بھی احتمالات ذکر کئے گئے ہیں لیکن ان کی اسناد اور دوسرے فراوان شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ دو آیتیں غدیر خم میں نازل ہوئیں ہیں۔[3]

ان دونوں آیتوں کا مضمون بھی گواہ ہے کہ ان دونوں آیتوں کا تعلق پیغمبرؐ کے بعد امت کی رہبری اور امامت جیسے اہم کام سے ہے اور وہ دوسرے واقعات جنھیں بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے ان سے ان کا کوئی رابطہ نہیں ہے مثلاً تیسری آیت میں مندرجہ ذیل جن چار باتوں کی تاکید کی گئی ہے اور اس میں ان پر تکیہ کیا گیا ہے یہ صرف امامت ہی سے مناسبت رکھتی ہیں۔

الف: کفار کی مایوسی کیونکہ وہ لوگ یہ تصور کرتے تھے کہ اسلام صرف اور صرف پیغمبرؐ کی ذات اور آپؐ کی زندگی تک باقی ہے اور آپ کی وفات کے بعد اسلام کی بساط خود بخود الٹ جائے گی لیکن حضرت علیؑ جیسی ایک مضبوط مستحکم، عادل اور برجستہ شخصیت کی جانشینی کے اعلان کے بعد یہ طے ہو گیا کہ اسلام باقی رہے گا لہٰذا وہ لوگ اس سے مایوس ہو گئے۔

ب: تکمیل اسلام، کیونکہ پیغمبرؐ کا جانشین معین ہوئے بغیر اور امت کی رہبری کا سلسلہ جاری رہے بغیر یہ دین و مذہب منزل تکمیل تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔

---

1 سورۂ انفال، آیت ۲۰۔

2 ابن قتیبہ دینوری، الامامۃ والسیاسۃ (قم: منشورات الشریف الرضی)، ص ۲۵۔ ۲۴۔

3 اس مضمون سے مزید آگاہی کے لئے، رجوع کریں: الغدیر، ج ۱، ص ۲۴۷۔ ۲۱۴۔

ج: تکمیل رہبری کے تسلسل کے ساتھ ' ہدایت کی نعمت کا اتمام۔

د: خداوند عالم کی طرف سے اسلام کی تکمیل کے اعلان کے علاوہ اس کو آخری مذہب اور دین قرار دیا جانا۔[1]

لشکر اسامہ

پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ ۸ھ میں جنگ موتہ میں اسلامی فوج کے ایک سپہ سالار جناب زید بن حارثہ بھی تھے اور اس میں مسلمانوں کو رومیوں سے شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور اس لشکر کے تینوں سردار سمیت بعض دوسرے اسلامی سپاہیوں نے بھی جام شہادت نوش کیا تھا۔ ۹ھ میں بھی رسول خدا نے سرزمین تبوک تک اسلامی فوج کے ساتھ پیش قدمی کی تھی لیکن وہاں کوئی جنگ نہیں ہوئی اور آپ کا یہ اقدام ایک قدرتمند فوجی مشق کی حد تک ہی رہ گیا اسی لئے گزشتہ واقعات کی بنا پر شہنشاہ روم کی دشمنی اور اس کی فوجی قدرت وطاقت آپ کے لئے ہمیشہ ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی اور آپ مسلسل رومیوں سے ٹکراؤ اور جنگ کے بارے میں متفکر رہتے تھے اسی بنا پر جب آپ حجۃالوداع سے لوٹ کر مدینہ واپس آئے تو آپ نے زید بن حارثہ کے بیٹے اسامہ کی سپہ سالاری میں ایک لشکر منظّم کیا اور ایک فوج بنائی اور ان کو یہ حکم دیا کہ سرزمین ''اُبنیٰ''[2] جو ان کے والد کی شہادت کی جگہ ہے وہاں تک پیش قدمی کریں اور رومیوں سے جنگ کریں۔

رسول خداؐ نے فوج کی سربراہی کا پرچم اسامہ[3] کے حوالے کیا اور ان کو فوجی اور نظامی احکامات کے متعلق نصیحتیں بھی کیں' انھوں نے مقام جُرف[4] کو اپنی فوج کے قیام کے لئے منتخب کیا تا کہ باقی فوج بھی وہاں آکر جمع ہو جائے۔[5]

اس فوج میں انصار و مہاجرین کے کچھ شناختہ اور مشہور و معروف افراد جیسے ابو بکر' عمر' ابو عبیدہ جراح' سعد بن ابی وقاص[6]' عبد الرحمان بن عوف' طلحہ' زبیر' اسید بن حضیر' بشیر بن سعد[7] (ابوالاعور) سعید بن زید'[8] قتادہ بن نعمان اور سلمہ بن اسلم'[9] بھی موجود تھے۔

---

1 اس سلسلہ میں مزید آگاہی کے لئے اور سورۂ مائدہ کی ان دو آیتوں کے درمیان ایک آیت کے فاصلہ کے بارے میں اور یہ کہ' یہ تیسری آیت حرام گوشت کے احکام سے متعلق ہے اور یہ ولایت کے مسئلہ سے مناسبت نہیں رکھتی ان تمام چیزوں کے بارے میں رجوع کریں تفسیر نمونہ' ج ۴' ص ۲۷۱۔ ۲۶۳۔

2 ابنیٰ' دنیا کے وزن پر ہے۔ سرزمین شام کا ایک علاقہ ہے جو عسقلان اور رملہ کے درمیان' موتہ سے نزدیک ہے۔ (حلبی' السیرۃ الحلبیہ (بیروت: دار المعرفہ)' ج ۳' ص ۲۲۷)۔

3 اسامہ کا سن اس وقت ۱۷' ۱۸ یا ۱۹ سال لکھا ہے اور کسی تاریخ میں بھی ان کا سن ۲۰ سال سے زیادہ نہیں لکھا گیا ہے۔

4 شام کی جانب مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے۔

5 ابن سعد' طبقات الکبریٰ' (بیروت: دار صادر)' ج ۲' ص ۱۹۰؛ شیخ عبد القادر بدران' تہذیب تاریخ دمشق' تالیف حافظ ابن عساکر (بیروت: دار احیاء التراث العربی' ۱۴۰۷ھ۔ق)' ج ۱' ص ۱۲۱؛ زینی دحلان' السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ' ج ۲' ص ۱۳۸؛ حلبی' گزشتہ حوالہ' ص ۲۲۷۔

6 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ص ۱۹۰؛ حلبی' السیرۃ الحلبیہ' (بیروت: دار المعرفہ)' ج ۳' ص ۲۲۷؛ زینی دحلان' السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ' ج ۲' ص ۱۳۸۔

7 ابن ابی الحدید' شرح نہج البلاغہ' تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم' دار الکتب العربیہ' ج ۶' ص ۵۲؛ سقیفۂ ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری کے نقل کے مطابق۔

8 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ص ۱۹۰؛ شیخ عبد القادر بدران' تہذیب تاریخ دمشق' تالیف حافظ ابن عساکر' (بیروت: دار احیاء التراث العربی' ۱۴۰۷ھ۔ق)' ج ۱' ص ۱۲۱۔

9 ابن سعد' گزشتہ حوالہ' ص ۱۹۰؛ تقی الدین احمد بن علی مقریزی' امتاع الاسماع' تحقیق: محمد عبد الحمید النمیسی (بیروت: دار الکتب العلمیہ' ط ۱' ۱۴۲۰ھ۔ق)' ج ۲' ص ۱۲۴؛ تہذیب تاریخ دمشق' ج ۱' ص ۱۲۱۔

پیغمبر اکرمؐ نے جب اسامہ کی فوج کو حرکت کرنے کا حکم دیا تھااس وقت تک آپ بالکل صحت مند اور تندرست تھے لیکن اگلے ہی دن آپ کو بخار عارض ہوااور بالآخر یہی آپ کے مرض الموت میں تبدیل ہوگیا۔ بستر بیماری پر رسول خداؐ کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ لوگ اسامہ کی کم عمری کی بناپر ان کی سپہ سالاری پر معترض ہیں اسی لئے ابھی اسامہ کی فوج مدینہ سے حرکت نہیں کر پائی ہے. رسول خداؐ اسی بیماری کی حالت میں اور رنج والم کے ساتھ مسجد میں تشریف لے گئے اور ایک خطبہ میں لوگوں کواسامہ کی فوج کے ساتھ تعاون اور ان کے ساتھ روانہ ہونے کی ترغیب دلائی اور فرمایا :

ایہاالناس! اے لوگو! یہ کیا باتیں ہیں جو میں نے اسامہ کی سپہ سالاری کے بارے میں بعض لوگوں سے سنی ہیں ؟آج تم اسامہ کی سپہ سالاری کے بارے میں گلہ مند ہو اور اس سے پہلے ان کے والد کی سپہ سالاری کے بارے میں بھی تمہیں گلہ تھاجب کہ خدا کی قسم زید' سپہ سالاری کے لائق تھے اور ان کا بیٹا بھی ان کے بعد اس منصب کے لائق اور اس کا سزاوار ہے۔ الخ۔[1]

رسول خداؐ کی زندگی کے آخری ایام میں آپ کی صحت بہت ہی زیادہ ڈھل گئی اور آپ پر مسلسل غش طاری ہو رہا تھا جب ایک بار آپ کو بے ہوشی سے افاقہ ہواتو آپ نے لشکر اسامہ کے بارے میں پوچھا' تولوگوں نے کہا کہ روانگی کے لئے تیار ہو رہاہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ :

''اسامہ کی فوج کو روانہ کرو خداان لوگوں پر لعنت کرے''[2] جو اسامہ کے لشکر کے ساتھ نہ جائیں' پیغمبرؐ کی ان تمام تاکیدوں کے بعد چودہ روز تک جن میں آپ مریض رہے[3] مختلف لوگوں کے متعدد بہانوں کی وجہ سے اسامہ کی فوج کی روانگی اسی طرح تعطل کا شکار رہی اور اس فوج نے حرکت نہیں کی یہاں تک کہ پیغمبرؐ کی رحلت ہوگئی' جیسا کہ ہم نے غدیر خم کے واقعہ کے ذیل میں وضاحت کی تھی کہ یہ واقعہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ بعض مسلمان پیغمبرؐ کے صریحی احکام اور فرامین سے سرپیچی کے مرتکب ہوئے ہیں۔

پیغمبرؐ کا اعلیٰ مقصد

اسامہ کی فوج کو روانہ کرنے کے لئے پیغمبرؐ کی مسلسل کوششوں اور محنتوں کے اندر بعض اہم نکات اور موضوعات پائے جاتے ہیں جن کی طرف توجہ دینا بہت ضروری ہے۔

---

1 ابن سعد 'گزشتہ حوالہ' مقریزی 'گزشتہ حوالہ' ج۲'ص۱۲۴؛ زینی دحلان 'گزشتہ حوالہ؛ شیخ عبدالقادر بدران 'گزشتہ حوالہ؛ حلبی 'گزشتہ حوالہ' ص۲۲۸۔ بخاری اور مسلم میں رسول خداؐ کافرمان اس طرح سے نقل ہوا ہے :

''ان تطعنوا فی امارته فقد کنتم تطعنون فی امارة ابیه من قبل و ایم الله ان کان لخلیقا للامارة وان کان لمن احب الناس الی و ان ہذا لمن احب الناس الی بعد''۔ (صحیح بخاری، تحقیق: شیخ قاسم الشماعی الرفاعی، (بیروت: دار القلم، ۱۴۰۷ھ-ق)، ج٦، ص۳۲٦; المغازی، باب ۲۰۳، حدیث۹; صحیح مسلم، بشرح النووی، (قم: دار الفکر، ۱۴۰۱ھ-ق)، ج۱۵، فضائل الصحابة، ص۱۹۵-)

2 '' جہزوا جیش اسامة' لعن اللّٰہ من تخلف عنہ۔ (محمد بن عبد الکریم شہرستانی (قم : منشورات الشریف الرضی)' ص۲۹؛ اگرچہ شہرستانی نے اس گروہ کے بارے میں رسول خدا کی لعنت کو حدیث مرسل کہا' لیکن ابی الحدید' ابوبکر احمد بن عبد العزیز جوہری نے ''سقیفہ'' کتاب میں اس لعنت کو حدیث مسند کے طور پر عبداللہ بن عبد الرحمان سے نقل کیاہے کہ آنحضرت نے کئی مرتبہ فرمایا : انفذوا بعث اسامہ' لعن اللّٰہ من تخلف عنہ (شرح نہج البلاغہ' ج٦' ص ۵۲)۔

3 ابو واضح' تاریخ یعقوبی (نجف : المکتبة الحیدریہ' ۱۳۸۴ھ۔ق)' ج۲' ص۱۷۸۔

ا۔اتنی عظیم اسلامی فوج کو روانہ کرتے وقت اس کی سپہ سالاری ایک ایسے سردار کے حوالے کرنا جس کی عمر بیس سال سے کم تھی جبکہ یہ فوج اس وقت کے قوی ترین دشمن اور اسلامی دارالحکومت سے بہت دور اور حساس علاقہ میں جنگ کے لئے بھیجی جارہی تھی۔
۲۔اس فوج میں اسامہ کی سپہ سالاری کے تحت ایسے تجربہ کار اور ماہرین جنگ سپہ سالار اور کمانڈر بھی رکھے گئے تھے نیز اس میں ایسے قبیلوں کے سردار اور پیغمبرؐ کے مشہور اصحاب بھی موجود تھے جو اپنے کو مقام و منزلت اور ایک خاص عظمت کا حامل سمجھتے تھے اور وہ لوگ اس نوجوان سپہ سالار کا یہ منصب خود حاصل کرنے کے لئے تیاری کررہے تھے۔

۳۔پیغمبر اسلاؐم اگرچہ یہ بخوبی جانتے تھے کہ اب یہ آپ کی عمر مبارک کے آخری ایام ہیں (اور خطبۂ غدیر میں آپ نے اس کی طرف اشارہ بھی فرمادیا تھا) اور اسی کے ساتھ تاریک فتنہ اور خطرناک حوادث کے بادل امت اسلامیہ کے سرپر منڈلارہے ہیں آپ نے اسلامی فوج کوایک دور ترین خطے کی طرف روانہ فرمایا اور انصار و مہاجرین کے سرکردہ افراد کوان کے ساتھ کردیا آپ کی اس تدبیر اور دور اندیشی اور الٰہی سیاست کو نظر میں رکھنے کے بعد اس میں کوئی تردید نہیں رہ جاتی کہ آپ نے اتنے عظیم اقدام کو یقیناً کسی اہم مقصد کے لئے انجام دیا تھا کہ ان تمام مشکلات اور خطرات کو سہہ لینااس کے مقابلہ میں بہت آسان تھا۔

ان تمام نکات کی تحقیق اور ان پر توجہ کرنے کے بعد بہ آسانی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ رومیوں سے فوجی ٹکراؤ کے علاوہ آپ کی نظر میں دو اہم مقصد اور بھی تھے۔

(الف) پیغمبرؐ نے اسامہ کو اسلامی لشکر کا سپہ سالار اس لئے بنایا تھا تاکہ مسلمانوں کو عملاًاس حقیقت کی طرف متوجہ کردیں کہ کسی عہدے اور مقام تک پہنچنے کے لئے صلاحیت اور لیاقت معیار ہوتی ہے اور کسی کی کم عمری اور جوانی سے اس کی لیاقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جس طرح کسی انسان کے سن کی زیادتی سے اس کے اندر لیاقت پیدا نہیں ہو جاتی اسی لئے پیغمبر اسلاؐم نے اعتراض کرنے والوں کو یہ جواب دیا تھا کہ :''زید بھی سپہ سالاری کے لائق تھے اور اب ان کا بیٹاان کے بعد اس منصب کے لائق ہے''

پیغمبر اسلاؐم نے اپنے اس واضح اور دوٹوک بیان سے اسامہ کی لیاقت اور شائستگی کو واضح کردیا اور جو لوگ عمر کی زیادتی یا قبیلہ وغیرہ کوایسے عہدے اور مقام میں دخیل سمجھتے ہیں ان کے باطل افکار کی وضاحت فرمادی۔ کیا اس کے علاوہ اس کی اور کوئی وجہ ہوسکتی ہے کہ آپ نے اسامہ کی سپہ سالاری کے بارے میں جو اتنی تاکید کی تھی اس کے ذریعہ آپ عملاً حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے راہ ہموار کررہے تھے اور جو لوگ حضرت علیؑ کی جوانی کو بہانہ بناکر خلافت سے متعلق آپ کی لیاقت اور صلاحیت کے بارے میں انگلی اٹھانا چاہتے تھے آپ ان کا جواب دے رہے تھے۔

(ب) پیغمبرؐ کا ارادہ یہ تھا کہ آپ کی وفات کے وقت حضرت علیؑ کے وہ سیاسی رقباء جن کے دل میں خلافت کی لالچ تھی مدینہ سے دور رہیں (اسی لئے مہاجرین وانصار کے چنندہ افراد کو آپ نے اسامہ کی فوج میں شامل کیا تھا تاکہ ان لوگوں کے جانے کے بعد ان کے عدم موجودگی میں حضرت علیؑ حکومت کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور مخالفین کے لئے کوئی صورت باقی نہ رہے اور جب وہ لوگ میدان جنگ سے واپس پلٹیں تو حضرت علیؑ کی حکومت مستحکم ہوچکی ہو۔[1]

---

1 ابن ابی الحدید، (۶۵۶ھ) نے اس تحلیل پر جو ناقابل قبول تنقید کی ہے (شرح نہج البلاغہ، ج۱،ص۱۶) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیعوں کی یہ تحلیل قدیم زمانہ سے مورخین کے درمیان پائی جاتی تھی۔

اسی سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتاہے کہ پیغمبر کی اتنی تاکید اور اصرار کے باوجود بھی کچھ لوگ اسامہ کے ساتھ جانے سے کیوں جان چرارہے تھے؟اور آج یاکل پر ٹال مٹول کے ذریعہ٬انھوں نے لشکر اسامہ کو روانہ ہونے سے کیوں روک دیا؟ یہاں تک کہ رسول اللہؐ کی وفات ہو گئی۔

وہ وصیت نامہ جو لکھانہ جاسکا!

پنجشنبہ کے دن (رحلت سے چار دن پہلے) جب پیغمبرؐ بستر علالت پر تھے آپ نے فرمایا: "قلم اور کاغذ لے آؤتاکہ میں تمہارے لئے کچھ لکھ دوں جس سے تم لوگ میرے بعد گمراہ نہ ہو" حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہاآپ کے اوپر درد اور مرض کا غلبہ ہے اور آپ ہذیان بک رہے ہیں قرآن ہمارے پاس ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔اسی دوران حاضرین کے درمیان اختلاف ہو گیا بعض لوگوں نے اُس کی بات کی تائید کی اور کچھ لوگ پیغمبرؐ کے فرمان کی تائید کررہے تھے اسی میں شور وہنگامہ بڑھتا گیا اسی دوران پیغمبرؐ سے کہا: آپ کے حکم کی تعمیل کی جائےآپ نے فرمایا: "یہ سب کچھ ہونے کے بعد؟ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو (جو مجھے درد و غم اور تکلیف ہے) مجھے اسی حالت پر رہنے دواور تم لوگ میرے بارے میں جو کچھ کہہ رہے ہو (میری طرف ہذیان کی جو نسبت دے رہے ہو) میری یہ حالت اس سے کہیں بہتر ہے٬ یہاں سے باہر نکل جاؤ"۔

جو کچھ آپ نے پڑھا یہ اس قصے کا خلاصہ ہے جو اہل سیرت اور محدثین نے پیغمبرؐ کی عمر کے آخری ایام کے واقعات کے ذیل میں نقل کیا ہے۔[1]

اگرچہ یہ واقعہ بعض کتابوں میں تحریف کرکے یاتوڑ مروڑ کر پیش کیا گیا ہے کچھ لوگوں نے پیغمبر اسلامؐ کی شان میں گستاخی کرنے والے کا نام ہی غائب کردیا٬ یاصرف اس کی بات کے مضمون کو نقل کیا ہے اور بعض اوقات اس کی طرف سے عذر تراشی کی کوشش کی گئی ہے لیکن تمام شواہد و قرائن اس بات کے گواہ ہیں کہ پیغمبر کا یہ اقدام دراصل اپنی جانشینی کے لئے حضرت علیؑ کی شناخت کرانا اور مسلمانوں کو رہبری اور قائد کے بغیر نہ چھوڑ دینے کے سلسلے کی ایک کڑی تھی اور اگر بعض حاضرین نے کسی نہ کسی طریقے سے آپ کو وصیت نامہ لکھنے نہیں دیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ آپ کیا تحریر کرنا چاہتے ہیں۔

جیساکہ عبد اللہ بن عباس اس نکتہ پر توجہ اور مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد افسوس بھرے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں۔ (پنجشنبہ کا دن کتنادردناک تھا کہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

"میرے لئے کاغذ اور دوات لے آؤتاکہ تمہارے لئے کچھ لکھ دوں اور تم اس کے بعد گمراہ نہ ہو لیکن انھوں نے نہیں سنا....."[2] کیونکہ یہ واقعہ بہت مشہور بلکہ تاریخ اسلام کے مسلمات میں سے ہے اور گزشتہ اور موجودہ تمام لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے اور کافی حد تک اس کے بارے میں بحث کی ہے للذا اسی مقدار پر ہم اکتفا کررہے ہیں اور اس کے بارے میں مزید تحقیق و جستجو اور اس سے متعلق عذر تراشیوں پر تنقید

---

1 نمونہ کے طور پر ملاحظہ کریں: صحیح بخاری٬ تحقیق: الشیخ قاسم السماعی الرفاعی؛ (بیروت: دار القلم٬ ط١٬ ١٤٠٧) ٬ ج١ کتاب العلم٬ باب کتابۃ العلم (باب ٨٢) ٬ ج١٢٬ ص١٢٠ و ج٦؛ المغازی٬ باب ١٩٩٬ ص ٣١٨۔ ٣١٧؛ صحیح مسلم٬ بشرح النووی٬ ج١١٬ باب ترک الوصیۃ لمن لیس لہ شیء یوصی فیہ٬ ص٨٩؛طبقات الکبری٬ (بیروت: دار الصادر) ٬ج٢٬ص٢٤٢٬ابن ابی الحدید٬شرح نہج البلاغہ٬ابو بکر جوہری کے نقل کے مطابق۔

2 "لما اشتد النبیؐ وجعه قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتاباً لاتضلوا بعده قال عمر ان النبیؐ غلبه الوجع و عندنا کتاب اللّه حسبنافاختلفوا و کبر اللغط قال قوموا عنی ولاینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیة کال الرزیة ماحال بین رسول اللّهؐ و بین کتابه۔ (صحیح بخاری٬ ج١٬ ص١٢٠؛رجوع کریں: الطبقات الکبری٬ ج٢٬ ص٢٤٤۔)

یا بعض ابہامات کا جواب دینے یا اس بارے میں جو سوالات پیدا ہوتے ہیں ان کو ذکر کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے لئے اس کی متعلقہ کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔[1]

پیغمبر اسلامؐ کی رحلت

پیغمبر اسلامؐ ۲۳ سال تک الٰہی پیغام کو پہنچا کر اور اس راہ میں مسلسل دعوت و جہاد اور اپنی رسالت کی انجام دہی کے راستے میں مختلف نشیب و فراز سے گزر کر آخر کار روز دوشنبہ ۲۸ صفر ۱۱ھ[2] کے دن ۱۴ روز بیمار[3] رہنے کے بعد عالم بقا کی طرف رحلت فرما گئے اور مسجد کے برابر میں آپ کا جو حجرہ تھا اسی میں آپ کو دفن کیا گیا بعد میں جب بعض خلفاء کے دور میں اس مسجد کی توسیع کی گئی تو آپ کا مرقد مطہر مسجد (مشرقی سمت) میں شامل ہو گیا۔

اگرچہ ہجرت کے کچھ دنوں بعد مسلمانوں کی مالی حالت اور خود پیغمبرؐ کی مالی حالت بھی بہتر ہو گئی تھی اور آپ کے مخصوص اموال (اموال خالصہ) اور دوسری آمدنی کے ذرائع بھی آپ کے پاس موجود تھے اور آپ کی ظاہری قدرت و طاقت اور روحانی نفوذ میں بے حد اضافہ ہو چکا تھا لیکن آپ کی ذاتی زندگی میں ذرہ برابر تبدیلی نہیں آئی تھی اور آپ مسجد کے برابر میں اپنے حجرے میں اسی طرح سادگی کے ساتھ رہتے تھے نہ آپ نے کوئی مال جمع کیا تھا، نہ لوگوں کی طرح آپ کے پاس کوئی بڑا گھر تھا آپ کا وہ بستر جس پر آپ آرام فرماتے تھے وہ بھی ایک چمڑے کا بستر تھا جس کے اندر کھجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں"[4] چٹائی کے اوپر نماز پڑھتے تھے اور اکثر اوقات اسی چٹائی اور بوریئے کے اوپر آرام کرتے تھے جس کے نشان آپ کے چہرے یا بدن پر نمایاں ہو جاتے تھے۔[5] آپ نے اپنی عمر کے آخری ایام میں یہ حکم فرمایا کہ بیت المال کے وہ چند دینار جو آپ کی ایک زوجہ کے پاس بچے ہوئے تھے ان کو غرباء میں تقسیم کر دیا جائے۔[6] آپ نے اسی طرح سادگی سے زندگی گزاری اور بالآخر اپنے سادے حجرے میں دنیا سے تشریف لے گئے لیکن اس کے باوجود آپ نے ایک عظیم دین ایک آسمانی کتاب اور ایک موحد اور خدا پرست امت کو اپنی یادگار کے طور پر چھوڑا اور دنیا کی تاریخ میں ایک نئے تمدن اور ثقافت کی بنیاد رکھی۔

---

1 مثال کے طور پر ذکر شدہ کتب کی طرف رجوع کریں: الطرائف، ابن طاووس، علی بن موسیٰ، (قم: مطبعۃ الخیام)، ج ۲، ص ۴۳۵-۴۳۱؛ النص والاجتہاد، شرف الدین، سید عبدالحسین موسوی (بیروت: دار النعمان، ط ۳، ۱۳۸۴ھ-ق)، ص ۱۷۷-۱۶۲؛ جعفر سبحانی، فروغ ابدیت، (قم: مرکز انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، ط ۵، ۱۳۶۸)، ج ۲، ص ۵۰۰-۴۹۳؛ مصطفوی، حسن الحقائق فی تاریخ الاسلام والفتن والاحداث، ص ۱۳۵-۱۲۹؛ یوسف غلامی، پس از غروب (قم: دفتر نشر معارف، ج ۱، ۱۳۸۰)، ص ۵۳-۳۸۔ محمد حسین ھیکل، حیات محمد (قاہرہ: مکتبۃ النہضۃ المصریہ، ط ۸، ۱۹۶۳)، ص ۵۰۱؛ شرح امام نووی بر صحیح مسلم (طبع شدہ با اصل صحیح مسلم) ج ۱۱، ص ۹۳-۸۹۔

2 محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، (تہران: دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۵ھ-ق)، ج ۲۲، ص ۵۱۴، تاریخ وفات رسول اکرمؐ کے بارے میں دوسرے اقوال بھی نقل ہوئے ہیں۔ رجوع کریں: گزشتہ حوالہ، ص ۵۲۱-۵۱۴؛ ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۳، ص ۲۷۴-۲۷۲؛ السیرۃ الحلبیۃ، ج ۳، ص ۴۷۳۔

3 ابن واضح، تاریخ یعقوبی، (نجف: المکتبۃ الحیدریہ، ۱۳۸۴ھ-ق)، ج ۲، ص ۱۷۸۔

4 حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج ۳، ص ۴۵۴۔

5 گزشتہ حوالہ۔

6 ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج ۲، ص ۲۳۹-۲۳۷۔

رحلت پیغمبرؐ کے وقت اسلامی سماج، ایک نظر میں

پیغمبر اسلاؐم نے مکہ سے ہجرت کے بعد مدینہ میں قیام کر کے وہاں کے آزاد اور معاون ماحول سے استفادہ کرتے ہوئے اسلامی معاشرے کی سنگ بنیاد رکھی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے راستوں سے رکاوٹوں کو ہٹاتے چلے گئے اسلامی امت کو ایک دینی اور سیاسی شناخت عطا کی اور الٰہی پیغام کو مکمل طور سے لوگوں تک پہنچا دیا اور جس وقت آپ نے رحلت فرمائی آپ اپنی رسالت کو پایۂ تکمیل تک پہنچا چکے تھے اور درخشندہ اور روشن کامیابیاں آپ کے قدم چوم رہی تھیں لیکن اس کے باوجود اس وقت کے معاشرے میں کچھ مخصوص حالات اور افکار پھیلے ہوئے تھے جن میں سے اہم چیزوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

۱۔ جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے کہ پیغمبر اسلاؐم نے اسلامی تعلیم کے سایہ میں عرب کے مختلف اور پراگندہ قبیلوں کو (جن کا کام ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا تھا) ایمان اور عقیدے کے مشترک رشتے کی بنا پر ایک دوسرے سے جوڑ دیا اور ان کے درمیان میں دینی بھائی چارا (عقد مواخات) قائم کر دیا۔ ماضی کی پراکندہ قوم اور افراد کو امت واحدہ میں تبدیل کر دیا اور آپ نے انھیں لوگوں کی مدد سے الٰہی حکومت تشکیل دی جس کی رہبری کے فرائض آپ خود انجام دے رہے تھے۔ آپ کا دار الحکومت اور مرکز شہر مدینہ تھا، اس حکومت میں وہ مسائل اور سماجی باتیں جن کے بارے میں خدا کی طرف سے نص موجود نہیں تھی مسلمانوں کی رائے اور مشوروں سے حل ہوتے تھے، ان کے پاس مکمل طور سے آزادیٔ رائے پائی جاتی تھی عربوں نے اسلام کے سایہ میں پہلی بار اس قسم کی وحدت، قدرت اور معنویت کو قریب سے دیکھا تھا لیکن اس کامیابی کو اسی طرح باقی رکھنے کے لئے ایسے ہی مقتدر، شائستہ اور لائق رہبر اور قائد کی ضرورت تھی جو پیغمبر اسلاؐم کے بعد نظام امت و امامت پر بھروسہ کرتے ہوئے خود پیغمبرؐ کی طرح اسلامی معاشرے کو معنوی اور سیاسی دونوں لحاظ سے آگے بڑھا سکے۔

۲۔ پیغمبرؐ کی رحلت کے وقت پورے جزیرہ نمائے عرب سے تقریباً بت پرستی کا خاتمہ ہو چکا تھا اگرچہ جزیرۃالعرب کے باہر کوئی فتح نہیں ہوئی تھی لیکن پیغمبرؐ کی عالمی دعوت اور تبلیغ کی بنا پر اسلام کا پیغام دنیا کے شہنشاہان مملکت کے کانوں تک پہونچ چکا تھا لیکن خود جزیرہ نمائے عرب میں وہ بہت سے لوگ جو پیغمبرؐ کی زندگی کے آخری ایام میں مسلمان ہوئے تھے (خاص طور سے فتح مکہ اور جنگ تبوک کے بعد) وہ صرف اور صرف ظاہری طور اسلام لائے تھے کیونکہ انھوں نے اسلامی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے اسلام قبول کیا تھا ان میں سے اکثر لوگوں کے دلوں تک اسلام اور ایمان نہیں اترا تھا اور پیغمبر اسلاؐم کو اتنی فرصت نہیں مل پائی کہ آپ دینی مبلغین کو بھیج کر ان کی ثقافتی اور مذہبی بنیادوں کو درست کر سکیں اس میں سے بہت سے لوگوں نے پیغمبر اکرمؐ کو ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا بلکہ ان کے سردار اور نمائندے ہی پیغمبرؐ سے ملاقات کرتے تھے اسی لئے دوبارہ اسلام کی قدرت کے ضعیف ہونے اور کفر و بت پرستی اور ارتداد کی واپسی کا بہت احتمال تھا اس وجہ سے بھی اسلامی رہبری کا جاری رہنا ضروری تھا تاکہ پیغمبرؐ کا یہ ثقافتی مشن جاری رہے اور اسلام کی تعلیمات کی وضاحت اور تبیین اور تبلیغی اور ثقافتی نیز روحانی رشد و ہدایت کا سلسلہ منزل تکمیل تک پہونچ جائے۔

۳۔ ۹ھ میں منافقین کے سرکردہ لیڈر عبد اللہ بن ابی کی موت کے بعد اگرچہ اس خائن گروپ کی قدیم شکل و صورت ختم ہو گئی تھی اور وہ استحکام باقی نہیں رہ گیا تھا لیکن پھر بھی اس ٹولہ کے افراد مدینہ اور اس کے اطراف میں موجود تھے یہ لوگ ہر لحہ ایسی فرصت کی تلاش میں رہتے تھے جس سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں پر کوئی کاری ضرب لگا سکیں۔ منافقین (جو اسلام کے اندرونی دشمن تھے) کے علاوہ دو بیرونی خطرے بھی اسلام کے سامنے تھے ایک شہنشاہ روم دوسرے شہنشائے ایران جیسا کہ اس وقت کے قرائن و شواہد سے ان کی اسلام دشمنی اور اسلام کے بارے میں ان کے منفی نظریات کی تائید ہوتی ہے۔ یہ خطرناک مثلث یقیناً پیغمبرؐ کو متفکر کرنے کے لئے کافی تھا اور آنحضرتؐ کے لئے اس کو

ناکارہ بنانے کے واسطے چارہ جوئی کرنا ضروری تھی۔ یہ مسئلہ بھی ایسے حساس لمحات اور حالات کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس کے لئے مسلمانوں کی وحدت اور ایک پرچم تلے کسی طاقت ور رہبر اور قائد کی رہبری کی ضرورت ہے۔

۴۔ جیسا کہ گزر چکا ہے کہ اسلام کے ظہور سے پہلے جزیرہ نمائے عرب میں رہنے والے لوگوں کی زندگی قبیلہ جاتی نظام پر استوار تھی اور قبیلہ جاتی نظام، رشتہ داری اور نسل پرستی کی بنیادوں پر استوار تھا ایسے نظام کے سماجی اسباب، جیسے قبیلہ جاتی تعصب فخر و مباہات ایک دوسرے سے انتقام لینا، قبیلہ جاتی جنگ، یہ سب ان کے لئے دردسر بنے ہوئے تھے۔

پیغمبرؐ نے بے پناہ زحمت و مشقت برداشت کر کے اسلام کی وحدت بخش تعلیم اور کلمۂ توحید کے سہارے اس نظام کو درہم برہم کردیا اور مشترک ایمان کو مشترک خون اور مشترک نسل کا جائے گزین بنادیا اور قبیلہ جاتی نظام کے جو خطرناک اور برے اثرات تھے ان کو کافی حد تک ختم کردیا یہ سب اسلام، قرآن اور رسالت پیغمبرؐ کے بہترین نتائج ہیں۔

لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس نظام جاہلیت کی جڑیں (اس کی پرانی جڑوں کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں ابھی تک باقی تھیں اور جب کبھی کسی حادثہ کی ہوائیں اس دبی ہوئی آگ کے اوپر سے راکھ کو اڑا لیجاتی تھیں تو ان کی قبیلہ پرستی کی فکریں سامنے آجاتی تھیں اور پیغمبر اسلاؐم نہایت زیرکی اور ہوشیاری سے اس کا سد باب کردیتے تھے اور اس کو کسی بحران اور حادثہ میں تبدیل نہیں ہونے دیتے تھے یہ بات اس زمانہ کے حساس حالات کی عکاس ہے کہ مسلمانوں کی وحدت جو بہت قیمتی سرمایہ لگا کر حاصل ہوئی تھی اس کو کس قدر خطرہ تھا انھیں قبیلہ جاتی رسم و رواج اور ذہنیتوں کی بہترین دلیل خود سقیفہ کا واقعہ بھی ہے جو پیغمبرؐ کی رحلت کے فوراً بعد سامنے آیا تھا یہ قلبی دھڑکن اور فکر اس زمانہ کے مسلمانوں کے سرکردہ افراد کے وظیفہ کو اور بھی سنگین کردے رہی تھی۔ اور ان کے سامنے ایک سخت امتحان تھا اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ کون لوگ وحدت اور اتحاد کی حفاظت کے لئے ایثار و قربانی کے لئے حاضر ہیں اور کون لوگ پرانے نظام جاہلیت پر اب بھی مصر ہیں۔

۵۔ پیغمبر اسلاؐم مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مسلمانوں کے دینی اور سیاسی قائد و رہبر تھے اور آپ یہ دونوں وظیفے ایک ساتھ انجام دیتے تھے۔ جس طرح مسلمان آپ کی خدمت میں بیٹھ کر آپ کی تقریریں، خطبات اور آپ کے ہونٹوں سے نکلنے والے کلمات وحی کو سنتے رہتے تھے اسی طرح آپ کی امامت میں نماز جماعت پڑھتے تھے اور روحانی اعتبار سے آپ کی ذات اور شخصیت میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ آپ کے وضو کے پانی کے قطروں کو تبرک سمجھتے تھے اور یہی لوگ آپ کے حکم سے میدان جنگ میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کرتے تھے، دشمنوں کو قتل کرتے تھے، اور خود بھی شہید ہو جاتے تھے، آپ کی طرف سے شہروں کی حکمرانی اور گورنری کے لئے منصوب ہوتے تھے، آپ کی نمائندگی اور سفارت کے طور پر مخالفین سے مذاکرات کرتے تھے۔

لہٰذا آپ کی رحلت کے بعد صرف یہ کافی نہیں تھا کہ آپ کا جانشین صرف اسلامی معاشرے کی سیاسی رہبری کرے بلکہ اس کے لئے یہ ضروری تھا کہ آپ کی جگہ پر کوئی ایسا شخص بیٹھے جو سیاسی رہبری کے علاوہ لوگوں کی دینی ضروریات اور ان کے دینی مسائل سے بھی بخوبی عہدہ برآ ہو سکے یعنی دینی اور اسلامی علوم اور معارف کے بارے میں اتنا وسیع علم اور آگہی رکھتا ہو کہ اس جگہ پر بھی وہ پیغمبرؐ کی خالی جگہ کو پُر کرسکے۔

اجمالی فہرست

تیسری فصل

چوتھا حصہ

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل

چوتھی فصل

پانچواں حصہ

پہلی فصل

دوسری فصل

تیسری فصل